اسلامی مہینوں کے
فضائل و مسائل
مصنف
شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
مکتبہ جمالِ کرم لاہور
صفر
محرم
ربیع الثانی
ربیع الاول
شعبان
رجب
شوال
رمضان
ذوالحجہ

مَاثَبَتَ بِالسُّنَّةِ فِیْ اَیَّامِ السَّنَةِ

مصنف: شیخ عبدالحق محدث دہلوی

مترجم: حضرت مفتی سید غلام معین الدین نعیمی

تدوین و تہذیب: محمد رفاق چشتی فاضل بھیرہ

مکتبہ جمال کرم

9. مرکز الاویس (ستا ہوٹل) دربار مارکیٹ۔ لاہور فون: 7324948

نام کتاب	اسلامی مہینوں کے فضائل ومسائل
مصنف	شیخ عبدالحق محدث دہلوی
مترجم	مفتی سید غلام معین الدین نعیمی
تدوین وتہذیب	محمد رفاق چشتی (فاضل بھیرہ)
اشاعت اوّل	اگست 2001ء
تعداد	گیارہ سو
زیراہتمام	ایم احسان الحق صدیقی
نگران طباعت	ملک خالد رمضان
ناشر	مکتبہ جمال کرم لاہور
قیمت	80 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلیکیشنز	گنج بخش روڈ لاہور۔
ضیاء القرآن پبلیکیشنز	14 انفال پلازہ اردو بازار کراچی
مکتبہ المجاہد دارالعلوم محمدیہ غوثیہ	بھیرہ ضلع سرگودھا
مکتبہ قادریہ	چوک میلاد مصطفیٰ گوجرانوالہ
فرید بکسٹال	اردو بازار لاہور۔
احمد بک کارپوریشن	35 ڈی اردو بازار راولپنڈی

چمنستان قرطاس وقلم

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
24۔	**سیدنا امام حسن اور حضرت امیر معاویہ کی صلح**	42
25۔	حضرت امیر معاویہ کی یزید کی ولی عہدی کے لئے کوششیں	42
26۔	حضرت عبداللہ ابن عمر کا یزید کی بیعت سے انکار	43
27۔	یزید کی ولی عہد کے بارے میں حضرت امیر معاویہ کا حضرت ابن زبیر سے مناقشہ	44
28۔	حضرت امام حسین کی مکہ مکرمہ سے روانگی	46
29۔	حضرت ابن عباس کی مخلصانہ نصیحت	47
30۔	کوفیوں کی بے وفائی اور واقعہ شہادت	47
31۔	قاتلین حسین پر قہر خداوندی کا نزول	48
32۔	واقعہ حرہ	49
33۔	فسخ بیعت کی وجوہات	50
34۔	**ماہ صفر**	51
35۔	بدشگونی لینے کی ممانعت	51
36۔	''لا صفر'' کی مفاہیم ومطالب	53
37۔	مصنف (علیہ الرحمۃ) کا موقف	55
38۔	مذکورہ حدیث کے دوسرے الفاظ کی تحقیق	56
39۔	لفظ ''ہامہ'' کی تشریح وتوضیح	57
40۔	ہامہ کے بارے میں قاضی عیاض کی رائے	58
41۔	''لاغول'' کا مفہوم	59
42۔	لفظ ''النوء'' کی وضاحت	61
43۔	**پہلا باب طیرہ کے بیان میں**	63
44۔	''طیرہ'' کو پہچانے کا عمومی قاعدہ	64
45۔	رسول اللہ کی پسندیدہ فال	65
46۔	طیرہ اور فال میں فرق	65
47۔	جامع الاصول کی حدیثیں	66

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
73۔	محافل میلاد اور تعامل امت محمدیہ	91
74۔	آفتاب نبوت کی روشن کرنیں	92
75۔	حضرت حلیمہ سعدیہ کے گھر کو سراپا برکت بنادیا	92
76۔	حضرت حلیمہ سعدیہ کا حضور پاک کو لوریاں سنانا	94
77۔	حضور ﷺ کے نورانی کھلونے	94
78۔	بادل سایہ کرنے لگے	95
79۔	شق صدر کا واقعہ	95
80۔	شق صدر کا تفصیلی بیان	96
81۔	حضرت آمنہ کا وصال پر ملال	97
82۔	حضور ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کا بیان	97
83۔	کفیلان رسول ﷺ	99
84۔	جناب ابوطالب کے ایمان کی تحقیق	100
85۔	سفر شام میں بحیرہ راہب سے ملاقات	101
86۔	حضور ﷺ کا نکاح مبارک	101
87۔	بعثت نبوت کی تاریخ	102
88۔	**باب دوم۔ آپ کے وصال کے بیان میں**	102
89۔	حضور ﷺ کی تجہیز و تدفین	103
90۔	مرض وصال کی ابتدا	104
91۔	لشکر اسامہ کو رخصت کرنا	105
92۔	اہل بقیع کے لیے دعائے مغفرت کرنا	106
93۔	مرض وصال کی ابتدا اور حضرت عائشہ کے حجرے میں قیام فرمانا	106
94۔	رفع مرض کیلئے دوا کا استعمال سنت ہے	108
95۔	مومن کے لئے بیماری باعث تکفیر سیئات	109
96۔	شان صدیق اکبر	110

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
118۔	حضرت فاروق اعظم کا حضرت صدیق اکبر کے موقف کی تائید کرنا	132
119۔	وقت وصال مہر نبوت کا اٹھا لیا جانا	133
120۔	حضورؐ کے جسم اطہر کی برکتیں	134
121۔	آپ کے وصال پر ملک الموت کی آہ وزاری	134
122۔	غسل شریف	134
123۔	حضورؐ کو کپڑوں سمیت غسل دیا گیا	136
124۔	حضرت علی کے زود حفظ وفہم کی وجہ	138
125۔	حضورؐ کا کفن کیسا تھا	138
126۔	نماز جنازہ یا درود شریف	141
127۔	کیفیت تدفین وقبر مبارک	143
128۔	ایک اہم علمی اور تحقیقی بحث	144
129۔	حضورؐ کی قبر کیسی بنائی گئی	145
130۔	تدفین کا وقت	147
131۔	تدفین میں تاخیر کی وجوہات	147
132۔	حضرت فاطمۃ الزہراء کی گریہ وزاری	148
133۔	بعد از وصال حضرت صدیق اکبر کی حاضری	150
134۔	اذان بلالی سے مدینہ میں آہ وفغاں	151
135۔	حضرت صفیہ کے اشعار	152
136۔	حضرت ابوسفیان کے اشعار	152
137۔	میراث وترکہ اور اس کا حکم	153
138۔	حضرت فاطمہ کا حضرت صدیق اکبر سے ترکہ کا مطالبہ کرنا	154
139۔	حضرت صدیق اکبر کا حضرت فاطمہ کی عیادت کرنا	155
140۔	قبر شریف کی زیارت	156

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
165۔	حضورؐ کی محبوب دعائیں	199
166۔	فضیلت والی چار راتیں	201
167۔	حضورؐ کی اہل بقیع کیلئے دعاء مغفرت	201
168۔	پندرویں شعبان کی رات کی مسنون نمازیں	203
169۔	مروجہ بدعات سیئہ کا تذکرہ	204
170۔	ماہ رمضان المبارک	207
171۔	نماز تراویح سنت ہے یا نفل؟	207
172۔	رکعات تراویح کی تعداد	208
173۔	نماز تراویح کے مستحبات کا بیان	209
174۔	نماز تراویح کی نیت	210
175۔	قرآت تراویح کی مقدار کی تحقیق	211
176۔	ایک اہم مسئلہ کی وضاحت	212
177۔	تراویح با جماعت کا بیان	214
178۔	نماز تراویح کی امامت کے اہم مسائل	215
179۔	بیٹھ کر نماز تراویح پڑھنا	216
180۔	جماعت کے ساتھ وتر پڑھنا	218
181۔	نماز تراویح کے وقت کی تحقیق	219
182۔	ماہ شوال	222
183۔	عیدالفطر کے بعد کے روزوں کا بیان	223
184۔	نماز عید کی قضا کا حکم	227
185۔	ماہ ذی الحجہ	229
186۔	''تعریف'' کا حکم	231

عرض ناشر

گردش لیل ونہار کی بدولت انسان کو ایسے شب وروز نصیب ہوتے رہتے ہیں۔ جو عام دنوں اور راتوں کے مقابلہ میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔ ان بابرکت لمحات کی کوکھ سے اللہ تعالیٰ کی بخشش وعنایت کے سوتے پھوٹتے نظر آتے ہیں۔ عبادات اور صدقات وخیرات کا اجر وثواب دو چند ہو جاتا ہے اور انسان اپنے آپ کو رحمت خداوندی کے انتہائی قریب محسوس کرتا ہے۔

بحیثیت مسلمان ہم میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ ایسی سعادت مند گھڑیوں کی رحمتوں اور برکتوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لے مگر اس کے لئے وہ ضرورت محسوس کرتا ہے کتاب کی صورت میں ایسے راہنمائے کامل کی، جو رحمت و برکت سے معمور ایسے شب و روز کے فضائل و مسائل کے حوالے سے مکمل اور مستند معلومات فراہم کرتا ہو۔ تاکہ وہ ایام مقدسہ سے کماحقہ استفادہ کر سکے۔ ہمارے لئے یہ بات باعث صد مسرت واعزاز ہے کہ "مکتبہ جمال کرم" کو اپنے قائین کے ان پاکیزہ جذبات اور علمی ضرورتوں کا بھرپور احساس ہے اور ہماری کوشش ہے کہ عقائد ونظریات، عبادات اور جملہ معاملات زندگی پر مشتمل ایسا مستند اور معیاری لٹریچر پیش کیا جائے جس میں کارزار حیات کی پرپیچ راہوں میں پھنسے ہوئے انسان کو تمام تر مسائل میں مکمل راہنمائی حاصل ہو سکے۔

"اسلامی مہینوں کے فضائل ومسائل" بھی انہی کاوشوں کی ایک حسین کڑی ہے۔ یہ دراصل شیخ علامہ محمد عبدالحق محدث دہلوی کی مشہور زمانہ کتاب "ماثبت من السنۃ فی ایام السنۃ" کا اردو ترجمہ ہے مترجم علامہ مفتی غلام معین الدین نعیمی ہیں جو کہ ترجمہ وتالیف کے حوالے سے حلقہ اہلسنت میں مستند نام ہے۔

علامہ محمد رفاق چشتی صاحب نے مسودہ کی عبارت کو سلیس، رواں اور سہل بنا دیا ہے اور موضوعات کے اعتبار سے جابجا سرخیاں لگانے سے کتاب کا معنوی حسن دوبالا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کتاب کو مصنف اور مترجم کے لئے رفع درجات کا باعث بنائے

(آمین ثم آمین بجاہ النبی الامین)

ایم، احسان الحق صدیقی ("مکتبہ جمال کرم" لاہور)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ

تمام خوبیاں اس اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہیں جس نے متبرک وقتوں کو حسنات و برکات کا مقام گردانا اور سالکان راہ شریعت وطریقت کے لئے وجہ فخر ومباحات کیا کہ ان اوقات متبرکہ میں (عمل کر کے) اپنی تجارتوں میں فائدہ اٹھائیں ان کا اجر وثواب دگنا ہو اور قبولیت دعا اور ثواب اعمال (جس کی وہ اللہ رب العزت کی بارگاہ سے امید رکھتے ہیں) جیسے نیک مقاصد تک وہ پہنچ سکیں۔ وہ شخص کتنا بدنصیب ہے جو تجارت کے مواقع کو پاکر استفادہ نہ کرے اور جان بوجھ کر نقصان وخسارہ کو پسند کرے۔

درود وسلام علی الکمال اس دربار گہربار میں پیش ہو جو تمام رسولوں کے سردار، متقیوں کے امام ہیں نام نامی اسم گرامی محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ آپ ہی کی تعلیم و ہدایت اور پیروی واتباع سے علم وعمل حاصل ہوتے ہیں اور دونوں جہان میں آپ ہی کے کرم وشفاعت کے ساتھ امیدیں اور آرزوئیں وابستہ ہیں۔ آپ ہی سارے جہان کے استاد، موجودات کے امام، علم کے منبع اور جود وسخا کے معدن ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ ؐ کی آل، صحابہ کرام، آپ کے تمام متبعین، ہادیان راہ حق اور علوم دینیہ کو حیات تازہ بخشنے والے

(علمائے کرام) پر اپنا فضل و کرم فرمائے۔ (آمین)

اما بعد اللہ تعالیٰ کا بندۂ فقیر عبدالحق بن سیف الدین دہلوی بخاری اللہ تعالیٰ اس کو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں راہ حق ویقین پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے کہتا ہے کہ دن رات میں اوراد و وظائف نماز و روزے کتنے مروی ہیں ان میں محدثین و سالکان راہ طریقت میں اختلاف ثابت ہے۔ محدثین نے سالکان راہ طریقت کی مرویات و معمولات پر کلام کر کے شدت سے انکار کیا ہے اور جو احادیث و اخبار وہ لائے ہیں ان کے باطل ہونے کا حکم دیا ہے۔ لیکن اس باب میں ہم نے اپنے فارسی رسالہ میں فریقین (یعنی محدثین اور متوصلین) کے اقوال کو ملانے کی کوشش کی ہے اور دونوں راستوں میں سے محفوظ و مامون راستہ اختیار کیا ہے۔ اور اس میں اجمال و تفصیل کے ساتھ ہم نے بیان کیا ہے کیوں نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تو حق ہی فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ بتاتا ہے۔ اس کے بعد ہم نے اس رسالہ کو ترتیب دیا اس نہج پر جس طرح محدثین احادیث کی روایت میں صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع لاتے ہیں۔ کیونکہ احادیث کی تنقیح انہیں کا کام ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے فوائد شریفہ اور لطیف تحقیقات کا اضافہ جس کا کلام مقتضی تھا شامل کیے ہیں۔ بالخصوص ماہ ربیع الاول میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر اب ماہ محرم سے ماہ ذی الحجہ تک بیان کو شروع کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں تمام کرنے اور مکمل کرنے کی توفیق ہے۔

میں نے اس رسالہ کا نام ماثبت من السنۃ فی ایام السنۃ رکھا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ جس کو نہ کبھی اونگھ آئے اور نہ نیند گھیرے اپنے فضل سے قبول فرمائے (آمین)

اس ترجمہ کا نام "ماانعم علی الامہ" مترجم غفرلہ، نے تجویز کیا۔

مختصر حالات زندگی

شیخ حضرت علامہ محمد عبدالحق محدّث دہلویؒ

خاندانی حالات:۔ حضرت شیخ کے آباؤ اجداد میں سے سب پہلے آغا محمد ترک تیرھویں صدی عیسوی میں بخارا سے ہندوستان تشریف لائے یہ سلطان علاؤالدین خلجی کا دور حکومت تھا سلطان نے آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا اور بڑی عزت افزائی کی ایک مہم کے سلسلہ میں کچھ عرصہ کے لئے گجرات میں قیام پذیر رہے بعدازاں دہلی ہی میں مستقل سکونت اختیار کی آپ کی اولاد میں سے معز الدین سے خاندان کا سلسلہ چلا ان کی اولاد سے ملک موسیٰ نے بڑی شہرت حاصل کی ان کے بیٹے شیخ سعداللہ جو حضرت شیخ کے دادا تھے ، اپنے زمانہ کے کامل بزرگ ہوئے ۔۲۲ ربیع الاول ۹۲۸ھ کو ان کا وصال ہوا۔ان کے دولڑکوں میں سے شیخ سیف الدین کو بہت شہرت حاصل ہوئی پورے دہلی میں آپ کو نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

حضرت شیخ کی ولادت اور اکتساب علم:۔ ۹۵۸ھ میں ہندوستان کے شہر دہلی میں پیدا ہوئے آپ نے ایک علمی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ والد ماجد اپنے وقت کے مشہور اور جید عالم تھے۔ لہذا حضرت شیخ کی زیادہ تر تعلیم اپنے گھر میں ہوئی صرف تین ماہ میں اپنے والد سے مکمل قواعد کے ساتھ پورا قرآن پاک پڑھ لیا۔ حضرت شیخ کی فہم وفراست اور ذہانت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک ماہ میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا اور اٹھارہ برس کی عمر میں تمام علوم عقلیہ اور نقلیہ مکمل کر چکے تھے۔

محدّث دہلویؒ کا سفر حجاز:۔ سرزمین ہند کے بگڑتے ہوئے مذہبی اور سیاسی حالات سے دلبرداشتہ ہو کر آپ حجاز مقدس تشریف لے گئے۔اس وقت آپ کی عمر اڑتیس برس تھی ۹۹۴ھ تک وہاں کے محدثین سے صحیح بخاری اور مسلم شریف کا درس لیتے رہے اسی دوران حضرت شیخ کو شیخ عبدالوہاب متقیؒ کی صورت میں ایسا راہنمائے کامل میسر آیا جن سے انہوں نے علم طریقت وشریعت میں بھرپور اکتساب فیض کیا۔انہی کے ساتھ رمضان گزارا اور فریضہ حج بھی ادا کیا پھر اپنے مرشد گرامی کی زیر نگرانی حرم شریف کے ایک حجرہ میں عبادت وریاضت میں مشغول رہے۔غرضیکہ اس بندہ خدا کی صحبت پرتاثیر نے آپ کے ظاہر وباطن میں انقلاب برپا کردیا۔

حجاز مقدس سے واپسی:۔ ظاہری اور باطنی علوم کی تکمیل کے بعد عبدالوہاب متقیؒ نے آپ کو

ہندوستان واپس جانے کا حکم فرمایا۔اپنے مرشد گرامی کے حکم کے مطابق شوال ۹۹۹ھ میں آنکھوں میں آنسو اور دل میں حسرت لئے دیار حبیب ﷺ کو چھوڑا اور ہندوستان روانہ ہو گئے۔سرزمین ہند پر قدم رکھا تو یہاں کے حالات بہت روح فرسا اور مخدوش نظر آئے اکبر بادشاہ کے مذہبی افکار دین الٰہی کی شکل اختیار کر چکے تھے۔شریعت کی بے حرمتی اور بدعات اپنے عروج پر تھیں اور اسلامی شعائر کی خوب تضحیک کی جارہی تھی۔اکبر کے وزیروں اور حاشیہ نشینوں نے حضرت شیخ کو اپنا ہمنوا بنانے کی بھر پور کوشش کی مگر اس شہباز طریقت وشریعت نے ان کے قفس الحاد وکفر میں گوشہء عافیت تلاش کرنے کی بجائے شعائر اسلام کی طرف بڑھتے ہوئے اس کفر ومعصیت کے سیلاب کو بڑی جرأت وبہادری سے روکا اور اکبر کے دوغلے پن اور منافقت پر سراپا احتجاج بن گئے۔آپ نے بڑے صبرو استقلال کے ساتھ اس فتنے کی سرکوبی کے لئے مضبوط بنیادوں پر کام شروع کیا۔ایک دارالعلوم کی بنیاد ڈالی اور قرآن وحدیث کے درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔اور یہ سلسلہ زندگی کی آخری سانسوں تک جاری رہا دراصل آپ اس حقیقت کو پا چکے تھے کہ بازار میں بکنے والے گھٹیا مال کے بیوپاریوں سے الجھنے کی بجائے اگر اسی بازار کے ایک کونے میں خالص مال کی دوکان کھول لی جائے تو لوگ خود بخود اس کی طرف امڈ آتے ہیں کیونکہ تشنہ لب لوگوں کو صاف وشفاف آب حیات میسر ہو تو وہ گندے جوہڑ پر ہرگز جمع نہ ہوں گے۔

دولت عشق ومحبت کا حصول:۔ شیخ سیف الدین سے اکتساب فیض کی بدولت آپ کے دل میں ایسا عشق اور سوز وگداز پیدا ہوا جو آخر عمر تک ان کے قلب وجگر کو گرماتا رہا ایک موقع پر اپنی قلبی کیفیات کو ساٹھ ابیات پر مشتمل قصیدہ کی صورت میں اپنے آقا ومولا حضور اکرم کی بارگاہ میں پیش کیا۔یہ قصیدہ کاروان عشق و مستی کے لئے زادراہ کی حیثیت رکھتا ہے آپ کے عشق ومحبت کا یہی سوز آپ کی دیگر تحریروں میں بھی جا بجا محسوس کیا جا سکتا ہے۔یہ جذبہ وکیفیت آپ کے والد کی تعلیم و تربیت کا فیضان تھا آپ کے مشفق ومربی والد محترم بڑے پیار سے فرمایا کرتے کہ" بیٹا! خشک ملا نہ بننا ہمیشہ عشق رسول ﷺ میں سرشار رہنا" حضرت شیخ نے اس ارشاد گرامی کو ہر وقت پیش نظر رکھا۔مدینۃ الرسول ﷺ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز سے از حد محبت کرتے اور جب کبھی اس شہر مقدس میں حاضر ہوتے تو اپنے جوتے اتار دیتے اور ننگے پاؤں رہتے"۔تاجدار مدینہ ﷺ نے اپنے عاشق صادق کے عشق ومستی کی لاج یوں رکھی کہ چار دفعہ اپنی زیارت سے فیض یاب فرمایا۔

تصانیف وتالیفات:۔ حضرت شیخ کی قلمی کاوشوں کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو

ان تصنیفات کی تعداد سو سے بڑھ جاتی ہے۔ آپ کی اہم اور مشہور تصانیف یہ ہیں۔

(1)۔ لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح ، اسی ہزار ابیات کے قریب ہیں۔ اور عربی زبان میں ہے۔ یہ کتاب ابھی تک چھپی نہیں ہے۔ قلمی نسخے، بانکی پور، رامپور، حیدر آباد دکن، دہلی اور علی گڑھ میں موجود ہیں۔

(2)۔ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ۔ یہ فارسی زبان میں ہے۔ افسوس ہے کہ بعض حضرات دونوں کتابوں میں فرق نہیں کرتے۔ اور سمجھتے ہیں کہ ایک ہی کتاب ہے۔ حالانکہ لمعات التنقیح ابھی تک چھپی ہی نہیں۔ صرف قلمی نسخے پائے جاتے ہیں۔

(3)۔ شرح سفر السعادۃ یا طریق القویم فی شرح صراط مستقیم یا طریق الافادہ فی شرح السعادہ۔

(4)۔ اخبار الاخیار (5)۔ جذب القلوب الی دیار المحبوب (6)۔ جامع البرکات (7)۔ مرج البحرین فی جمع بین الطریقین در جمع بیان شریعت و طریقت (8)۔ زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار۔ در مناقب غوث اعظمؓ (9)۔ زاد المتقین (10)۔ فتح المنان فی مناقب النعمان (11)۔ تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ و التصوف (12)۔ توصیل المرید الی المراد، بیان الاحکام والاضراب والاوراد (13)۔ شرح فتوح الغیب (14)۔ تکمیل الایمان وتقویت الایقان (15)۔ ماثبت من السنۃ فی ایام السنۃ۔ عربی زبان میں ہے۔

وصال پُر ملال:۔ وہ آفتاب علم وحکمت جو اپنی روشن کرنوں سے برسوں تک فضائے ہند کو منور کرتا رہا آخر ۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۰ھ کو غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وصیت کے مطابق حوض شمسی کے کنارے دفن کیا گیا اور شیخ نور الحق نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کی تاریخ ولادت شیخ اولیا اور تاریخ رحلت فخر عالم است ہے۔

خدا رحمت کند ایں پاک طینت را

ماہ محرم الحرام

جامع الاصول کی وہ صحیح حدیثیں جن میں ماہ محرم کے حالات وفضائل اوراس میں روزہ رکھنے کی فضیلت مروی ہے، درج ذیل ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ فرضیت روزہ رمضان سے قبل عاشورے کے دن روزہ رکھا جاتا تھا۔ جب روزۂ رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے افطار کرے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت صدیقہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورے کے دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا (الحدیث)

دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ فرضیت رمضان سے قبل عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے اور یہی وہ دن ہے جس دن خانہ کعبہ کا غلاف چڑھتا تھا۔ فرماتی ہیں جب رمضان فرض ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چاہے کہ روزہ رکھے تو وہ روزہ رکھ سکتا ہے اور جو نہ رکھنا چاہے تو وہ چھوڑ سکتا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ فرماتی ہیں عاشورے کے دن زمانہ جاہلیت میں قریش بھی روزہ رکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی روزہ رکھتے تھے۔ جب آپ مدینہ طیبہ رونق افروز ہوئے تو آپ نے اس کے روزہ کا حکم دیا پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کا روزہ ترک فرمادیا اور ارشاد فرمایا کہ اب جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ نے فرمایا جو چاہے رکھے جو چاہے ترک کردے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ قریش جاہلیت میں عاشورے کا روزہ رکھتے تھے پھر حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو روزہ رکھنا چاہے رکھ سکتا ہے جو چھوڑنا چاہے وہ افطار کرسکتا ہے۔
اس کی تخریج بخاری و مسلم نے کی ہے۔ اور امام مالک و ابوداؤد اور ترمذی نے چوتھی روایت
نقل کی ہے۔ یہ حضرات اس روایت میں فلما فرض کے بعد فکان لو کان الفریضۃ
کہتے ہیں۔

یوم عاشورہ کے روزہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ عاشورے کے دن
روزہ رکھتے تھے اور فرض رمضان سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خود روزہ رکھا
اور سب مسلمانوں نے بھی۔ پھر جب رمضان فرض ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا عاشورے کا دن اللہ تعالیٰ کے دنوں میں سے ہے لہٰذا جو چاہے روزہ رکھے۔

ایک اور روایت میں نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یوم
عاشورا کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ وہ دن ہے جس میں زمانہ جاہلیت میں روزہ رکھا جاتا
تھا۔ اب جو روزہ رکھنا چاہے رکھے۔ اور ترک کرنا چاہے چھوڑ دے۔ اس کی تخریج بخاری و
مسلم نے کی اور بخاری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورے کے
دن روزہ رکھا اور اس کا حکم دیا پھر جب رمضان فرض ہوئے تو آپ نے ترک کردیا۔ اور
حضرت عبداللہ (راوی حدیث) روزہ نہیں رکھتے تھے سوائے اس کے کہ اس کا اتفاق پڑ
جائے (مطلب یہ کہ روزہ رکھنے والے دنوں کے درمیان میں یہ دن آجائے چونکہ آپ اکثر
روزہ رکھا کرتے تھے۔ مترجم)

اور مسلم نے دوسری روایت کی مثل بیان کی۔ اور کہا کہ جو تم میں روزہ رکھنا پسند کرے وہ
رکھے اور جو ناپسند جانے چھوڑ دے۔ اور ابوداؤد نے پہلی روایت کی طرح بیان کیا۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عاشورے کے دن یہود بڑی تعظیم کرتے تھے

اوراس دن کو وہ عید گردانتے تھے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بھی روزہ رکھو۔

ایک روایت میں ہے کہ خیبر والے (جو یہودی تھے) عاشورے کے دن روزہ رکھتے، عید مناتے اور اپنی عورتوں کو اس دن کپڑے زیور پہناتے تھے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بھی روزہ رکھو۔ بخاری و مسلم نے اس کی تخریج کی۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہود کو دیکھا کہ عاشورے کے دن روزہ رکھتے ہیں آپ نے ان سے دریافت فرمایا یہ کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ یہ اچھا دن ہے اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو ان کے دشمنوں سے نجات دی انہوں نے روزہ رکھا۔ اس وقت آپ نے فرمایا تم سے زیادہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے مستحق ہیں پس آپ نے روزہ رکھا اور اس کا حکم دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا یہ کون سا دن ہے جس میں تم روزہ رکھتے ہو۔ انہوں نے کہا یہ بڑا دن ہے اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو نجات دی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا تو حضرت موسیٰ نے شکریہ میں روزہ رکھا اب ہم اس کی عظمت میں روزہ رکھتے ہیں۔ بخاری و مسلم نے اس کی تخریج کی اور ابو داؤد نے دوسری روایت کی تخریج کی۔

فرضیت رمضان کے بعد یوم عاشورہ کے روزہ میں رخصت:

حضرت جابر بن سمرہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم عاشورہ کے روزہ کا حکم فرماتے اور اس کی ہم کو رغبت دلاتے اور عہد کراتے تھے پھر جب رمضان فرض ہوا تب ہمیں اس کا نہ حکم دیتے اور نہ منع فرماتے اور نہ عہد کراتے۔ مسلم نے اس کی تخریج کی۔

حضرت علقمہ سے مروی ہے کہ اشعث بن قیس حضرت عبداللہ کے پاس آئے اور وہ عاشورے کے دن کھانا کھا رہے تھے پس کہا اے ابو عبدالرحمٰن یہ تو عاشورے کا دن ہے؟ انہوں نے کہا کہ فرضیت رمضان سے پہلے روزہ رکھا جاتا تھا پھر جب رمضان فرض ہوا تو چھوڑ دیا گیا۔ لہٰذا اگر تم نے روزہ نہیں رکھا تو کھاؤ۔ بخاری و مسلم نے اس کی تخریج کی۔

حضرت سلمہ بن اکوع سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ''اسلمی'' مرد کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو باخبر کردے جس نے سحری کھائی وہ باقی دن کا روزہ رکھے اور جس نے نہیں کھائی ہے وہ بھی روزہ رکھے کیونکہ یہ دن یوم عاشورا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک اسلمی مرد سے فرمایا کہ تم اپنی قوم کو خبردار کردو یا فرمایا کہ لوگوں کو خبردار کرو شک راوی ہے۔ اس کی تخریج بخاری و مسلم اور نسائی نے کی ہے۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن سلمہ سے اسی کی مثل ابوداؤد نے تخریج کی۔

حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورے کی صبح کو اطراف مدینہ کے انصاریوں کے گاؤں کی طرف کہلا بھیجا کہ جو شخص روزہ دار ہو کر صبح کرے اس کو روزہ پورا کرنا چاہئے اور جو بے روزہ دار ہو وہ بقیہ دن کو روزہ دار کی طرح گزارے پس اس کے بعد ہم خود بھی روزہ رکھتے اور اپنے چھوٹے بچوں کو بھی روزہ رکھاتے اور ہم مسجد چلے جاتے اور ان بچوں کیلئے ہم اون کے کھلونے بنا دیتے جو بچہ کھانے کے لئے روتا ہم یہ کھلونا اسے دے دیتے یہاں تک کہ افطار کا وقت آجاتا۔ بخاری و مسلم نے اس کی تخریج کی۔ اور ایک دوسری روایت بھی اسی کے مثل ہے۔

حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما سے مروی کہتے ہیں کہ ہم عاشورے کا روزہ رکھتے اور فطرے کا صدقہ ادا کرتے تھے پھر جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی اور زکوٰۃ کا حکم اترا تو ہمیں اس کا نہ تو حکم دیا گیا اور نہ منع کیا گیا اسی طرح ہم کرتے رہے۔ نسائی نے

محمد بن صیفی سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے دن دریافت فرمایا کیا تم میں سے کسی نے آج کا کھانا کھایا ہے عرض کیا ہم میں سے کچھ تو روزہ دار ہیں اور کچھ بے روزہ دار۔ فرمایا تم سب باقی دن کو پورا کرو۔ اور گرد ونواح کے لوگوں کو اطلاع کردو کہ وہ اپنا بقیہ دن یونہی پورا کریں۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ان کو روایت پہنچی کہ حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حارث بن ہشام کو اطلاع کرائی کہ کل یوم عاشورہ ہے تم روزہ رکھنا اور اپنی اہل کو حکم دینا کہ وہ بھی روزہ رکھیں۔ موطا میں اس کی تخرج ہے۔

حضرت عبید اللہ بن ابی یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ ان سے عاشورا کے روزے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسے دن کا روزہ رکھا ہو اور اس دن کے سوا دوسرے دنوں پر اس کی فضیلت طلب کرتے ہوں (ایسے ہی) کوئی مہینہ اس مہینہ یعنی رمضان سے افضل۔

عبد اللہ بن موسیٰ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے کہا میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے دن کے روزے کی جستجو فرماتے ہوں جس کو دوسروں پر فضیلت ہو سوائے اس یوم عاشورا اور یہ مہینہ یعنی رمضان کے۔ بخاری و مسلم نے اس کی تخریج کی۔

عاشورہ کا روزہ باعث تکفیر سیئات:

ابو قتادہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوم عاشورا کے روزے رکھنے پر میں گمان کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ گزشتہ سال بھر کے سیئات کا کفارہ بنا دے۔ اس کی تخریج ترمذی نے کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے دسویں محرم یعنی یوم عاشورہ کے روزے کا حکم فرمایا ترمذی نے اس کی تخریج کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اگلے سال میں حیات (ظاہری) میں رہا تو ضرور نویں اور عاشورہ کا روزہ رکھوں گا۔ اور ایک روایت میں ہے انہوں نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورے کا روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم فرمایا تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ تو وہ دن ہے جس کی یہود و نصاری تعظیم کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا انشاء اللہ آئندہ سال نویں کا بھی روزہ رکھوں گا۔ پس آئندہ سال ایسا آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے تھے۔

حکم بن اعرج کی روایت میں ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس اس وقت پہنچا جب وہ زمزم شریف سے اپنی چادر لپیٹے ٹیک لگائے بیٹھے تھے میں نے کہا عاشورے کے روزے کے بارے میں کچھ فرمایئے تو آپ نے فرمایا کہ جب تم محرم کا چاند دیکھو تو کھاؤ اور نویں کا روزہ رکھو کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح روزہ رکھتے تھے فرمایا ہاں۔ اس کو مسلم نے بیان کیا اور ابوداؤد نے دوسری اور تیسری کو۔

ایک روایت میں رزین نے حضرت عطار سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ نویں اور دسویں کا روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو۔

رسول اللہ ﷺ کے اعمال اربعہ:

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ فرماتی ہیں چار عمل ایسے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہیں چھوڑا۔ عاشورے، عشرۂ ذوالحجہ اور ہر ماہ کے تین روزے اور فجر سے پہلے دو رکعتیں (تہجد یا سنت فجر) نسائی نے اس کو بیان کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماہ

رمضان کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والا روزہ اللہ کا مہینہ محرم (عاشورہ) ہے اور فرائض پنجگانہ کے بعد سب سے زیادہ شرف والی نماز صلوٰۃ اللیل (نماز تہجد) ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ راوی نے کہا کہ پوچھا گیا کہ کون سی نماز فرائض مکتوبہ کے بعد افضل ہے حضور نے فرمایا صلوٰۃ اللیل (نماز تہجد) اور کونسا روزہ رمضان کے بعد افضل ہے فرمایا اللہ کے مہینہ محرم (عاشورہ) اس کی مسلم وابوداؤد نے تخریج کی۔ اور ترمذی ونسائی نے پہلی کی تخریج کی۔

صوم رمضان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ روزے:

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ کونسا مہینہ رمضان کے بعد ہے جس میں آپ مجھے حکم دیں کہ میں روزہ رکھوں۔ آپ نے فرمایا میں نے نہیں سنا کہ کسی نے اس بارے میں دریافت کیا ہو بجز اس کے کہ میں نے سنا کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا دراں حالیکہ میں حضور کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس نے استفسار کیا کہ یا رسول اللہ رمضان مبارک کے بعد آپ کس مہینہ کا حکم فرماتے ہیں کہ میں روزہ رکھوں آپ نے فرمایا اگر تم رمضان مبارک کے بعد روزہ دار رہنا چاہتے ہو تو محرم کا روزہ رکھو۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے۔ اس میں ایک دن ایسا ہے جس میں ایک قوم کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول کی اور دوسری قوم کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ ترمذی نے اس کی تخریج کی۔

یہ وہ حدیثیں ہیں جو صحاح ستہ کی ہیں اور جامع الاصول میں مذکور ہیں۔ اس کے بعد ہم ان حدیثوں کو بیان کرتے ہیں جو جامع کبیر میں ہیں جس کو سیدنا ومولانا الشیخ عارف باللہ علی متقی رحمہ اللہ نے تالیف فرمایا اور اس کو علامہ سیوطی نے ترتیب وتبویب کر کے جمع الجوامع میں لکھا۔ اگرچہ اس میں احادیث مذکورہ بھی دوسری سندوں کے ساتھ مروی ہیں یہاں اس

کے اعادہ کی حاجت نہیں کیونکہ وہ صحاح کی سندوں کے ساتھ بیان ہو چکیں البتہ اگر دوسرے لفظوں کے ساتھ ذکر ہوتیں جو جامع الاصول میں نہیں ہیں تو وہ بیان کر دی جاتیں۔ ان کے علاوہ جو حدیثیں ہیں ان کو ہم بیان کرتے ہیں۔

جامع کبیر کی روایات:

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم ماہ رمضان کے بعد روزہ رکھنا چاہتے ہو تو محرم کا روزہ رکھو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے اس میں ایک دن ایسا ہے جس میں ایک قوم کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور دوسری قوم کی توبہ قبول فرمائے گا اور حضور نے لوگوں کو رغبت دلائی کہ عاشورہ کے دن توبۃ النصوح کی تجدید کریں اور قبول توبہ کے خواستگار ہوں۔ پس جس نے اس دن اللہ عزوجل سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ ویسے ہی قبول فرمائے گا جیسے ان سے پہلوں کی توبہ قبول کی ہے۔ اور اس دن دوسروں کی بھی توبہ قبول فرمائے گا ترمذی نے اس کو روایت کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوم عاشورہ کا روزہ رکھو اور اس میں یہود کی مخالفت کرتے ہوئے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد کا بھی روزہ رکھو۔ امام احمد نے اس کی روایت فرمائی۔

اور انہیں سے مروی ہے کہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں حیات (ظاہری میں) رہا تو عاشورہ سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کے روزے رکھنے کا بھی حکم دوں گا۔ بیہقی نے شعب الایمان میں اس کی روایت کی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ عاشورہ کا روزہ رکھو کیونکہ اس دن انبیاء روزہ رکھتے تھے تو تم بھی روزہ رکھو اس کو ابن ابی شیبہ نے بیان کیا۔

اور انہیں سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوم عاشورہ تم سے پہلوں کی عید ہے تم بھی روزہ رکھو۔ اس کو بزار اور دیلمی نے روایت کیا۔

محرم الحرام کے تین روزے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہا کہ جس نے محرم الحرام کے تین دن کے روزے رکھے۔ جمعرات، جمعہ اور ہفتہ۔ اس کے لئے دو سال کی عبادت لکھی جائے گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آئندہ سال آئے گا تو ہم نویں کا بھی روزہ رکھیں گے اور انہیں سے منقول ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں حیات رہا تو یہود کی مخالفت کروں گا اور نویں کا بھی روزہ رکھوں گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے یوم الزینت کا روزہ رکھا اس نے سال بھر کے فوت شدہ روزے پا لیے یعنی یوم عاشورہ کا روزہ۔

اور ابوالشیخ نے کتاب الثواب میں روایت کی کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت نوح علیہ السلام عاشورے کے دن اپنی کشتی سے جودی پہاڑ پر اترے اور روزہ رکھا۔ اور ساتھیوں کو شکر الٰہی میں روزہ رکھنے کا حکم دیا اور اس عاشورے کے دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ اسلام کی توبہ قبول فرمائی اور حضرت یونس علیہ السلام کی شہر والوں پر۔ اور اسی دن بنی اسرائیل کے لئے دریا پھاڑا گیا۔ اور اسی دن حضرت ابراہیم اور ابن مریم حضرت عیسیٰ علیہما السلام پیدا ہوئے۔

یوم عاشورہ کو اہلخانہ پر رزق کی کشادگی کرنے کا اجر وثواب:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

عاشورے کے دن جس نے اپنے گھر والوں پر رزق کی کشادگی کی سال بھر تک برابر کشادگی رہے گی۔

حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت آدم سید الناس ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سید العرب ہیں اور حضرت صہیب سید الروم، اور حضرت سلمان فارس کے سردار ہیں۔اور حضرت بلال سردار حبش ہیں۔اور پہاڑوں کا سردار طور سینا ہے۔ اور درختوں کا سردار عمدرہ (بیری کا درخت) ہے اور مہینوں کا سردار محرم اور دنوں کا سردار جمعہ اور کلام کا سردار قرآن کریم اور قرآن کریم میں سردار سورۃ بقرہ اور سورۂ بقر میں سردار آیت الکرسی ہے۔خبردار آیت الکرسی میں پانچ کلمے ہیں اور ہر کلمہ میں پچاس برکتیں ہیں۔دیلمی نے اپنی مسند الفردوس میں بیان کیا اور یہ ضعیف ہے۔

(حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں) اس بارے میں دوسری حدیثوں میں وارد ہے کہ سب سے افضل مہینہ، ماہ رمضان ہے۔اور وہ روایت جس کو طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کیا میں تم کو اس امر سے باخبر نہ کروں کہ ملائکہ میں افضل حضرت جبریل اور دنوں میں افضل یوم جمعہ اور مہینوں میں افضل ماہ رمضان اور راتوں میں افضل لیلۃ القدر اور عورتوں میں افضل مریم بنت عمران ہیں۔خبردار! افضلیت اور سیادۃ میں بہت فرق ہے خوب غور کرو اور اللہ تعالیٰ توفیق مرحمت کرتا ہے۔

علامہ ابن حجر الہیتمی کا قول:

حضرت شیخ شہاب الدین بن حجر الہیتمی مصری مکہ مکرمہ اور اپنے زمانہ کے شیخ الفقہاء و المحدثین (مصنف کتاب صواعق محرقہ) اپنی کتاب صواعق محرقہ میں اس مقام پر فرماتے ہیں کہ خبردار! حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ پر یوم عاشورہ کو جو مصائب در پیش آئے۔

درحقیقت یہ شہادت ہے جس سے علو مرتبت، رفعت منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑھتی ہے اور یہ اہل بیت اطہار کو درجوں بلند کرنا مقصود تھا لہٰذا جو بھی اس دن کے مصائب وآلام کا تذکرہ کرے اس کو مناسب ہے کہ حکم الٰہی کو بجالانے کے لئے استرجاع یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون کے پڑھنے میں مشغول ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے جو اس پر ثواب مرتبت فرمایا ہے اس کا سزاوار بنے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اولٰئک علیھم صلوٰت من ربھم و رحمۃ الآیۃ یہی تو وہ حضرات ہیں جن پر ان کے رب کی جانب سے رحمت وکرم ہوتا ہے۔ اس دن کسی اور جانب التفات نہ کرے سوائے اس کے۔ یا اس کی مثل بڑی بڑی نیکیاں وغیرہ جیسے روزہ۔ خبردار، خبردار! روافض کی بدعاتِ میں مشغول نہ ہونا مثلاً گریہ زاری، ماتم ونوحہ وغیرہ۔ کیونکہ یہ مسلمانوں کے اخلاق سے بہت بعید ہے۔ ورنہ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا دن اس سے زیادہ غم کا سزاوار ہوتا (مگر وہاں بھی ماتم ونوحہ حرام ہے) (اسی طرح) متعصب خارجیوں کی بدعات سے بچو جو اہل سنت کی قدح کرتے ہیں (اسی طرح) جاہلوں کی بدعات سے بچو جو فاسد کو فاسد سے، بدعت کو بدعت سے، برائی کو برائی سے تقابل کرتے ہیں کہ وہ لوگ (اس یوم عاشورہ کو) انتہائی فرحت وسرور کا اظہار کرتے عید مناتے زینت کی نمائش کرتے ہیں جیسے خضاب، سرمہ اور نئی پوشش اور فضول خرچی۔ خلاف عادت (رنگ برنگے) کھانے پکانے وغیرہ اور ان کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ سنت سے ہیں اور امور عادیہ میں سے ہیں۔ حالانکہ ان تمام باتوں کو چھوڑنا سنت ہے اس لئے اس بارے میں نہ کوئی قابل اعتماد روایت ہے اور نہ اثر جس میں جانب رجوع کیا جائے۔

عاشورہ کے دن بعض اعمال کا علمی جائزہ:

درحقیقت بعض ائمہ حدیث اور فقہاء کرام سے عاشورے کے دن سرمہ لگانے، غسل کرنے، مہندی لگانے کھچڑا پکانے، نئے لباس پہننے اور خوشی وانبساط کے اظہار کرنے کے

بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا اس بارے میں نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت ہے اور نہ کسی صحابی سے اور نہ ائمہ مسلمین میں سے کسی نے نہ ائمہ اربعہ اہل سنت اور نہ ان کے علاوہ اور کسی نے مستحب بتایا اور نہ کسی قابل اعتماد کتب حدیث میں کوئی روایت ہے نہ صحیح نہ ضعیف اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اگر عاشورے کے دن سرمہ لگایا تو اس سال میں آنکھیں نہ دکھیں گی اور یہ کہ جس نے غسل کیا وہ سال بھر بیمار نہ ہوگا اور یہ کہ جس نے اپنے عیال میں رزق کی وسعت کی اللہ تعالیٰ سال بھر رزق میں کشادگی فرمائے گا اور اس قسم کی اور باتیں اور یہ کہ اس دن نماز افضل ہے اور یہ کہ اس دن حضرت آدم کی توبہ قبول ہوئی۔ جودی پہاڑ پر کشتی قائم ہوتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے نجات ملی حضرت اسمٰعیل کے ذبح کے وقت دنبہ کا ندبہ آیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس حضرت یوسف علیہ السلام واپس آئے یہ سب موضوع ہیں۔ سوائے حدیث عیال پر وسعت رزق کے۔ لیکن اس کی سند میں کلام ہے۔ لہٰذا خارجیوں، ناصبیوں نے اپنی جہالت کے سبب اس دن کو موسم سرور بنالیا اور رافضیوں نے ماتم کا دن۔ حالانکہ یہ دونوں خطا کار اور مخالف سنت ہیں۔ ان سب کو چند حفاظ حدیث نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔

بلاشبہ حاکم نے تصریح کی ہے کہ اس دن سرمہ لگانا بدعت ہے۔ دوسری روایت میں جو یہ ہے کہ جس نے اس دن سرمہ لگایا کبھی اس کی آنکھ کو آشوب نہ ہوگا اس کے لئے بھی کہا کہ منکر ہے۔ ابن جوزی نے اپنی موضوعات میں حاکم کی سند سے اسی مقام پر بیان کیا ہے اور بعض حافظوں نے دوسری سندوں سے بھی نقل کیا ہے۔ مجد الدین لغوی، صاحب قاموس، حاکم سے نقل کرتے ہیں کہ روزے کے سوا تمام وہ حدیثیں جو عاشورے کی فضیلت اور نماز، انفاق، خضاب، تیل و سرمہ، غلہ پکانے وغیرہ کی فضیلت میں منقول ہیں سب موضوع اور بہتان ہیں۔ اسی طرح ابن قیم نے تصریح کرتے ہوئے کہا کہ سرمہ لگانے، تیل ملنے اور خوشبو لگانے کی حدیث عاشورے کے دن کے لئے جھوٹوں کی من گھڑت ہے۔ یہ کلام اس

شخص کے لئے ہے جو عاشورے کے دن کے لئے سرمہ لگانا خاص کرے اور وہ جو گزرا کہ اس دن رزق میں فراخی و کشادگی کرے اس کی اصل ہے۔ جیسا کہ حافظ الاسلام زین عراقی نے ''امالیہ'' میں بیہقی کی سند سے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عاشورے کے دن اپنے اہل و عیال میں رزق کی فراخی و کشادگی کی اللہ تعالیٰ سال بھر رزق میں وسعت فرمائے گا۔ پھر اس کے بعد کہا کہ یہ حدیث اپنی سند میں لین ہے لیکن ابن حبان کی رائے پر حسن ہے۔ ان کی دوسری سند ہے جسے حافظ ابو الفضل محمد بن ناصر نے صحیح کہا ہے۔ اس میں زیادات منکرہ ہیں اور بیہقی کا ظاہر کلام یہ ہے کہ حدیث توسع ابن حبان کی رائے کے علاوہ بھی حسن ہے۔ کیونکہ انہوں نے مختلف سندوں کے ساتھ جماعت صحابہ سے مرفوعاً روایت کی ہے۔ پھر کہا کہ یہ سند میں اگرچہ ضعیف ہیں لیکن جب ان کو باہم ملایا جائے تو ان میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

حدیث توسع کے بارے میں ابن تیمیہ کی رائے:

ابن تیمیہ کا انکار کہ توسع کی کوئی روایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں ہے یہ وہم ہے جیسا کہ تم ابھی جان چکے ہو۔ حضرت امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ صحیح نہیں ہے یعنی صحیح لذاتہ نہ ہونے سے اس کی نفی نہیں ہوتی کہ وہ حسن لغیرہ بھی نہیں ہے۔ حالانکہ حسن لغیرہ بھی علم حدیث میں قابل حجت ہوتی ہے۔ جیسا کہ واضح ہے۔ انتہی۔

اور حضرت شیخ محمد سخاوی کی کتاب مقاصد حسنہ میں یہ حدیث ہے کہ جس نے عاشورے کے دن اثمد کا سرمہ لگایا تو اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔ اس کو حاکم اور بیہقی نے ''شعب الایمان'' کی تیئسویں شعب میں روایت کی اور دیلمی نے حضرت جبیر کی حدیث کو ضحاک سے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً روایت کی اور حاکم کہتے ہیں کہ یہ منکر ہی نہیں بلکہ موضوع ہے اسی وجہ سے اس کو ابن جوزی اپنی موضوعات میں لائے ہیں اور

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس لئے ضعیف ہے کہ اس میں احمد ابن منصور شونیزی ہے۔ گویا یہ حدیث "مدخل علیہ" ہے۔ انتہی۔

حدیث توسع کی صحت وضعف پر حرف آخر:

اور یہ حدیث کہ "جس نے عاشورے کے دن میں اپنے گھر والوں پر رزق کی فراخی و کشادگی کی اللہ تعالیٰ اس پر پورا سال فراخی وکشادگی فرمائے گا"۔

اسے طبرانی اور بیہقی نے شعب الایمان اور فضائل اوقات میں روایت کیا ہے اور ابو الشیخ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور صرف پہلی دونوں حدیثیں حضرت ابوسعید سے اور صرف دوسری شعب میں حضرت جابر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور کہا کہ ان سب کی سندیں ضعیف ہیں۔ لیکن جب سب کو ایک دوسرے کے ساتھ باہم ملائیں تو "قوت" کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ عراقی نے اپنی کتاب امالی میں کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی اسناد میں سے بعض کو ابن ناصر حافظ نے صحیح کہا ہے اور ابن جوزی موضوعات میں اس حدیث کو سلیمان بن ابی عبد اللہ جو حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں لائے ہیں اور کہا کہ سلیمان مجہول ہے۔ حالانکہ سلیمان کو ابن حبان نے ثقہ لوگوں میں شمار کیا ہے اور یہ حدیث ان کی رائے میں حسن ہے اور اس حدیث کو دوسری سند کے ساتھ جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو مسلم کی شرط کے موافق ہے اور اس کی تخریج ابن عبداللہ نے استیعاب میں بروایت ابوالزبیر از جابرؓ کی ہے یہ سند سب سے زیادہ صحیح ہے اور اس کو انہوں نے اور دارقطنی نے افراد میں جید سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوف علیہ اور بیہقی نے شعب میں محمد بن منتشر کی سند سے روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس پر ہمارے مشائخ نے بکثرت مواخذہ کیا ہے۔ لیکن ہم نے اس کا ذکر نہیں کیا اور اعتماد بن جوزی نے موضوعات میں عقیلی کے قول جو ہیصم ابن شداخ راوی حدیث

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ یہ مجہول ہے کاہم نے تعاقب کیا ہے بلکہ اس کا ذکر ابن حبان نے ثقات اور ضعفاء میں کیا ہے۔ انتہی۔

شیخ امام حافظ علامہ مدینہ منورہ میں اپنے زمانہ میں عالم الشیخ علی بن محمد بن عراقی کی کتاب ''تنزیہہ اثر بعہ فی الاحادیث الموضوعہ میں یہ حدیث ہے کہ

''جس نے محرم کے پہلے نو دنوں کے روزے رکھے اس کے لئے اللہ تعالیٰ ہوا میں ایک قبہ بنائے گا جس کی پیمائش میل در میل ہوگی اور اس کے چار دروازے ہوں گے''۔

اس کو ابو نعیم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے چونکہ اس سند میں موسیٰ طویل ہے وہ ایک آفت تھا (یعنی خوب گھڑا کرتا تھا)

عاشورہ کے روزہ کی فضیلت:

یہ حدیث کہ جس نے عاشورے کا روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ساٹھ سال کی عبادت جس میں روزہ نماز ہے لکھے گا اور جس نے عاشورے کے دن کا روزہ رکھا اس کو دس ہزار فرشتوں کا ثواب دیا جائے گا اور جس نے عاشورے کے دن کا روزہ رکھا اسے ایک ہزار حج وعمرہ کا ثواب دیا جائے گا اور جس نے عاشورہ کا روزہ رکھا اسے دس ہزار شہیدوں کا ثواب دیا جائے گا اور جس نے عاشورے کے روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ساتوں آسمان کا ثواب لکھے گا۔

جس نے عاشورے کے دن کسی بھوکے کو کھانا کھلایا اس نے گویا امت محمدیہ کے تمام فقراء کو کھانا کھلایا اور ان کو سیر کر دیا اور جس نے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کے لئے اس کے سر کے ہر ہر بال کے بدلے جنت میں بلند درجہ ملے گا اللہ تعالیٰ نے عاشورے کے دن جبرئیل کو پیدا کیا اور عاشورے ہی کے دن فرشتوں کو پیدا کیا اور عاشورے کے دن آدم کو پیدا کیا اور عاشورے کے دن حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے اور اسی دن آگ سے ان کو نجات ملی۔

اسی دن اسمٰعیل کا ندیہ آیا اور عاشورے ہی کے دن فرعون غرق ہوا اور عاشورہ کے دن! ادریس کو اٹھایا اور یوم عاشورہ کو آدم کی توبہ قبول ہوئی اور یوم عاشورہ کو داؤد کی لغزش معاف ہوئی۔ یوم عاشورہ کو اللہ تعالیٰ نے عرش پر استوا کیا اور یوم عاشورہ ہی کو قیامت قائم ہوگی''۔ یہ سب موضوع ہیں۔ اسے ابن جوزی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے۔ چونکہ اس سند میں حبیب ابن حبیب ہے جو فتنہ پرداز تھا (اسی طرح) یہ حدیث کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر سال میں ایک دن کا روزہ فرض کیا وہ عاشورے کا دن ہے اور وہ محرم کی دسویں ہے۔ لہٰذا روزہ رکھو اس دن اور اپنے اہل پر رزق کی فراخی و کشادگی کرو۔ کیونکہ جس نے اپنے اہل پر اپنے مال میں سے یوم عاشورہ کو وسعت کی تو اللہ تعالیٰ اس پر تمام سال فراخی کرے گا۔ روزہ رکھو کیونکہ یہ وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی توبہ قبول کی۔ یہ وہ دن ہے جس دن حضرت ادریسؑ کو بلند مرتبہ پر فائز کیا اور یہ وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ سے نجات دی اور یہ وہ دن ہے جس دن نوح کو کشتی سے اتارا اور یہ وہ دن ہے جس دن اللہ نے حضرت موسیٰ پر توریت اتاری اور یہ کہ اللہ نے حضرت اسمٰعیل کا بوقت ذبح فدیہ اتارا اور یہ وہ دن ہے جس دن اللہ نے حضرت یوسف کو جیل خانہ سے نکالا اور یہ وہ دن ہے اللہ نے حضرت یعقوبؑ کی بصارت واپس فرمائی اور یہ وہ دن ہے جس دن اللہ نے حضرت ایوب سے بلاؤں کو دور کیا اور یہ وہ دن ہے کہ اللہ نے اس دن حضرت یونس کو مچھلی کے پیٹ سے نکالا اور یہ وہ دن ہے جس دن اللہ نے بنی اسرائیل کے لئے دریا پھاڑا اور یہ وہ دن ہے جس دن اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب اگلوں اور پچھلوں کے گناہ بخشے اور یہ وہ دن ہے جس دن حضرت موسیٰ نے دریا عبور کیا اور یہ وہ دن ہے جس دن حضرت یونس کی قوم پر توبہ اتاری۔ پس جو شخص اس دن کا روزہ رکھے گا چالیس سال کا کفارہ ہوگا اور پہلا دن ہے کہ اللہ نے دنیا میں یوم عاشورہ کو پیدا کیا اور یہ پہلا دن ہے آسمان سے بارش اتاری پس جس نے عاشورے کا روزہ رکھا گویا

تمام زمانہ کا روزہ رکھا اور یہ انبیاء اور موسیٰ علیہ السلام کا روزہ ہے اور جس نے شب عاشوراء کو شب بیداری کی گویا اس نے ساتوں آسمان والوں کے برابر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور جس نے چار رکعت نماز پڑھی جس کی ہر رکعت میں الحمد ایک بار اور قل ہو اللہ احد پچاس بار پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ پچاس سال اور آئندہ کے پچاس سال کے گناہ بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے لئے ملاء اعلیٰ میں نور کے ایک ہزار منبر بنائے گا اور جس نے ایک گھونٹ پانی پلایا گویا کہ اس نے ایک آن بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی اور جس نے اہل بیت کے مسکینوں کا پیٹ عاشورے کے دن بھرا تو وہ صراط پر چمکتی بجلی کی طرح گزر جائے گا اور جس نے کوئی چیز خیرات کی گویا اس نے کبھی بھی کسی سائل کو نہیں لوٹایا اور جس نے یوم عاشورا کو غسل کیا سوائے مرض موت کے کبھی بیمار نہ ہوگا اور جس نے اس دن سرمہ لگایا سال بھر تک اس کی آنکھیں آشوب نہ کریں گی اور جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا گویا اس نے تمام اولاد آدم کے یتیموں کے ساتھ بھلائی کی اور جس نے کسی مریض کی عیادت کی گویا اس نے تمام اولاد آدم کے مریضوں کی عیادت کی ان سب کو ابن جوزی نے موضوعات میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بعد والوں نے اس کو وضع کر کے ان سندوں کے ساتھ ترتیب دے دی ہے۔ انتہی۔

شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ

سیدنا الامام، شہید با سعادت، سبط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام ابو عبد اللہ الحسین سلام اللہ علیٰ جدہ وعلیہ وعلیٰ آباء الکرام کی شہادت کا بیان۔

امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو جبریل نے خبر دی کہ حسینؓ فرات کے کنارے شہید کیے جائیں گے۔ ابن سعد نے اس کی روایت کی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا فرزند حسینؓ میرے بعد طف کے میدان میں شہید کیا جائے گا۔ اور یہ مٹی میرے پاس لائے ہیں۔ اور مجھ کو خبر دی ہے کہ یہ ان کے مدفن کی جگہ ہے۔ ابن سعد اور طبرانی نے کبیر میں روایت کی ہے۔

حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا سے مروی فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب میری امت میرے اس فرزند حسینؓ کو شہید کرے گی اور ان کے مدفن کی جگہ کی سرخ رنگ کی مٹی میرے پاس لائی گئی ابو داؤد اور حاکم نے مستدرک میں اس کو روایت کیا۔

میدان کربلا میں شہادت حسین کے متعلق احادیث مبارکہ:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل نے مجھے خبر دی ہے کہ میرا فرزند سرزمین فرات میں شہید کیا جائے گا میں نے جبریل سے کہا ان کے مقتل کی مٹی لا کر دکھاؤ پس وہ وہاں کی مٹی لائے ہیں۔ ابن سعد نے

اس کو روایت کیا۔ میرے اس فرزند سے مراد حسین ہے جو سرزمین عراق میں شہید ہوں گے جس کو کربلا کہا جاتا ہے بس جو کوئی اس وقت موجود ہو ان کی نصرت و مدد کرے۔ بغوی، ابن السکن، باوردی، ابن مندہ اور ابن عساکر نے حضرت انس ابن حارث بن منبہ سے اس کی روایت کی ہے۔ بغوی کہتے ہیں میں نہیں جانتا اس کے سوا کسی اور نے روایت کی ہو اور ابن السکن نے کہا کہ انس کی اس کے سوا کوئی اور روایت سوائے اس سند کے نہ تو کوئی مروی ہے اور نہ معلوم ہے۔

جبریل نے مجھے خبر دی کہ میرا فرزند حسینؓ شہید کیا جائے گا اور یہ اس سرزمین کی مٹی ہے۔ خلیلی نے ارشاد میں اس کو نقل کیا اور حضرت عائشہ اور ام سلمہ سے مروی ہے کہ جبریل ہمارے ساتھ گھر میں تھے انہوں نے کہا کہ کیا آپ ان کو محبوب رکھتے ہیں۔ حضور نے فرمایا دنیا میں، ہاں کیوں نہیں۔ پھر جبریل نے عرض کیا آپ کی امت اس سرزمین میں ان کو شہید کردے گی۔ جس کو کربلا کہا جاتا ہے پھر جبریل نے وہاں کی مٹی لاکر مجھے دکھائی۔ طبرانی نے کبیر میں اس کو بیان کیا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جبریل نے مجھے خبر دی کہ میرا یہ فرزند شہید کیا جائے گا اور یہ کہ جوان کو قتل کریں گے ان پر اللہ کا شدید غضب ہے۔ ابن عساکر سے روایت کی۔

ام سلمہ سے مروی ہے کہ جبریل نے اس جگہ کی مٹی لاکر دکھائی جہاں امام حسینؓ کی شہادت ہوگی۔ پس اللہ کا سخت غضب ہے اس شخص پر جو ان کا خون بہائے۔ اے عائشہ! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ مجھ کو انتہائی ملال ہے کہ میری امت میں کون ایسا ہوگا جو میرے حسینؓ کو قتل کرے گا۔ ابن سعد نے اس کو بیان کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جبریل میرے پاس خبر لے کر آئے کہ میرے فرزند کو میری امت قتل کردے گی میں نے کہا کہ وہاں کی مٹی لاکر دکھاؤ تو سرخ رنگ

کی مٹی لاکر انہوں نے دکھائی۔طبرانی نے کبیر میں روایت کی۔

حضرت زینب بنت جحش سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی فرمائی کہ میں نے یحییٰ بن ذکریا کے بدلے ستر ہزار قتل کرائے اور آپ کے فرزند کے بدلے ستر ہزار اور ستر ہزار قتل کراؤں گا۔حاکم نے اسے مستدرک میں بیان کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے پاس پہلے سے جبریل کھڑے تھے مجھ سے کہا کہ فرات کے کنارے حسینؓ شہید کیے جائیں گے اور کہا کہ اگر آپ فرمائیں تو آپ کو وہاں کی مٹی سنگھادوں میں نے کہاہاں! تو انہوں نے اپنا ہاتھ دراز کیا اور ایک مٹھی مٹی لے کر مجھے دی تب میری آنکھیں قابو میں نہ رہیں اور آنسو بہنے لگے۔اس حدیث کو احمد، ابویعلی، ابن سعد اور طبرانی نے کبیر میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ابی امامہ اور انس اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔اور ابن عساکر نے ام سلمہ، ام الفضل بنت الحارث زوجہ حضرت عباس رضی اللہ عنہم سے اور ابن سعد نے حضرت عائشہ سے اور ابویعلی زینب ام المومنین سے روایت کرتے ہیں کہ گویا میں اس چتکبرے کتے کو دیکھ رہا ہوں جو میری اہل بیت کے خون میں منہ ڈال کر پی رہا ہے ابن عساکر نے اسے سید حسین ابن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اے عائشہ کس قدر تعجب انگیز خبر ہے کہ ابھی میرے پاس وہ فرشتہ آیا تھا جو کبھی نہیں آیا تھا اور اس نے مجھ سے کہا کہ میرا یہ فرزند مقتول ہے اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو ان کے مقتل کی مٹی لاکر دکھاؤں پھر فرشتہ نے ہاتھ اٹھایا اور سرخ رنگ کی مٹی لاکر دکھائی۔طبرانی نے کبیر میں اس کو بیان کیا۔

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ یزید! اللہ تعالیٰ اس یزید قاتل ملعون میں برکت نہ کرے سنو! میرے پیارے محبوب فرزند حسینؓ کی خبر شہادت کے ساتھ ان کے مقتل کی مٹی میرے پاس لائی گئی میں نے ان کے قاتل کو دیکھا ہے سنو! جن لوگوں کے سامنے ان کو شہید کیا جائے گا وہ ان کی مدد نہ کریں گے۔اس بنا پر اللہ تعالیٰ ان پر عذاب

عام مسلط کرے گا۔ ابن عساکر نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔

اور حضرت امام حسینؓ ہجری سن ساٹھ کی ابتدا میں شہید کیے جائیں گے اس کو طبرانی نے کبیر میں اور خطیب و ابن عساکر نے حضرت ام سلمہ سے روایت کیا اور اس میں سعد ابن طریف راوی ہے جو متروک ہے۔ اور ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ شخص حدیثیں گھڑا کرتا تھا اور ابن جوزی اس کو موضوعات میں لائے ہیں۔

حضرت حسینؓ اس وقت شہید کیے جائیں گے جب کہ ان پر سن کہولت آنے والا ہوگا۔ اس کو طبرانی نے کبیر میں بیان کیا اس میں بھی سعد بن طریف راوی ہے مجھے حسینؓ کی شہادت کی خبر دی گئی اور وہاں کی مٹی لائی گئی اور یہ کہ ان کے قاتل سے باخبر کیا گیا۔ اس کو دیلمی نے معاذ سے روایت کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقتل حسینؓ میں تشریف آوری:

جامع الاصول میں ترمذی کی حدیث سلمی سے مروی ہے جو کہ ایک انصاری عورت تھی۔ اس نے کہا کہ حضرت ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو وہ رو رہی تھیں میں نے کہا کیوں روتی ہو کہا کہ میں نے ابھی ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے اور آپ کے سر اور داڑھی کے بال گرد آلود تھے اور آپ بھی گریہ کناں تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیا حال ہے ارشاد فرمایا ''میں ابھی ابھی مقتل حسینؓ سے آ رہا ہوں''۔

حضرت امام حسینؓ کا حسن و جمال:

بخاری و ترمذی کی حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ عبید اللہ بن زیاد (گورنر کوفہ) کے پاس حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک لایا گیا اور ایک طشت میں رکھا گیا پس اس نے چھڑی سے چھیڑنا شروع کیا اور ان کے حسن کے بارے میں کچھ کہا۔ حضرت انس فرماتے ہیں میں نے کہا خدا کی قسم یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ بہت مشابہ تھے۔ دراں حالیکہ اس وقت وسمہ کا خضاب لگائے ہوئے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں ابن زیاد کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک لایا گیا تو وہ چھڑی سے ان کی ناک میں چھیڑنے لگا اور کہتا تھا میں نے ایسا صاحب حسن کسی کو نہ دیکھا۔ میں نے کہا سنو! بیشک یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ پہلی روایت کو بخاری نے اور دوسری کو ترمذی نے تخریج کی اور اس میں عمارہ بن عمر سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جب عبید اللہ بن زیاد اور اس کے ساتھیوں کا سر کاٹ کر لایا گیا میں نے قصد کیا کہ صحن مسجد کی طرف جاؤں تو میں پہنچ گیا (اچانک) وہ لوگ کہنے لگے کہ وہ آیا، وہ آیا، ناگاہ ایک بڑا سانپ سروں کے درمیان گھسا یہاں تک کہ عبید اللہ بن زیاد کے نتھنوں میں داخل ہو گیا کچھ دیر ٹھہرا رہا پھر نکل کر چلا گیا حتیٰ کہ وہ غائب ہو گیا پھر لوگ کہنے لگے کہ وہ آیا، وہ آیا، پس اس سانپ نے اس طرح تین مرتبہ کیا۔ اس کو ترمذی اور علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں نقل کیا۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت:

بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوپہر کے وقت دیکھا کہ پراگندہ بال وغبار آلود ہیں اور آپ کے ہاتھ میں ایک بوتل ہے جس میں خون ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ حسین اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے۔ میں اس کو فلاں دن سے جمع کر رہا ہوں۔ جب میں نے شمار کیا تو وہی دن تھا۔ جس دن وہ شہید کئے گئے تھے۔

شہادت حسینؓ پر جنوں کی نوحہ خوانی:

ابونعیم نے دلائل میں ام سلمہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ کہتی ہیں کہ میں نے سنا کہ جن

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر روتے اور نوحہ کرتے تھے اور ثعلب نے آمالی میں ابوحباب کلبی سے نقل کیا وہ کہتے ہیں کہ میں کربلا میں آیا۔ میں نے دریافت کیا یہاں کے کون لوگ شریف ہیں میں نے سنا ہے کہ تم لوگ جنوں کے نوحے سنا کرتے ہو اس نے کہا تم یہاں جس سے بھی ملاقات کرو گے وہ تم کو یہی بتائے گا کہ میں نے ایسا سنا ہے تو میں نے کہا بتاؤ تم نے کیا سنا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے جنوں کو یہ شعر کہتے سنا ہے۔ (ترجمہ)

رسول نے ان کی پیشانی پر دست مبارک پھیرا
تو ان کے رخساروں سے روشنی چمکتی ہے
ان کے والدین قریش کے بزرگ تر تھے
اور ان کے نانا سب سے بہتر تھے

ابویعلیٰ نے سند ضعیف کے ساتھ ابوعبیدہ سے روایت کی۔ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیشہ میری امت کا معاملہ حق وانصاف پر قائم رہے گا۔ یہاں تک کہ پہلا ایک آدمی بنی امیہ میں سے ہوگا جسے یزید کہیں گے وہ رخنہ ڈالے گا۔ رویانی نے اپنی مسند میں ابوالدرداء سے روایت کی کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پہلا وہ شخص جو میری سنت کو بدلے گا وہ بنی امیہ میں سے ایک آدمی ہوگا جس کا نام یزید ہوگا۔

اور نوفل بن ابوالفرات نے کہا کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس تھا ایک شخص نے یزید کا ذکر کیا اس نے کہا "امیر المومنین یزید بن معاویہ" انہوں نے فرمایا تو اس کو "امیر المومنین" کہتا ہے پھر حکم دیا کہ اس کو بیس کوڑے مارے جائیں۔ (انتہی)

سیّدنا امام حسنؓ اور حضرت امیر معاویہ کی صلح

سیدنا امام حسن بن علی مرتضٰی اور حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کی مصالحت کے ذکر میں۔

جاننا چاہئے کہ جب ۴۱ ہجری میں حضرت امیر معاویہ نے حضرت سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہم پر چڑھائی کی تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ان کے حق میں خلافت سے دست برداری اختیار فرمائی۔ تب سے اس سال کا نام ''عام الجماعۃ'' پڑ گیا کیونکہ اس سال میں ایک خلیفہ پر امت نے اجماع کیا۔ اور اسی سال حضرت امیر معاویہ نے مروان بن حکم کو مدینہ منورہ کا گورنر بنایا اور ۴۳ ہجری میں رے کو فتح کیا اور اس کے علاوہ بجستان کے کچھ شہروں کو اور سوڈان کے نواحی علاقے کو بھی فتح کیا اور اسی سال حضرت امیر معاویہؓ نے امیہ کے بیٹے زیاد کو نائب بنایا۔ یہ پہلا قضیہ ہے کہ اسلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تبدیلی عمل میں آئی۔ اس کو ثعلبی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

حضرت امیر معاویہ کی یزید کی ولی عہدی کے لئے کوششیں:

۵۰ھ ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شامیوں کو اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کی بیعت پر بلایا تو سب نے اس کی بیعت کی۔ یہ پہلا عمل ہے جو اپنے بیٹے کی خلافت کے لئے عہد لیا گیا اور یہ کہ اپنی صحت کی حالت میں اپنا ولی عہد بنایا پھر یہ کہ مروان کو مدینہ میں خط بھیجا کہ وہاں اس پر بیعت لے۔ چنانچہ مروان نے خطبہ دیا کہ امیر المومنین کی منشا ہے کہ تم پر اپنے بیٹے یزید کو بطریق سنت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما خلیفہ بنادیا جائے اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما نے کھڑے ہو کر فرمایا۔ نہیں! قیصر و

کسریٰ کی سنت پر! کیونکہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے نہ تو اپنی اولاد کو خلیفہ نامزد کیا اور نہ کسی گھر والوں کو۔

حضرت عبداللہ ابن عمر کا یزید کی بیعت سے انکار:

۵۱ ہجری میں حضرت امیر معاویہ نے حج کیا اور اپنے بیٹے کے واسطے بیعت طلب کی۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بلایا وہ تشریف لائے ان سے حضرت معاویہ نے کہا اے ابن عمر! تم مجھ سے کہا کرتے تھے کہ کیا یہ بات تم کو پسند نہیں کہ کسی شب تاریک میں سو جاؤ دراں حالانکہ تمہارے اوپر اس وقت امیر نہ ہو۔ اب میں تم کو بچانا چاہتا ہوں کہ تم مسلمانوں کی لاٹھی کو دو ٹکڑے کر دو یا ان میں فساد ڈال دو۔ اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا کہ بعد حمد وثنا کے تم کو معلوم ہے کہ تم سے پہلے بھی خلفاء گزرے ہیں اور ان کے فرزند اولاد بھی تھی اور تمہارا بیٹا ان کی اولاد سے زیادہ بہتر بھی نہیں ہے۔ لیکن انہوں نے پھر بھی اپنی اولاد کے لئے یہ تجویز نہ کیا جو تم اپنی اولاد کے لئے تجویز کر رہے ہو۔ لیکن ان خلفاء نے مسلمانوں کو اختیار دیا کہ وہ جہاں بہتر سمجھیں۔ اور تم مجھے اس سے ڈراتے ہو کہ میں مسلمانوں کی لاٹھی کو دو ٹکڑے نہ کروں حالانکہ میں ایسا ہرگز نہ کروں گا میں تو مسلمانوں میں سے ایک فرد ہوں جب تمام مسلمان کسی ایک بات پر مجتمع ہو جائیں گے تو میں بھی ان میں ایک فرد ہوں گا۔ حضرت امیر معاویہ نے کہا خدا تم پر رحمت کرے اس کے بعد حضرت ابن عمر چلے آئے۔ پھر حضرت ابن ابوبکر رضی اللہ عنہما کو بلوایا وہ آئے اور ان سے گفتگو شروع کی۔

انہوں نے گفتگو قطع کر کے کہا بیشک تم نے خدا کی قسم یہ چاہا ہے کہ ہم نے تم کو تمہارے بیٹے کے معاملہ میں اللہ کی طرف سے وکیل بنا دیا ہے؟ خدا کی قسم ایسا نہ کرو! خدا کی قسم ہم اس معاملہ کو مسلمانوں کے سامنے مجلس مشاورت میں صاف کریں گے۔ ہم اسے تمہارے

(نفس کا) فریب جانتے ہیں۔ پھر وہ جھپٹ کر چلے گئے۔ اس کے بعد امیر معاویہ نے کہا اے خدا مجھ کو اس کے شر سے جس طرح تو چاہے بچا۔ پھر کہا اے شخص ٹھہر جا۔ شامیوں کے پاس نہ جانا کیونکہ مجھ کو یہ خوف ہے کہ وہ میرے لئے تم پر سبقت نہ کر جائیں۔ حتیٰ کہ میں سب کو یہ خبر نہ سنا دوں کہ تم نے بیعت کر لی ہے۔ اس کے بعد جو دل میں آئے سو کرنا۔

یزید کی ولی عہدی کے بارے میں حضرت امیر معاویہ کا حضرت ابن زبیر سے مناقشہ:

پھر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو بلوایا ان سے کہا اے ابن زبیر! تم چالاک لومڑی ہو کہ جب کبھی بھی ایک بل سے نکلتے ہو تو جھٹ دوسرے بل میں داخل ہو جاتے ہو یقیناً تم ان دونوں شخصوں سے ملے ہو اور ان کے نتھنوں میں پھونک ماری ہے اور ان دونوں کو ان کی رائے کے خلاف بہکا دیا ہے۔ حضرت ابن زبیر نے جواب دیا اگر تم امارت کے مالک ہو تو اس سے علیحدہ ہو جاؤ اور اپنے بیٹے کو پھر لاؤ پھر ہم اس سے بیعت کر لیں گے۔ تم غور نہیں کرتے جب ہم نے تمہارے ساتھ تمہارے بیٹے کی بھی بیعت کر لی تو ہم کس کس کی اطاعت و فرماں برداری کریں گے۔ تم دونوں کی بیعت ایک ساتھ کبھی جمع نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد وہ چلے گئے۔ پھر حضرت معاویہ منبر پر چڑھے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا پڑھ کے کہا میں نے لوگوں کو شرم ناک باتیں کرتے پایا ہے وہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اور ابن ابی بکر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم نے یزید کی بیعت نہیں کی ہے؟ حالانکہ ان سب نے سنا اور مانا اور اس کی بیعت کی ہے اس پر شامیوں نے کہا ہم اس وقت تک ہرگز تسلیم نہیں کریں گے جب تک کہ وہ سب کے سامنے آکر بیعت نہ کریں۔ ورنہ ہم ان کی گردن مار دیں گے۔ امیر معاویہؓ نے کہا سبحان اللہ! لوگ قریش کے ساتھ کتنی جلدی برائی کرنے پر آمادہ ہیں آج کے دن کے بعد کبھی تم سے میں ایسی باتیں نہ سنوں۔ پھر نیچے اتر آئے اس کے بعد لوگ چہ چا

کرنے لگے کہ حضرت ابن عمر حضرت ابن ابوبکر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم نے بیعت کرلی ہے۔ حالانکہ وہ حضرات فرماتے رہے کہ خدا کی قسم ہم نے بیعت نہیں کی۔ پھر لوگ کہتے ہاں نہیں کی۔ اس کے بعد امیر معاویہ شام واپس چلے گئے۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دو شخصوں نے لوگوں کے معاملہ میں فساد برپا کیا۔ ایک تو عمر بن العاص ہیں کہ نیزوں پر قرآن اٹھانے کا امیر معاویہ کو اشارہ کیا سو اٹھائے گئے اور ابن الفراء نے کہا پھر خارجیوں کو حکم دیا کہ یہ تحکیم قیامت تک باقی رہے گی۔

دوسرے مغیرہ بن شعبہ ہیں کیونکہ یہ کوفہ میں حضرت امیر معاویہ کے گورنر تھے انہوں نے خط لکھا کہ جب تم اس کو پڑھو تو فوراً معزول ہو کر چلے آؤ۔ لیکن مغیرہ نے دیر لگائی جس وقت وہ حضرت معاویہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے دیر کرنے پر باز پرس کی۔ کہا کہ ایک معاملہ پیش آ گیا تھا اس کو نبٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دریافت کیا وہ کونسا معاملہ ہے۔ کہا کہ تمہارے بعد یزید کی بیعت۔ پوچھا کیا تم نے اس کو انجام دے لیا ہے کہا ہاں۔ امیر معاویہ نے کہا اپنی جگہ بحال ہو کر چلے جاؤ۔ وہاں سے جب مغیرہ اپنے ہمراہیوں کے پاس آئے تو پوچھا کیا معاملہ پیش آیا کہا کہ میں نے معاویہ کے پاؤں چمڑے کی رکاب میں ایسے رکھ دیئے ہیں کے قیامت تک اسی میں رہیں گے۔

ابن سیرین کہتے ہیں کہ عمرو بن حزام قاصد بن کر امیر معاویہ کے پاس آیا ان سے کہا امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے حق میں خدا سے ڈرو۔ ان پر کس کو خلیفہ مقرر کرتے ہو؟ جواب میں کہا تمہاری نصیحت سنی اور تو نے کہا میری یہ رائے ہے حالانکہ میرے بیٹے اور ان کے بیٹوں کے سوا کوئی باقی نہیں ہے اور میرا بیٹا زیادہ حقدار ہے۔ اور عطیہ بن قیس نے کہا کہ امیر معاویہ نے خطبہ میں کہا اے خدا اگر میں نے یزید کو اس کی قابلیت دیکھ کر ولی عہد کیا ہے تو اس کو تو اس پر پہنچا جو میں نے چاہا ہے اور اس کی مدد کر اور اگر میں نے محبت پدری میں جو اولاد کے ساتھ ہوتی ہے ایسا کیا ہے اور وہ اس کام کا اہل نہیں تو اسے ولی عہدی

پر پہنچنے سے قبل ہی موت دے دے۔

یزید بد بخت شقی اور سرکش ۲۵ ہجری یا ۲۶ ہجری میں پیدا ہوا اور اس کے باپ نے اس کو ولی عہد بنایا دراں حالانکہ لوگ سخت ناپسند کرتے تھے۔ جیسا کہ گزرا۔ جس وقت حضرت معاویہ کا انتقال ہوا اور یہ واقعہ رجب ۶۰ ھ کا ہے تو شامیوں نے اس کی بیعت کر لی۔ پھر اہل مدینہ کی طرف قاصد بھیجا کہ وہ اس کی بیعت لے۔ تب حضرت امام حسین اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے بیعت سے انکار کر دیا اور راتوں رات مکہ مکرمہ کی طرف چلے گئے۔ لیکن حضرت ابن زبیر نے نہ تو اس کی بیعت کی اور نہ اپنی طرف کسی کو بلایا۔

حضرت امام حسینؓ کی مکہ مکرمہ سے روانگی:

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفیوں نے امیر معاویہ کے زمانہ میں ہی خطوط لکھے تھے اور خروج کی طرف بلا رہے تھے لیکن آپ انکار کرتے رہے۔ پس جب یزید کی بیعت لی گئی تو یہ اس وقت تردد لاحق ہو گیا کبھی اقامت یعنی ٹھہرے رہنے کا ارادہ فرماتے۔ کبھی ان کی طرف تشریف لے جانے کا عزم کرتے۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ نے روانگی کا مشورہ دیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ایسا عزم نہ کیجئے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا آپ نہ جایئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت دونوں کا اختیار دیا تھا لیکن آپ نے آخرت کو پسند فرمایا چونکہ آپ حضور ہی کے جگر گوشہ ہیں اس لئے آپ کو بھی دنیا نہ ملے گی۔ اس کے بعد وہ گلے مل کر روئے اور رخصت کر دیا۔ اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ روانگی کے بارے میں حضرت امام حسینؓ ہم پر غالب آ گئے۔ قسم ہے مجھے اپنی عمر کی۔ بیشک انہوں نے اپنے والد (حضرت علی مرتضیٰ) اور اپنے بھائی (حضرت امام حسن) سے عبرت دیکھی ہے (کہ کس طرح کوفیوں نے ان کے ساتھ بے وفائیاں کی ہیں) اسی قسم کی گفتگو آپ سے حضرت جابر بن عبداللہ اور ابو سعید

خدری اور ابو واقد لیثی وغیرہ نے کی (یہ سب روانگی سے باز رکھتے رہے) مگر آپ نے کسی کی بات نہ مانی اور عراق کی جانب روانگی کا عزم مصمم کرلیا۔

حضرت ابن عباسؓ کی مخلصانہ نصیحت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا خدا کی قسم میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ شاید آپ اپنے صاحب زادوں، عورتوں اور صاحب زادیوں کے درمیان شہید کردیئے جائیں گے جیسے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کردیئے گئے مگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے قبول نہ فرمایا۔ اس پر حضرت ابن عباس رونے لگے اور کہا کہ آپ نے حضرت ابن زبیر کی خواہش پوری کردی اور جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ابن زبیر کو دیکھا تو فرمایا اب تو تمہاری آرزو پوری ہوگئی یہ امام حسین تشریف لیے جارہے ہیں اور حجاز تمہارے لیے چھوڑے جاتے ہیں۔ اور یہ شعر پڑھا (ترجمہ)

اے قنبرہ پرندے کشادہ سبزہ زار تیرے لئے کیا ہے
تیرے لئے پورا میدان خالی ہے پس تو اب انڈے بچے دے
اور اب جہاں چاہے تو دانہ پانی حاصل کر
آج تیرا شکاری بیمار ہے تجھے مبارک ہو

کوفیوں کی بے وفائی اور واقعہ شہادت:

عراقیوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس متعدد قاصد اور خطوط بھیجے جس میں وہ آپ کو اپنی طرف بلاتے تھے چنانچہ آپ نے دس ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ سے اہل بیت کی ایک جماعت کے ساتھ جس میں مرد، عورتیں اور بچے بھی تھے عراق کی طرف کوچ فرمایا۔ اس وقت یزید نے گورنر کوفہ عبید اللہ بن زیاد کو خط لکھا کہ وہ آپ سے جنگ کرے۔ پس اس نے چار ہزار کا لشکر بھیجا ان پر عمرو بن سعد بن وقاص کو سردار بنایا۔ چنانچہ کوفہ والوں نے اپنی

عادت کے موافق آپ سے دغا اور بے وفائی کی۔ جیسا کہ آپ کے والد ماجد (حضرت علی مرتضیٰ) کے ساتھ کی تھی اور آپ کی مدد نہ کی۔ جس وقت آپ کو ہتھیار بندوں نے گھیر لیا تو آپ نے ان پر اطاعت و رجوع اور یزید کے پاس جانا سامنے رکھا۔ تا کہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھیں۔ تو ان لشکریوں نے انکار کیا مگر یہ کہ وہ آپ کو شہید کر دیں۔ پس آپ شہید کر دیئے گئے اور آپ کا سر مبارک طشت میں رکھ کر ابن زیاد کے سامنے لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ آپ کے قاتل اور اس کے ساتھ ابن زیاد اور یزید پر بھی۔ حضرت امام حسین کی شہادت کربلا میں واقع ہوئی آپ کی شہادت کا قصہ بہت طویل ہے۔ دل کو اس کے ذکر کی برداشت نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کے ساتھ اہل بیت میں سے سولہ مرد شہید ہوئے۔

قاتلین حسینؓ پر قہر خداوندی کا نزول:

جب حضرت امام حسین شہید ہوئے تو سات دن دنیا روئی اور سورج کی روشنی دیواروں پر ایسی تھی جیسے کسم کی رنگی ہوئی سرخ چادر اور ستارے باہم ٹکراتے تھے اور آپ کی شہادت عاشورے کے دن ہوئی۔ اس دن سورج کو گہن لگا۔ آپ کی شہادت کے بعد چھ مہینہ تک آسمان کے کنارے سرخ رہے اس روز سے ہمیشہ یہ سرخی دکھائی دیتی ہے اس سے پہلے وہ نظر نہ آتی تھی۔ مروی ہے کہ اس دن بیت المقدس کا جو پتھر بھی الٹا جاتا اس کے نیچے تازہ خون پایا جاتا ان کے لشکریوں کے تمام کپڑے راکھ ہو گئے۔ انہوں نے اپنے لشکر میں اونٹ ذبح کیا تو اس کے گوشت میں آگ دیکھتے تھے اور جب اس کو پکایا تو وہ گوشت جل کر کڑوا ہو گیا۔ ایک آدمی نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں کچھ بدگوئی کی تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اس پر ایک شہاب ثاقب (چمکتا ستارہ) مارا تو وہ اس کو اندھا کر گیا۔ ثعلبی کہتے ہیں کہ عبدالملک بن عمرو لیثی سے راویوں نے کئی طرح روایت کی ہے۔

کہتے ہیں کہ میں نے اس قصر (گورنمنٹ ہاؤس) میں اور اشارہ کیا کوفہ کے دار الامارۃ کی طرف۔ حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے سر مبارک کو ایک ڈھال میں عبید اللہ بن زیاد کے سامنے رکھا دیکھا۔ پھر عبید اللہ بن زیاد کا سر، مختار بن عبید کے سامنے دیکھا۔ پھر مختار کا سر، مصعب بن زبیر کے سامنے دیکھا پھر مصعب کا سر، عبد الملک کے سامنے دیکھا۔ پھر عبد الملک سے میں نے یہ بات کہی تو اس نے بدشگونی لی اور اس دار الامارۃ کو چھوڑ دیا۔

جب حضرت امام حسین اور ان کے خاندان کے افراد شہید ہو گئے تو ابن زیاد نے ان سروں کو یزید کے پاس بھیج دیا تو وہ پہلے تو اس سے خوش ہوا لیکن جب مسلمان اس کے اس فعل سے ملامت کرنے لگے اور اس کو برا جاننے لگے تو پھر وہ شرمندہ ہوا۔ مسلمانوں کا اس کو مبغوض جاننا حق بجانب تھا۔

واقعہ حرّہ:

۶۳ھ ہجری میں یزید کو خبر ملی کہ اہل مدینہ نے اس پر خروج کیا ہے اور اس کی بیعت توڑ دی ہے تو ایک بھاری لشکر بھیجا اور ان سے قتال کرنے کا حکم دیا اس کے بعد مکرمہ پر چڑھائی کا حکم دیا کہ وہ حضرت ابن زبیر سے جنگ کریں۔ پس وہ لشکر آیا اور باب طیبہ پر حرہ واقع ہوا تم کیا جانو کہ جنگ حرہ کیا ہے؟ یہ وہ واقعہ ہے جس کے ذکر کی دل میں گنجائش نہیں اور نہ کان اس کے سننے کی طاقت رکھتے ہیں۔ صرف ایک مرتبہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ پس فرمایا خدا کی قسم ان میں سے کوئی بھی نہ بچا اس میں صحابہ وغیرہ کی ایک جماعت شہید ہوئی اور مدینہ لٹ گیا اور ہزار ہا کنواری لڑکیوں سے زنا کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اہل مدینہ کو خوفزدہ کیا اللہ تعالیٰ اس پر خوف مسلط کر دے گا اور اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اس کو مسلم نے روایت کیا۔

فسخ بیعت کی وجوہات:

اہل مدینہ نے جو بیعت کو فسخ کیا اس کی وجہ یہ ہے یزید کے معاصی حد سے زیادہ ہو گئے تھے۔ واقدی نے کئی طرح سے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن حنظلہ غسیل ملائکہ نے کہا کہ خدا کی قسم ہم یزید پر خروج نہ کرتے یہاں تک کہ ہم خوفزدہ تھے کہ کہیں ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش نہ ہو۔ کیونکہ بعض لوگ تو امہات الاولاد اور بیٹیوں بہنوں سے نکاح کرنے لگے تھے اور شرابیں پیتے اور نمازیں ترک کرتے تھے۔ ذہبی کہتے ہیں کہ اہل مدینہ پر یزید نے جو کرنا تھا کیا باوجودیکہ شراب پیتا اور منکرات پر عمل کرتا تھا۔ تب اس پر لوگوں نے سختی کی اور بکثرت لوگوں نے اس پر خروج کیا اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں برکت نہ دے۔ پھر یہ لشکر حرہ حضرت ابن زبیر سے جنگ کرنے کے لئے مکہ کی طرف روانہ ہوا تو لشکر کا سردار مر گیا تو دوسرا اس کا قائم مقام بنا دیا اس نے مکہ میں گھس کر حضرت ابن زبیر کا محاصرہ کر لیا اور جنگ شروع کر کے منجنیق کے ذریعہ پتھر پھینک پھینک کر مارے۔ یہ واقعہ ۶۴ ہجری کے ماہ صفر کا ہے اور ان کی آگ کے شعلوں سے خانہ کعبہ کے غلاف اور اس کی چھتیں جل گئیں اور اس مینڈھے کے دونوں سینگ جو (حضرت اسمٰعیل کے فدیہ میں آیا تھا) خانہ کعبہ کے چھت میں آویزاں تھے جل گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسی سن کے نصف ربیع الاول میں یزید کو ہلاک کیا اور اس کے ہلاک ہونے کی خبر آ گئی۔

ماہ صفر

باخبر ہونا چاہئے کہ صفر کی نفی اور اس سے بدشگونی لینے کی ممانعت متعدد طریقوں سے بکثرت حدیثوں میں وارد ہے۔ پہلے ہم ان حدیثوں کا ذکر کرتے ہیں جو ماہ صفر کے بارے میں مروی ہیں۔ پھر اس کے بعد جو ان کا مفہوم و مطلب ہے اس کو بیان کریں گے علماء نے ان حدیثوں کو جامع الاصول سے نقل کیا ہے۔

بدشگونی لینے کی ممانعت:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے ہیں صفر میں نہ بیماری ہے نہ نحوست ہے اور نہ بھوت و شیطان۔ مسلم نے اس کی تخریج کی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ تو بیماری کا لگنا ہے اور نہ نحوست نہ بھوت و شیطان۔ مسلم نے اس کی تخریج کی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا نہ بیماری کا لگنا ہے نہ نحوست او شیطان کا چنگل۔ ایک بدوی نے عرض کیا یا رسول اللہؐ پھر وہ اونٹ میں کیا ہے جو دوڑتا ہے جھپٹتا ہے۔ گویا کہ وہ ہرن ہے جسے خارش ہے۔ پھر وہ اونٹوں میں گھس جاتا ہے اور سب کو خارش ہو جاتی ہے۔ فرمایا پھر پہلے اونٹ کو خارش کس نے لگائی۔ بخاری و مسلم، ابوداؤد نے اس کی تخریج کی۔

اور بخاری کی روایت میں ہے کہ نہ بیماری کا لگنا ہے اور نہ بدشگونی اور نہ چنگل نہ بدفالی۔

اور مسلم کی روایت میں ہے کہ نہ چنگل، نہ ستاروں کی رفتار اور نہ بدفالی اور مسلم کی دوسری

روایت میں ہے اور نہ بھوتوں کا دخل۔

ابن عطیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ بیماری لگنا ہے نہ شیطان کا چنگل (بام) ہے اور نہ بدفالی۔

بیمار اونٹ تندرست اونٹوں میں نہ اترے اور تندرست اونٹ جہاں چاہے پھرے۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا سبب کیا ہے فرمایا وہ ایذا دیتا ہے۔ حضرت امام مالک نے موطا میں اس کی تخریج کی۔ جامع کبیر میں حدیثیں یہ ہیں کہ نہ بیماری لگنا ہے نہ بدشگونی نہ نحوست اور نہ بدفالی۔ اور یہ کہ کوڑھی (جذامی) سے ایسا بھاگ جیسے شیر سے۔ حضرت امام احمد اپنی مسند میں اور بخاری نے اپنی صحیح میں اس کو بیان کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی کو کسی کی بیماری نہیں لگتی۔ پس پہلے بیمار کو کس نے خارش لگائی۔ نہ بیماری لگنا ہے اور نہ صفر (بدفالی) ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے ہر ایک جان پیدا کی ہے تو اس نے اس کی زندگی، رزق اور مصیبتوں کو لکھ دیا ہے۔ حضرت امام احمد نے اپنی مسند اور ترمذی نے جامع میں اس کو بیان کیا۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نہ بیماری لگنا ہے نہ بدشگونی ہے۔ نہ نحوست ہے نہ صفر (بدفالی) ہے اور نہ بھوتوں کا اثر۔ اس کو امام احمد و مسلم نے بیان کیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نہ بیماری لگنا ہے نہ بدفالی ہے، نہ نحوست ہے امام احمد اور بیہقی اور ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اور امام احمد و مسلم نے سائب بن یزید سے بیان کیا کہ نہ صفر ہے نہ نحوست ہے اور نہ بیمار کی بیماری تندرست کو لگے۔ اس کو قاضی محمد بن عبد الباقی انصاری نے اپنی حدیث کے جزو میں اپنے مشائخ سے بیان کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نہ صفر ہے نہ نحوست ہے نہ بیماری لگنا ہے اور نہ دو مہینے ساٹھ دن کے ہوں۔ اور جس نے اللہ کے ذمہ سے بدعہدی کی تو وہ جنت کی بو نہ

سونگھے گا۔ طبرانی نے معجم کبیر میں اور ابن عساکر نے عبدالرحمٰن بن ابی عمیر مزنی سے اسے بیان کیا۔ طبرانی نے اسے ابوامامہ سے بھی ان لفظوں میں بیان کیا کہ نہ بیماری لگنا ہے اور نہ صفر ہے۔ نہ نحوست ہے اور نہ دو مہینے تیس تیس دن کے ہوں۔ جس نے اللہ کے ذمہ سے بد عہدی کی سووہ جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا۔ نہ بیماری لگنا ہے نہ نحوست ہے نہ صفر ہے اللہ نے ہر ایک جان کو پیدا کیا تو اس نے اس کی زندگی، اس کی موت، اس کی مصیبتیں اور اس کا رزق لکھ دیا ہے۔ احمد وخطیب نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نہ بیماری کا لگنا ہے اور نہ بدشگونی ہے، نہ نحوست ہے، نہ صفر ہے۔ پس پہلے کو کس سے بیماری لگی۔ اس کو احمد و ابن ماجہ اور طبرانی نے کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نہ بیماری لگنا ہے نہ نحوست ہے نہ صفر ہے۔ بیمار اونٹ تندرست اونٹوں میں نہ گھسے اور تندرست اونٹ جہاں چاہے گزرے۔ عرض کیا گیا یہ کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ یہ ایذا دیتا ہے۔ اس کو بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نہ بیماری لگنا ہے نہ نحوست ہے نہ صفر ہے۔ اس کو ابن جریر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

اور ثعلبہ بن یزید حمانی سے مروی ہے کہ کہا کہ میں نے حضرت علیؓ کو کہتے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نہ صفر ہے نہ نحوست ہے۔ نہ تندرست کو بیمار کی بیماری لگے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا آپ نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرمایا ہاں میں نے اپنے کانوں سے سنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس کو ابن جریر نے بیان کر کے صحیح کہا ہے۔

''لاصفر'' کے مفاہیم ومطالب:

جب ہم حدیثوں کو بیان کر چکے تو اب ہم **لا صفر** جو فرمایا گیا ہے اس کا مفہوم و مطلب بیان کرتے ہیں۔ تو ہم لکھتے ہیں کہ:

ابن اثیر نے نہایہ میں کہا کہ صفر اہل عرب کے گمان میں پیٹ کے اندر سانپ ہوتا ہے۔
جو انسان کو بھوک میں کاٹتا ستاتا ہے اور یہی مرض متعدی بن جاتا ہے پس اسلام نے اس کو
باطل قرار دیا۔

کرمانی شرح بخاری میں ہے کہ صفر (بفتحتین) ایک پیٹ کا سانپ ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ
خارش سے زیادہ متعدی ہے۔

طیبی شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ اہل عرب گمان کرتے تھے کہ وہ سانپ بھوک کے وقت کاٹتا
ہے اور بھوک کے وقت جو تکلیف ہوتی ہے وہ اس کے کاٹنے سے ہوتی ہے۔ اور بعض یہ کہا
کرتے تھے کہ صفر ہی ایسا مہینہ ہے کہ ان کے گمان میں اس میں مصیبتیں اور آفتیں بہت
ہوتی ہیں تو شریعت نے ان کی نفی کر دی اور نہایہ میں ہے کہ اس سے مراد نسئی ہے وہ یہ کہ محرم
کو صفر تک موخر کرنا اور صفر کو وہی ماہ محرم ٹھہرا دینا ہے۔ اور امام نووی کی شرح مسلم میں ہے کہ
صفر پیٹ میں ایک کیڑے کو کہتے ہیں اور وہ "کدو دانے" کی طرح بھوک کے وقت
پھدکتے ہیں اور بسا اوقات مار بھی ڈالتے ہیں۔ دوَاب دال مہملہ اور بائے موحدہ کے ساتھ
جمہور کے نزدیک ہے۔ اور ذوات کی روایت بھی ہے یعنی ذال معجمہ اور تائے فوقانیہ دو
نقطوں سے اس کی بھی تاویل ہو سکتی ہے۔ اور نہایہ میں ہے کہ اول زردی اللہ کی راہ میں سرخ
اونٹوں سے بہتر ہے۔ یعنی بھوکا رہنا۔ اور صفر اس کیڑے کو بھی کہتے ہیں جو جگر میں پسلیوں کی
ہڈیوں کے سرے میں پیدا ہوتا ہے تو اس سے آدمی بہت زیادہ زرد ہو جاتا ہے۔ اور بسا
اوقات وہ اس کو مار بھی دیتا ہے۔ (طبی اصطلاح میں اس مرض کو یرقان (صفر) کہتے ہیں ۱۲
مترجم)

قاضی عیاض رحمہ اللہ کی کتاب مشارق الانوار میں ہے کہ لاصفر سے مراد وہ مشہور مہینہ
ہے کہ جاہلیت والے جس کو حکم و دستور کو نسئی میں بدل ڈالتے۔ اور ماہ محرم کو ان سے موخر
کر کے صفر کو حرام ٹھہراتے تھے۔ یہ حضرت امام مالک وغیرہ کا قول ہے اور ایک قول کی بنا پر

لاصفر کے یہ معنی۔ مراد ہے کہ وہ پیٹ میں کیڑا ہوتا ہے جو مثل سانپ کے ہے۔ اور بھوک کے وقت انسان کو کاٹتا ہے اور ایک سے دوسرے پر تجاوز کر جاتا ہے تو اس تعدی کو اسلام نے باطل کر دیا۔

جامع الاصول میں ہے کہ ابوداؤد کہتے ہیں کہ بقیہ نے کہا کہ میں نے محمد بن راشد سے **لاھامه** کے معنی دریافت کیے تو فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کہا کرتے تھے کہ کوئی نہیں ہے کہ مر جائے تو پھر دفن کیا جائے مگر اس کی قبر سے ہامہ نکلتا ہے۔ اور لاصفر کے معنی پوچھے تو فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ ماہ صفر کے آنے کو منحوس جانا کرتے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاصفر کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے کہتے سنا کہ صفر ایک درد ہے جو پیٹ میں اٹھتا ہے جس کو وہ متعدی خیال کرتے تھے۔ یہ کہنے والے ابودرداء ہیں۔ امام مالک نے فرمایا کہ اہل جاہلیت صفر کو ایک سال میں حلال اور ایک سال میں حرام کر لیتے تھے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاصفر۔ اور اسی میں ہے کہ شرح غریب الصاد میں منقول ہے کہ لاصفر حدیث کی تفسیر مذکور ہوگئی۔ اور عرب گمان کرتے تھے کہ پیٹ میں ایک سانپ ہوتا ہے جو بھوک کے وقت کاٹتا ہے اور یہ متعدی ہے تو اسلام نے اسے باطل قرار دے دیا۔

مصنّف (علیہ الرحمۃ) کا مؤقف:

بندۂ ضعیف (شیخ محقق رحمہ اللہ) (اللہ تعالیٰ کے حال کو درست رکھے اور ان کی گرانی کو دور فرمائے) کہتے ہیں کہ اسی طرح مختلف اقوال صفر سے مراد لیتے ہیں وارد ہیں۔ ان سب کا خلاصہ تین باتوں پر منحصر ہو جاتا ہے۔ اول یہ کہ صفر سے مراد یا تو معروف و مشہور مہینہ ہے دوسرے یہ کہ اس سے پیٹ کا کیڑا مراد ہے۔ تیسرے یہ کہ نسئی مذکور مراد ہے۔ اور بدشگونی لینے کے ضمن میں اس کا ذکر کرنا پہلی مراد کے لینے میں تائید کرتا ہے۔ متعدی امراض کے

ضمن میں ذکر کرنے سے دوسرے معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کیا مراد ہے۔

مذکورہ حدیث کے دوسرے الفاظ کی تحقیق:

جب ہم صفر سے مراد لینے سے فارغ ہو گئے تو اب مناسب ہے کہ دوسرے ان الفاظ کی مراد بھی بیان کر دیں جو احادیث میں واقع ہوئے ہیں۔ چنانچہ **العدویٰ** (بیماری کا متعدی ہونا) کے بارے کہا جاتا ہے۔ مرض متعدی ہو گیا۔ جب اس کے ہم نشین اور پڑوسی کو، یا اس کے ساتھ کھانے پینے ملنے جلنے والے کو ویسا ہی مرض ہو جائے، بلاشبہ اسلام نے اس کو باطل قرار دیا ہے اسی طرح **جامع الاصول** میں ہے (حدیث کا دوسرا لفظ) **التطیر** ہے جامع الاصول کی شرح میں جو انہیں مصنف کی ہے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ طیرہ وہ ہے جس سے بدشگونی لی جائے **فال** کے ذریعہ۔ یہ طیر مشتق ہے عرب کا دستور تھا کہ وہ کوے اور شکرے جیسے پرندوں سے بدفالی لیا کرتے تھے اور اس کو منحوس سمجھتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ پرندے خیر کی ضد اور مانع ہیں۔ پس اسلام نے اس کی ممانعت کر دی اور فرمادیا **لاطیرة**۔ اور یہ مصدر ہے جیسے **التطیر تطیر الرجل تطیراً وطیرة** یا جیسے کہ **تخیرت الشیی تخیراً وخیرة**۔

دوسرے مصادر سوائے ان دونوں مصدروں کے اس وزن پر نہیں آتے اور **الفال** دراصل مہموز العین ہے۔ کبھی ہمزہ کی تخفیف کر دی جاتی ہے۔ فال اس طرح ہوتی ہے کہ کوئی آدمی بیمار ہوا اور دوسرے سے سنتا ہے۔ کہ وہ کہتا ہے اے تندرست! یا کسی چیز کی تلاش ہو وہ دوسرے سے سنتا ہے کہ کہتا ہے اے پانے والے تو وہ اپنے گمان میں یہ خیال کرتا ہے کہ اب اپنے مرض سے نجات پالوں گا اور اپنی گم شدہ چیز کو پالوں گا اس قسم کی فال درست ہے۔ آئندہ اس کی تحقیق آنے والی ہے۔ منقول ہے کہ **العدویٰ**، اعداء کا اسم مشتق ہے جیسے **البقوی**،

الابقاء کا مشتق ہے۔ اعداء الداء کے معنی یہ ہیں کہ اس کو وہی مرض لگ گیا ہے جو اس کے ساتھ کو تھا۔ مثلاً ایک اونٹ کو خارش ہو تو اس کو دوسرے اونٹ سے ملنے نہ دیں اس خوف سے کہیں دوسرے کو بھی خارش نہ ہو جائے اور یہ اعتقاد رکھیں کہ خارش خود بخود اڑ کر دوسرے کو لگ جاتی ہے تو اس کو اسلام نے باطل قرار دیا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تعلیم دی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بیماری ڈالتا ہے اور وہی دوا اتارتا ہے۔ اسی لئے حضور نے ارشاد فرمایا پہلے کو کہاں سے لگی۔ یعنی پہلے اونٹ میں خارش کہاں سے آ گئی۔ تورپشتی شرح مصابیح میں کہتے ہیں کہ العدویٰ کے معنی بیماری اور عادت کے ہیں جو دوسروں کو لگ جائے۔ اس قسم کی بیماری اطباء کے نزدیک سات مرضوں میں ہے ا۔ جذام (کوڑھ)، ۲۔ خارش، ۳۔ چیچک، ۴۔ سرخبادہ، ۵۔ گندہ ذہنی، ۶۔ آشوب چشم اور ۷۔ امراض وبائی۔ علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے مشارق الانوار میں لکھا ہے کہ عدویٰ اس کو کہتے ہیں جو زمانہ جاہلیت کے لوگ اعتقاد رکھتے تھے مریض کا مرض اس کے ہم نشین، پڑوسی کو لاحق ہو جائے۔ دراں حالیکہ وہ اس سے پہلے تندرست ہو۔ تو شریعت نے اس کی نفی کر دی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا لا عدویٰ ۔ یہ اس امر کا بھی محتمل ہے کہ ایسا اعتقاد نہ رکھنا چاہئے یا یہ کہ حقیقتاً یہ بے اصل بات ہے جیسا کہ فرمایا کہ کوئی چیز کسی کو نہیں لگتی۔ اور حضور کا یہ فرمان بھی ہے کہ پہلے کو کہاں سے لگی (جو نفی وجود پر دال ہے) یہ دونوں مفہوم شرعاً درست ہیں۔

لفظ ''ہامہ'' کی تشریح وتوضیح:

(حدیث کے لفظوں میں) الہام ہے ہامہ کی جمع ہے۔ وہ ایک پرندہ ہے۔ کیونکہ عرب اعتقاد رکھتے تھے کہ مردہ کی ہڈیاں ہامہ ہو کر اڑ جاتی ہیں۔ اور یہ کہا کرتے تھے کہ مقتول ہامہ سے نکلتا ہے یعنی ہامہ کے سر سے نکلتا ہے۔ وہ ہمیشہ یہ کہتا رہتا ہے کہ مجھے پانی پلاؤ۔ حتیٰ کہ اس کا قاتل ہلاک کر دیا جائے اور نہایہ میں ہے کہ ہامہ سر کو کہتے ہیں اور ایک پرندہ کا نام

ہے۔اور حدیث میں یہی مراد ہے۔اور یہ اس لئے کہ عرب اس سے نحوست کی بدشگونی لیتے تھے اور ہامہ رات کا پرندہ ہے اور ایک قول یہ ہے ہامہ الو کو کہتے ہیں۔اور ایک قول یہ بھی ہے کہ عرب گمان رکھتے تھے کہ اسی مقتول کی روح جس کے بغض و کینہ کا بدلہ نہ لیا جائے۔وہ ہامہ (پرندہ) بن کر اڑتی پھرتی ہے کہ ہامہ مردے کی ہڈیاں ہوتی ہیں۔اور ایک قول یہ کہ اس کی روح ہامہ ہو جاتی ہے پھر وہ اڑتی پھرتی ہے اور اس کا نام صدیٰ رکھتے تھے۔پس اسلام نے اس کی نفی فرما دی اور ایسا اعتقاد رکھنے کی ممانعت کر دی۔

طیبی فرماتے ہیں کہ الہامہ ایک نام ہے جس کو وہ منحوس سمجھتے تھے اور عرب گمان رکھتے تھے کہ مردے کی ہڈیاں جب بوسیدہ ہو جاتی ہیں تو ہامہ ہو کر قبر نکل آتی ہے۔پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعتقاد کو باطل فرما دیا۔اور ایک قول یہ ہے کہ ہامہ وہ الو ہے جب وہ کسی کے گھر پر جا بیٹھتا ہے تو وہ اس کو اپنی موت یا گھر والوں میں سے کسی کی موت کی خبر دینے والا اعتقاد کرتے تھے۔اور ہامہ میم مخففہ کے ساتھ ہے روایت مشہورہ کی بنا پر۔اور ایک قول تشدید کا بھی ہے۔

''ہامہ'' کے بارے میں قاضی عیاضؒ کی رائے:

علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ الہام ایک پرندہ ہے جو مردوں اور قبروں سے محبت رکھتا ہے اور اسی کو صدیٰ بھی کہتے ہیں اور وہ رات ہی کو اڑتا ہے اور وہ الو کا غیر ہے مگر اس کا مشابہ ہے اور عرب گمان رکھتے تھے کہ جب کوئی شخص قتل ہو جائے اور اس کے کینہ کا بدلا نہ لیا جائے تو اس کے ہامہ سے جو سر کا اوپر کا حصہ ہے ایک پرندہ نکلتا ہے وہ اس کی قبر پر چلاتا ہے کہ مجھے پانی پلاؤ مجھے پانی پلاؤ۔میں پیاسا ہوں یہاں تک کہ اس کا قاتل مارا جائے۔اس سلسلہ میں ان کے بہت سے اشعار ہیں۔اور بعض کہتے ہیں کہ اس کے سر سے ایک کیڑا نکلتا ہے پھر وہ پرندہ بن کر ایسی ہی آوازیں دیتا ہے۔پس حضور نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کی ممانعت یہی احتمال رکھتی ہے اور اسی طرف بہت سے علماء گئے ہیں اور اسی طرف حربی اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا رجحان ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ میں اس کو پرندہ ہی خیال کرتا ہوں جس کو وہ لوگ ہامہ کہتے ہیں۔ حضرت علامہ قاضی نے فرمایا کہ ممکن ہے اس سے تطیر یعنی بدشگونی لینا مراد ہو۔ کیونکہ عرب بھی اس پرندے جس کو ہام کہتے ہیں بدشگونی لیا کرتے تھے اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو نیک فال لیا کرتے تھے یہ شمر بن حمدویہ کا مذہب ہے۔ اس کو ابن اعرابی سے نقل کیا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ عرب گمان رکھتے تھے کہ جب مردوں کی ہڈیاں بوسیدہ ہوکر ہامہ بن کر اڑ جاتی ہیں تو اس کو صدیٰ کہتے تھے۔

''لاغول'' کا مفہوم:

(حدیث شریف میں) **الغول** ہے شرح جامع الاصول میں اس کی تفسیر میں یوں ہے کہ ایک جانور ہے جس کے بارے میں عرب سمجھتے تھے کہ یہ بعض اوقات راستے میں سامنے آجاتا ہے پھر وہ لوگوں کو مار ڈالتا ہے۔ یہ شیطانوں کی ایک قسم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد **لا غول** اس سے شیاطین کی حقیقت (ذات) اور اس کے وجود کی نفی میں نہیں ہے بلکہ اس میں عرب کے اس گمان کا ابطال ہے جو وہ سمجھتے تھے کہ وہ ہلاک کردیتا ہے اور مختلف صورتوں میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ حضور کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تم اس کی تصدیق نہ کرو۔

نہایہ میں ہے کہ غول غیلان کا مفرد ہے اور یہ شیطان اور جن کی جنس میں سے ہے۔ عرب گمان رکھتے تھے کہ غول جنگل میں لوگوں کو نظر آتا ہے پھر وہ ہلاک کردیتا ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس عقیدہ کا ابطال فرمایا۔ اور ایک قول ہے کہ لاغول میں غول کی ذات کی نفی نہیں ہے۔ بلکہ عرب کے اس گمان کا ابطال ہے جو وہ کہتے تھے کہ وہ

مختلف صورتوں میں تبدیل ہو کر لوگوں کو بھٹکاتا ہے مطلب یہ ہے کہ وہ کسی کو نہیں بھٹکاتا۔
اور یہ حدیث اس مفہوم کی شاہد ہے کہ غول نہیں ہے بلکہ سعالیٰ ہے اور سعالیٰ جنوں میں جادوگر ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جنوں میں جادوگر ہوتے ہیں جو تخیلات اور تلبیسات میں مبتلا کرتے ہیں اور اسی سلسلہ میں یہ حدیث ہے کہ جب شیاطین پریشان کریں اور مختلف صورتیں بدلیں تو فوراً اذان دینا شروع کردو یعنی ان کے شر کو ذکر الٰہی سے دور کردو۔ کیونکہ اذان سے وہ بھاگ جائیں گے۔ یہ حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ غول کی نفی سے ان کے وجود کی نفی مراد نہیں ہے۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں کہ بلکہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ شیاطین کسی کام سے بھٹکانے اور کسی کو ہلاک کرنے کی قدرت ہی نہیں رکھتے بجز اذن الٰہی جل جلالہ کے۔

اور کہا گیا ہے کہ غیلان جنوں کے جادوگر ہیں جو لوگوں کو بھٹکا کر فتنوں میں مبتلا کرتے ہیں۔ مفاتیح شرح مصابیح میں ہے کہ غول بفتح الغین مصدر ہے جو بمعنی غالہ، اہلکہ ہے اور ضمہ (پیش) کے ساتھ ایک نام ہے۔ عرب گمان کرتے تھے کہ وہ لوگوں کو نظر آتے ہیں۔ لہٰذا شریعت نے اس کی نفی کردی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ غول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے دور ہو گیا ہو۔ جیسے آسمان سے باتوں کا اچکنا جاتا رہا۔

طیبی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ غول کے پنجہ میں آؤں۔ اب اگر غول سے کسی چیز کا قبضہ میں آنا اس طرح پر ہو کہ اسے خبر نہ ہو مراد ہے تو میں کہتا ہوں (یعنی شیخ محقق رحمہ اللہ) کہ اس کی تائید یہ روایت بھی کرتی ہے کہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں غول کے پنجہ میں نیچے کی جانب سے آؤں۔ یعنی میں اس طرح مصیبت میں مبتلا ہو جاؤں کہ مجھے خبر بھی نہ ہو۔ اس سے مراد زمین میں دھنس جانا جیسا کہ نہایہ میں ہے۔

اور حضرت علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ، مشارق الانوار میں فرماتے ہیں کہ ولا غول غین کے ضمہ کے ساتھ جو روایت ہے حدیث میں اس کی تفسیر آئی ہے کہ غول وہ ہے جو تغول

کرے، یعنی تا اور غین کے فتح کے ساتھ مراد ہے۔ مطلب یہ کہ جنوں کے جادوگر غیلان کی طرح مختلف صورتیں بدلتے ہیں۔ کیونکہ عرب کہا کرتے تھے کہ غیلان لوگوں کو دکھائی دیتا ہے اور وہ خوب مختلف صورتیں بدلتے ہیں اور ان کو راستہ بھٹکاتے اور ہلاک کرتے ہیں۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت کو باطل کر دیا۔

لفظ ''النوء'' کی وضاحت:

(حضور کے ارشاد میں) النوء ہے شرح جامع الاصول میں ہے کہ النوء انواء کا مفرد ہے اور یہ اٹھائیس ستارے ہیں وہ منازل ہیں۔ ان میں سے غرب میں تیرہویں رات کو طلوع فجر کے ساتھ ایک منزل ختم ہوتی ہے اور دوسری منزل اس کے مقابل سے طلوع کرتی ہے۔ پس یہ اٹھائیس کو اکب سال بھر میں اپنے دورے تمام کرتے ہیں۔ عرب گمان کرتے تھے کہ ایک منزل کے ساقط ہونے اور اس کے مقابل طلوع کرنے سے بارش ہوتی ہے۔ پس عرب بارش کو منزل کی طرف نسبت کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ فلاں منزل کی وجہ سے ہم پر بارش ہوتی۔ اسی لئے اس کا نوء نام پڑا گیا۔ اس لئے کہ جب ساقط ہونے والی منزل مغرب میں ساقط ہوتی ہے تو طلوع ہونے والی منزل مشرق سے طلوع ہو جاتی ہے۔ تو کہتے کہ نیوءنوءا یعنی ڈوبا اور طلوع ہوا۔

ایک قول یہ ہے کہ نوء کے معنی غروب کے ہیں اور وہ اضداد سے ہے۔ حضرت ابوعبید فرماتے ہیں کہ اس جگہ کے سوا کہیں اور نوء کے معنے غروب کے نہیں سنتے ہیں۔ اس بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوء کے بارے میں شدت فرمائی کیونکہ عرب بارش کی اس کی طرف نسبت کرتے تھے۔ لیکن وہ شخص جو یہ اعتقاد رکھے کہ بارش اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے اور مطرنا بنوء کذا (کہ ہم پر فلاں منزل کی وجہ سے بارش ہوئی) سے یہ مراد لیتا ہے کہ فلانے وقت میں بارش ہوئی ہے کہ وہ فلانی منزل میں ہے تو اب یہ بولنا جائز ہوگا۔ ایک روایت

میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نماز استقاء کا قصد فرمایا تو حضرت عباس ابن عبدالمطلب (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے) کو بلایا دریافت کیا کہ ثریا کی منزل میں کتنے دن باقی رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اس علم کے جاننے والے (منجم) گمان کرتے ہیں کہ زمین میں سقوطہ کے بعد سات مرتبہ کنارے پر آیا ہے۔ پھر وہ سال تمام نہ ہوا کہ بارش ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد اس سے یہ تھی کہ اس وقت میں کتنی مدت باقی ہے کہ جب حسب عادت وہ وقت پورا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بارش بھیجتا ہے۔

نہایہ میں ہے کہ امر جاہلیت کی باتوں میں سے انواء ہے اور وہ اٹھائیس منازل قمر ہیں اور چاند ہر رات ان میں سے ایک منزل طے کرتا ہے۔ اس طرف آیت کا یہ اشارہ ہے کہ **القمر قدر ناہ منازل الایتہ** چاند کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کی ہیں۔ نہایہ کا باقی کلام شرح جامع الاصول کے کلام کی طرح ہے۔ سوائے اس قول کے جو ابو عبید سے منقول ہے۔

صحیح بخاری کی شرح میں کرمانی فرماتے ہیں کہ نوء نون کی فتح اور سکون داؤ کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد ہمزہ ہے۔ عرب والے گمان کرتے تھے کہ بارش ستاروں کے طلوع و غروب کی وجہ سے ہوتی ہے اور جو شخص اس کو محض ایک وقت کہے تو اس میں مضایقہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ کوئی وقت ایسا نہیں ہے جو بندوں پر فوائد سے مشہور نہ ہو۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نماز استقاء کا واقعہ بیان کیا۔ اسی طرح پر جیسا جامع الاصول میں مذکور ہے۔ قاضی ابن العربی فرماتے ہیں کہ جو شخص اس کا منتظر ہو کہ یہی اللہ تعالیٰ کے سوا فاعل ہے یا اس کو اور اللہ تعالیٰ کو شریک گردانے پس وہ کافر ہے۔ اس لئے کہ پیدائش اللہ وحدہ کا کام ہے اور جو شخص انواء سے اجراء عادت مراد لے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ لیکن علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے اس لئے کہ یہ کفر کی علامت ہے اور اس سے کفر کا خدشہ ہوتا ہے۔ طیبی فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ علامہ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ایسے ہی انواء کا ذکر کرنا امر جاہلیت میں سے ہے۔ جو یہ کہے فلاں نوء کی وجہ سے ہم پر

بارش ہوئی کیونکہ عرب والوں کے نزدیک اٹھائیس منزلوں میں سے کسی ایک منزل میں ستارے کے غروب وسقوط (کا نام نوء) ہے اور وہ یہ کہ ایک ستارے کا مغرب میں ڈوبنا اور معاً دوسرے ستارے کا مشرق سے اس کے مقابل طلوع ہونا ہے ان کے اعتقاد میں یہ ہے کہ ایسے وقت یقیناً بارش ہوگی۔ بارش کا سبب یا تو نوء ہے۔ یا تیز آندھی وغیرہ۔ پھر ان میں سے بھی کچھ تو ڈوبنے والے ستارے کی تاثیر مانتے ہیں اور کچھ طلوع ہونے والے ستارے کی۔ اس لئے کہ یہی تو ہے جس سے نوء ہوا یعنی اپنی جگہ سے اوپر ابھرا طلوع ہوا۔ پس بارش کی اس کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا اعتقاد رکھنے کی ممانعت فرمادی اور ان کا یہ قول کہ اس کا فاعل کافر ہوتا ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء اس پر متفق ہیں۔ ممانعت اور تکفیر اس شخص کے لئے ہے جو ستارے کے بالذات فاعل اعتقاد کرے نہ کہ وہ شخص جو عادت کی طرف نسبت کرے اور بعض علماء ہر طرح پر مکروہ فرماتے ہیں۔ کیونکہ ممانعت عام ہے اور کچھ علماء اس کے کفر کے اعتقاد سے مراد کفران نعمت لیتے ہیں۔ ہم نے اپنی دوسری کتاب میں اس باب کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

چونکہ طیرہ اور عدویٰ لوگوں میں بہت مشہور ہے اور عملی واعتقادی صورت میں لوگ سخت مبتلا ہیں اور احادیث ان دونوں کے بارے میں بکثرت واقع ہیں۔ تو ہم نے عزم کیا کہ مستقلاً دو بابوں میں جداگانہ بیان کردیں۔

پہلا باب طیرہ کے بیان میں

طیبی میں ہے کہ طیرہ طاء کے زیر اور یا کی زبر کے ساتھ ہے اور کبھی یا ساکن بھی ہوتی ہے۔ اس کے معنی کسی شے کو منحوس سمجھنا ہے۔ یہ مصدر تطیر طیرۃً کا ہے جیسے تخیر ہ خیرۃ۔ ان دونوں کے سوا کوئی اور مصدر اس وزن پر نہیں آتا اور اصل حقیقت یہ ہے جیسا منقول ہے کہ پرندوں، بوارح (یعنی صیاد کے داہنے ہاتھ میں شکار کا آنا اور ہرن وغیرہ سے بدشگونی

لینا ہے۔اس پر ان کو اتنا اعتقاد تھا کہ وہ اپنے ارادوں سے رک جاتے تھے۔پس شریعت نے اس کی ممانعت کر کے اسے بالکل باطل قرار دے دیا اور خبر دے دی کہ اس میں کسی طرح کے نفع دینے اور نقصان پہنچانے کی تاثیر نہیں ہے اور فال مہموز العین ہے یہ نیک و بد دونوں میں مستعمل ہے اور طیرہ صرف بدشگونی میں مستعمل ہے۔ بسا اوقات نیک فال میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ تذکرہ نعوی معنی کے اعتبار سے ہے۔لیکن شرعی اعتبار سے اس کا استعمال یہ ہے کہ فال جب مطلق مستعمل ہوگا تو اس سے نیک کام خاص ہوگا اور طیرہ امر بد کے لئے۔ ہاں مفید فال کا استعمال امر بد کے لئے ہو جاتا ہے۔جیسے کہا جاتا ہے کہ بد فال، مکروہ فال وغیرہ طیبی فرماتے ہیں کہ فال اور طیرہ میں فرق حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے سمجھا جاتا ہے۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔حضور نے ارشاد فرمایا نہ عدویٰ ہے اور نہ طیرہ۔ مجھ کو تو فال پسند آتی ہے صحابہ نے عرض کیا فال کیا ہے فرمایا وہ نیک کلمہ ہے۔ کرمانی شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ اس کی اصل یہ ہے کہ عرب ہرنوں اور پرندوں کو چھوڑتے تھے پس جب وہ داہنی طرف کو جاتے تو اس کو متبرک جانتے اور اگر بائیں طرف جاتے تو اسے منحوس گردانتے۔

”طیرہ“ کو پہنچانے کا عمومی قاعدہ:

امام نووی مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس پر اعتقاد رکھنا شرک ہے اس کا قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کا ضرر نہ واقع ہوتا ہو اور نہ عادۃً اس کے موافق آتا ہو نہ بالخصوص نہ بالعموم تو وہ کام ممنوع ہے۔اس کو طیرہ کہتے ہیں اور ہر وہ چیز جو بالعموم نقصان پہنچائے مگر اس کی خاصیت نہ ہو اور یہ کبھی کبھی ہو متواتر نہ ہو مثلاً وبا وغیرہ تو اس میں نہ جائے اور نہ وہاں سے باہر نکلے اور ہر وہ چیز جو خاص ہو مگر عام نہ ہو۔ جیسے مکان اور گھوڑا اور عورت تو اس سے بچنا مباح ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ فال:

نہایہ میں ہے کہ فال ہمزہ کے ساتھ ہر نیک و بد میں مستعمل ہے اور طیرہ اکثر برائی میں۔ مگر نادر طور پر نیک میں مستعمل ہے اور لوگ بطور تخفیف ہمزہ کو ترک کر دیا کرتے ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فال کو اس لئے پسند فرمایا ہے کہ لوگ جب کسی سبب ضعیف یا سبب قوی سے کسی فائدے کی امید اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں اور اس کے انجام کی بھلائی کے امیدوار ہوتے ہیں تو وہ لوگ خیر پر ہیں۔ اگرچہ امید کی جہت میں غلطی کر جائیں۔ کیونکہ امید رکھنا ان کے حق میں مفید ہے۔ لیکن جب وہ اپنی امید کو اور اپنی خواہشوں کو اللہ تعالیٰ سے قطع کر لیں تو یہ صفت مذموم ہے۔ مگر طیرہ! تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بدظنی اور بلاء کی توقع ہوتی ہے تو یہ توقع عقلمندوں کے نزدیک مذموم اور شریعت مطہرہ میں ممنوع ہے اور تفاؤل! یہ ہے کہ بیمار آدمی یا گم شدہ شے کا متلاشی کسی دوسرے سے سن پاوے کہ اے تندرست یا اے پانے والے تو اپنے تندرست ہونے یا پانے کا گمان کرے۔ میں کہتا ہوں کہ حدیث شریف میں کلمہ طیبہ کے یہی معنی ہیں۔

طیرہ اور فال میں فرق:

نہایہ میں ہے کہ طیرہ بمعنی جنس (عام) اور فال بمعنی نوع (خاص) وارد ہے اسی باب میں یہ ہے کہ طیرہ سے فال زیادہ سچی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے کہ یہ مشاکلت کی جہت سے ہو۔ کیونکہ طیرہ کے یقیناً لغوی معنی منحوس سمجھنا ہے۔ لیکن فال کا عام ہونا مسلم ہے۔ قاموس میں ہے کہ طیرہ وہ ہے جو بری فال لے کر منحوس سمجھیں۔ اب جبکہ تم نے تطیر اور تفاؤل کے معنی جان لئے تو ہم ان حدیثوں کو بیان کرتے ہیں جو اس باب میں مروی ہیں۔ تو جاننا چاہئے کہ بعض حدیثوں میں عدویٰ اور طیرہ کا ذکر یکجا وارد ہے۔ لہٰذا ہم ان میں سے جو حدیث کسی ایک جگہ ذکر کر دیں گے۔ اس کو ہم دوسری جگہ نہیں بیان کریں گے۔ یہی حال

ان حدیثوں کا ہے جو ہم نے صفر میں بیان کردی ہیں۔ البتہ ہم کسی غرض وسبب سے جو سلسلہ کلام میں لاحق ہو جائے تو دوبارہ ذکر کردیں گے۔ اب ان حدیثوں کا بیان شروع ہے۔ جو جامع الاصول میں مروی ہیں۔

جامع الاصول کی حدیثیں:

حضرت بریدہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز سے تطیر (بدشگونی) نہیں کرتے تھے۔ دراں حالیکہ آپ جب کسی عامل کو روانہ فرماتے تو اس کا نام دریافت کرتے اگر وہ نام اچھا ہوتا تو خوش ہوتے اور آپ کے چہرہ انور سے اس خوشی کا اظہار ہوتا اور اگر اس کا نام مکروہ (ناپسند) ہوتا تو آپ کے چہرہ انور سے ناپسندی کے آثار ہویدا ہو جاتے اور جب آپ کسی گاؤں میں تشریف لے جاتے تو اس کا نام دریافت فرماتے پس اگر اچھا ہوا تو چہرہ انور سے خوشی کا اظہار ہوتا اور اگر مکروہ وناپسند ہوا تو آپ کے بشرہ سے ناگواری معلوم ہوتی۔ اس کو ابوداؤد نے بیان کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کام کے لئے باہر نکلتے تو اس کو پسند فرماتے کہ یہ سنیں کوئی یاراشد یعنی نیک رو اور یا نجیح اے پانے والے کہے۔ ترمذی نے اس کی تخریج کی۔

ناپسندیدہ چیز کو دیکھ کر کیا کہنا چاہئے؟:

عروہ بن عامر قرشی سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے طیرہ کا ذکر آ گیا تو فرمایا اس میں جو بہتر ہے وہ فال ہے مسلمان کو چاہئے کہ کوئی تردد نہ کرے پس اگر کوئی تم سے ناپسند کو دیکھے تو اسے یہ کہنا چاہئے کہ اے خدا تیرے سوا کوئی بھلائی کو نہیں لاتا اور تیرے سوا کوئی برائی کو دور نہیں کرتا۔ تیرے سوا کسی میں کوئی قوت طاقت نہیں ہے ابوداؤد نے اس کی تخریج کی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طیرہ شرک ہے طیرہ شرک ہے اور کوئی ہم میں ایسا نہیں جو طیرہ سے خالی ہو مگر اللہ تعالیٰ توکل کی برکت سے اسے دور فرما دیتا ہے ابوداؤد نے اسے بیان کیا۔

ترمذی کی ایک روایت میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طیرہ شرک ہے اور کوئی ہم میں ایسا نہیں جو طیرہ سے خالی ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ توکل کی برکت سے دور کر دیتا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسمٰعیل سے سنا وہ کہتے تھے کہ سلیمان بن حرب اس حدیث کے بارے فرماتے تھے کہ میرے خیال میں **وما منا لكن الله يذهبه بالتوكل** حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہ عدویٰ ہے نہ طیرہ۔ (یعنی نہ کوئی مرض متعدی ہے اور نہ بدشگونی و منحوس سمجھنا ہے) اور مجھے تو فال پسند ہے۔ صحابہ نے عرض کیا فال کیا چیز ہے فرمایا وہ نیک کلمہ ہے۔ بخاری و مسلم نے اس کی تخریج کی اور بخاری میں اس کی مثل ہے کہ فرمایا مجھے نیک فال، اچھا کلمہ پسند ہے اور مسلم میں اسی کی مثل ہے کہ فرمایا کہ نیک کلمہ پسند ہے اور ابوداؤد کی ایک روایت بخاری کی طرح ہے اور ترمذی نے پہلی روایت کو نقل کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ عدویٰ ہے نہ طیرہ۔ البتہ نحوست تین چیزوں میں ہے گھوڑے، عورت اور مکان میں۔ ایک روایت میں راوی کا قول ہے کہ شوم یعنی نحوست کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ نے کیا۔ آپ نے فرمایا اگر نحوست ہو سکتی ہے تو مکان، عورت اور گھوڑے میں۔ بخاری و مسلم نے اس کی تخریج کی۔

منحوس چیزوں کا بیان:

اور مسلم میں یوں ہے کہ عورت، گھوڑے اور مسکن میں ہے۔ صاحب مؤطا اور ابوداؤد ترمذی و نسائی نے پہلی روایت کی تخریج کی اور عدویٰ اور طیرہ کا ذکر نہیں کیا۔

سہل بن سعد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کہیں نحوست ہوسکتی ہے تو صرف گھوڑے، عورت اور مسکن میں ہوسکتی ہے۔ بخاری ومسلم نے اس کی تخریج کی اور مئوطا نے اس کی مثل بیان کیا اور وہ اپنی حدیث میں کہتے ہیں کہ گھر، خادم اور گھوڑے میں ہے۔ اس کو مسلم اور نسائی نے بیان کیا۔

حکیم ابن معاویہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ نحوست نہیں ہے اور کبھی گھر، عورت اور گھوڑے میں برکت ہوتی ہے۔ ترمذی نے اس کی تخریج کی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ طیرہ نہیں ہے اس کا بہتر جزو فال ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فال کیا ہے؟ فرمایا وہ نیک کلمہ جسے کوئی تم سے سن لے۔ بخاری ومسلم نے اس کی تخریج کی۔

حضرت سعد بن مالک اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ عیافہ یعنی جانوروں سے فال لینا اور طیرہ اور طرق بت پرستی ہے۔ اسے ابوداؤد نے بیان کیا اور کہا کہ طرق پرندہ کا اڑانا اور عیافہ لکیر کھینچنا ہے اور اپنی شرح میں کہا کہ عیافہ پرندوں کا اڑانا اور اس سے شگون لینا ہے۔ جیسے عرب کیا کرتے تھے کہ وہ پرندوں کو اڑا کر شگون لیتے تھے اور طرق کنکریاں مارنا ہے اور کہا گیا ہے کہ ریت میں لکیریں کھینچنا ہے۔ جیسے نجومی دل کی باتیں وغیرہ بتانے کے لئے کیا کرتے ہیں اور جبت (بت پرستی) ہر وہ چیز ہے جس کی خدا کے سوا پرستش کی جائے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ جبت کاہن اور شیطان کو کہتے ہیں۔ طیبی کا قول ہے کہ عیافہ پرندوں کا اڑانا اور ان کے ناموں، بولیوں اور گزرگاہوں سے شگون لینا ہے اور عرب کی سفروں میں یہ عادت بہت تھی۔ وہ بولا کرتے تھے کہ **عاف يعيف عيفاً** جب پرندوں کو

اڑائے اور اندازہ (اٹکل) اور گمان لگائے اور طرق وہ کنکریاں مارنا ہے جس طرح عورتیں کرتی ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ریت میں لکیر کھینچتا ہے اور جبت جادو اور کہانت کو کہتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ کے سوا پوجی جائے اور ایک قول جادو کا بھی ہے اور حضور کا فرمان یہ جبت سے ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ جبت کا عمل ہے اور کہتے ہیں کہ یہ لفظ عربی کا نہیں ہے۔

اور حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ یہ لفظ حبشی ہے اور قطرب نے کہا جبت وہ ہے جس میں کچھ بھلائی نہ ہو۔

مکان کے منحوس ہونے کے متعلق احادیث مبارکہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرد نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پہلے ایک گھر میں رہتے تھے جہاں ہماری بہت گنتی تھی اور ہمارے پاس مال بہت تھا پھر ہم نے دوسرا گھر بدل لیا تو اس میں ہماری گنتی بھی کم ہوگئی اور ہمارا مال بھی کم ہوگیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو چھوڑ دو۔ یہ برا ہے اسے ابوداؤد نے بیان کیا۔

حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت آئی اس نے عرض کیا کہ ہمارا ایک گھر تھا جہاں ہماری تعداد بہت تھی اور بکثرت مال تھا پھر ہم نے اسے بدل دیا تو تعداد بھی کم ہوگئی اور مال بھی کم ہوگیا تو آپ نے فرمایا چھوڑ دو یہ برا ہے۔ موطا نے اس کی تخریج کی۔

جامع کبیر کی حدیثیں:

طیرہ (شگون) تقدیر کے ساتھ ہے اس کو حاکم نے مستدرک میں بیان کیا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ طیرہ شرک ہے۔ ترمذی احمد اور بخاری

نے ادب میں اور ابن ماجہ اور حاکم نے متدرک میں روایت کی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کہا کرتے تھے کہ شگون (طیرہ) صرف عورت، جانور اور مکان میں ہے۔ اس کو حاکم نے متدرک میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

نحوست تین میں ہے عورت، مکان اور جانور میں اس کو ترمذی اور نسائی نے ابن عمر سے روایت کیا۔

اگر نحوست کسی چیز میں ہوتی تو مکان، عورت اور گھوڑے میں ہوتی۔ اسے احمد اور بخاری نے سہل بن سعد سے اور بیہقی نے ابن عمر سے اور نسائی نے جابر سے روایت کیا۔

انسان میں تین صفات ہیں۔ شگون لینا اور بدگمانی کرنا اور حسد کرنا پس طیرہ سے یوں رہائی ہے کہ اس کی طرف رجوع نہ کرے اور بدگمانی سے اس طرح کہ تحقیق کے در پے نہ ہو اور حسد سے یوں کہ وہ ظلم نہ کرے۔ اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے اور ابن صیصری نے امالی اور دیلمی نے مسند الفردوس میں ان لفظوں سے روایت کی کہ مومن میں تین خصلتیں ہوتی ہیں۔ آخر حدیث تک۔

وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جس نے شگون لیا اور نہ وہ جس کے واسطے شگون لے اور نہ وہ جو کہانت کرے یا جس کے واسطے کہانت کی گئی اور وہ جو جادو کرے یا جس کے لئے جادو کرائے۔ اسے عمران بن حصین سے طبرانی نے کبیر میں روایت کیا۔

جو شخص شگون لے کر اپنے کام سے باز رہا بلاشبہ اس نے شرک کیا۔ امام احمد و طبرانی نے حضرت ابو عمرو سے روایت کی۔ طیرہ (شگون لینا) شرک ہے۔ طیرہ شرک ہے۔ طیرہ شرک ہے۔ جو شخص سفر کے ارادے سے نکلے پھر وہ شگون لے کر باز رہا بیشک اس نے کفر کیا اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اس کا عمل سے انکار کیا۔ کوئی نحوست نہیں ہے اگر ہوتی تو گھوڑے، عورت اور مکان میں ہوتی۔ جو شخص اپنے کام سے شگون لے کر باز رہا بلاشبہ اس

نے شرک کیا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا کفارہ کیا ہے فرمایا یہ پڑھے کوئی طیر نہیں سوائے تیرے طیر کے اور کوئی بھلائی نہیں۔ سوائے تیری بھلائی کے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ فال فرستادہ ہے اور چھینک عادل گواہ۔ کوئی بدشگون (طیر) نہیں ہے۔ کبھی مکان، گھوڑے اور عورت میں برکت ہوتی ہے اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے حکیم بن معاویہ سے بیان کیا۔

اے حاضر ہونے والے ہم تجھ سے تیرے منہ سے فال لیتے ہیں۔ ہام میں کچھ نہیں اور نظر سچی ہے۔ بہتر شگون فال ہے۔ اسے امام احمد و ترمذی نے حضرت جابر نے روایت کیا۔ کوئی طیرہ نہیں اس میں بہتر فال ہے۔ جو نیک کلمہ ہے اسے تم میں سے کوئی سنے۔ اسے امام احمد و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ نہ عدویٰ ہے اور نہ طیرہ۔ مجھے فال پسند ہے اسے دارقطنی نے متفق علیہ میں روایت کیا۔

حضرت ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے عرض کیا تمہاری کیا رائے ہے کہ اپنی لونڈی کی طرف سے میرے دل میں کچھ کھٹک ہے کیونکہ لوگوں سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کچھ نحوست ہوتی ہے تو مکان، گھوڑے اور عورت میں ہوتی ہے تو انہوں نے اس بات سے انکار کیا کہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو اور سختی سے انکار کیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے اس بات سے انکار کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ کسی چیز میں نحوست ہے اور فرمایا۔ جب اس کی طرف سے تمہارے دل میں کھٹک ہے تو اسے جدا کر دو یعنی اسے فروخت کر دو یا آزاد کر دو۔ اسے ابن جریر نے بیان کیا۔

قتادہ نے ابو حسان سے روایت کی کہ دو آدمی ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آئے انہوں نے بیان کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نحوست عورت، گھوڑے اور مکان میں ہوتی ہے۔ اس پر

ام المومنین بہت غصہ ہوئیں اور کہا یہ نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ انہیں زمانہ جاہلیت کے لوگ منحوس سمجھتے تھے۔ابن جریر نے اسے بیان کیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت آئی۔اس نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم ایسے گھر میں رہتے ہیں کہ (اس سے پہلے) بکثرت مال ہمارے پاس تھا۔پھر محتاج ہو گئے اور ہم میں برائی آ گئی اور ہم جدا جدا ہو گئے آپ نے فرمایا فروخت کردو یا چھوڑ دو وہ برا ہے۔ابن جریر نے اسے بیان کیا۔

جاننا چاہئے کہ اس باب میں بکثرت حدیثیں وارد ہیں لیکن جس قدر ہم نے ذکر کردی ہیں یہی بہت ہیں اور بعض حدیثوں سے طیرہ کے تاثیر کی نفی اور مطلقا اس کے اعتقاد کی ممانعت سمجھی جاتی ہے اور بعض حدیثوں سے اس کے موثر ہونے کا ثبوت یقینی معلوم ہوتا ہے۔جیسے عورت، مکان اور جانور میں۔یا تو یہ تاثیر ان میں فی الحال موجود ہوگی یا یہ جاہلیت کے زمانہ کی باتیں ہیں۔یہ تو نفی اور نہی (ممانعت) کے معنوں میں ہے یا شرطیہ الفاظ سے وارد ہیں جیسے اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو ان چیزوں میں ہوتی۔اس کے معنی اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے۔حالانکہ نحوست کسی چیز میں نہیں ہے۔اگر اس کا ثابت ہونا فرض کرلیا جائے۔تو صرف یہ چیزیں ہیں جہاں گمان اور مقام مانا جاسکتا ہے اور یہی مناسب بھی ہے اس لئے کہ یہ معنی اس حدیث کی بناپر ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت کرتی تو یقیناً نظر سبقت کرتی۔اس مقام پر قاضی نے بحث کرتے ہوئے کہا کہ وجہ یہ ہے کہ لاطیرۃ کے بعد شرطیہ کو لانا دلالت کرتا ہے کہ نحوست ان میں بھی نہیں ہے۔مطلب یہ ہے کہ اگر نحوست کا کہیں وجود ہوتا تو ان چیزوں میں ہوتا کیونکہ یہ چیزیں زیادہ اثر قبول کرنے والی ہیں۔لیکن نحوست کا وجود ان میں بھی نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ اصلاً کسی چیز میں نحوست نہیں ہے انتہی۔

ام المومنین حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس باب میں صراحت کے ساتھ نحوست کی ممانعت وارد ہے۔ لہٰذا ان دونوں روایتوں میں مطابقت اس طرح ہوسکتی ہے کہ بالذات تاثیر ماننے کی ممانعت ہے اور ہر چیز میں حقیقی مؤثر صرف اللہ تعالیٰ ہے اور تمام مخلوق اسی کی ہے اور اسی کی جانب سے تقدیر ہے اور ان چیزوں میں نحوست کا ثابت ہونا یہ اللہ تعالیٰ سبحانہ کی مشیت ومرضی کے موافق ہے کہ ان میں وہ پیدا کردے اور ان کو ''اسباب عادیہ'' میں سے بنایا جیسے آگ۔ مثلاً کہ یہ جلانے کے لئے ہے۔ پس مخالفت بالذات تاثیر کی طرف راجع ہے اور اثبات امور عادیہ کی طرف اور ان اشیاء کی خصوصیت کی حکمت علم شارع کی طرف حوالہ ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ عورت میں نحوست یہ ہوتی ہے کہ اپنے شوہر کے لئے ناشرہ، بانجھ اور نافرمان ہو یا شوہر کی نظر میں ناپسند اور بدصورت ہو اور مکان میں نحوست یہ ہوتی ہے کہ وہ تنگ ہو اور اس کے ہمسائے برے ہوں یا آب وہوا خراب ہو اور گھوڑے میں نحوست یہ ہوتی ہے کہ وہ سرکش ہو یا اس کی قیمت بہت ہو۔ یا اس کی مصلحت کے ناموافق ہو۔ اسی طرح اور بھی کیفیتیں ہیں۔

دراصل اس سلسلہ میں اس کا استعمال ایک قسم کا مجاز ہے اور نحوست باعتبار ان ناپسندیدگی کے ہے جو ان چیزوں میں شریعت یا طبیعت کے مخالف ہو اس کی تائید شرح السنہ کی یہ روایت بھی کرتی ہے گویا کہ حضور یوں فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس ایسا مکان ہو جس میں اسے رہنا ناپسند ہو یا عورت ہو کہ اس کی ہم بستری سے ناخوش ہو یا گھوڑا ہو کہ وہ اسے ناپسند ہو تو چاہے کہ اسے جدا کردے اس طرح پر کہ مکان سے منتقل ہو جائے۔ بیوی کو طلاق دے دے اور گھوڑے کو فروخت کردے تاکہ اس کے دل کی کھٹک جو ناپسندیدگی کی وجہ سے ہے جاتی رہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے جواب میں فرمایا جس نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ ہم ایک ایسے مکان میں تھے جہاں ہماری تعداد بہت تھی آخر حدیث تک تو آپ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو برا ہے۔ پس ان کو حکم دیا

کہ اس سے منتقل ہوجاؤ تا کہ وہ کراہت دور ہوجائے جو پائی جاتی ہے۔ نہ یہ کہ اس میں نحوست ہے۔ ثابت ہوا کہ شوم اور تطیر کی ممانعت اپنے حال پر باقی ہے۔ واللہ اعلم۔

باب دوم عدویٰ کے بیان میں

ہم نے واضح حدیثیں عدویٰ کے عدم وجود اور اس کے قائل ہونے اور اعتقاد رکھنے کی ممانعت میں پہلے بیان کردی ہیں۔ صرف ایک اشکال (اعتراض) باقی رہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں کہ (**فرمن المجذوم کما تفرمن الاسد**) یعنی کوڑھی سے بھاگ جیسا کہ شیر سے بھاگتا ہے) عدوی کی نفی کے بعد اور اس فرمان میں کہ بیمار اونٹ، تندرست اونٹ میں نہ جائے اور ایک روایت میں ہے کہ (**لا یئورد ن ممرض علیٰ مصح**) ''بیماری والا تندرست کے پاس نہ جائے'' بعد اس فرمان کے کہ ''کسی کو کسی سے بیماری نہیں لگتی'' باوجود اس کا ردفرمانے کے جبکہ ایک اعرابی نے کہا تھا پھر یہ کیا ہے کہ اونٹ دوڑ جھپٹ کرتا ہے گویا کہ وہ ہرن ہے پس ایک خدشی اونٹ آکر سب کو خارش کر جاتا ہے آپ نے فرمایا کہ پہلے کو کہاں سے بیماری لگی؟ ایک روایت میں ہے کہ بدوی حضور کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے خارش اونٹ کے ہونٹ یا پٹھے میں ہوتی ہے پھر تمام اونٹوں میں پھیل جاتی ہے آپ نے فرمایا پہلے کو کہاں سے بیماری لگی؟ (**لا عدوی ولا هامته ولا صفر**) اللہ تعالیٰ نے ہر ایک جان کو پیدا فرمایا اسی نے اس کی زندگی مصیبت اور رزق مقرر فرمائے، بلاشبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان دونوں روایتوں کو بیان کرتے ہیں یعنی یہ کہ حضور کا فرمان **لا عدویٰ** اور یہ کہ **لا یئورد ممرض علی مصح**۔ اس کے بعد پھر **لاعدویٰ** کی روایت سے خاموش ہورہے ہیں اور **لا یئورد الیٰ** آخرہ کی روایت پر قائم رہے۔ پس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پہلی حدیث سے انکار کیا لوگوں نے کہا کیا آپ **لاعدویٰ** کی حدیث بیان

نہیں فرمایا کرتے تھے؟ تو پھر وہ ایسی بات فرمانے لگے جو نا قابل فہم تھی۔ ابوسلمہ کہتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ اس حدیث کے سوا کوئی اور حدیث بھولے ہوں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی حارث نے کہا کہ اے ابو ہریرہ میں تم سے اس حدیث کے ساتھ دوسری حدیث کو بھی روایت کرتے سنا کرتا تھا۔ اب آپ اس سے خاموش ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے لاعدویٰ پس حضرت ابو ہریرہؓ نے اس کے اقرار سے انکار کیا اور فرمایا **لایود دممرض علی مصح** تب انہوں نے جرح کی یہاں تک کہ وہ ناراض ہوکر نا قابل فہم باتیں کرنے لگے۔ ابوسلمہ نے کہا مجھے اپنی عمر کی قسم یقیناً حضرت ابو ہریرہؓ ہم سے بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاعدویٰ پس اب میں نہیں جانتا کس نے ان کو بھلا دیا یا کس نے دونوں قول میں سے کسی ایک کو منسوخ کر دیا۔

ایک اشکال کا جواب:

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی روایت سے انکار کیا تو اب یہ ثابت نہ ہوئی تو میں جواب میں کہوں گا کہ اس سلسلہ میں اصولی بحث گزر چکی ہے اور راوی کے انکار سے مطلقاً عدم ثبوت نہیں ہوتا اور اگر ہم تسلیم بھی کر لیں تب بھی لاعدویٰ کا ثبوت دوسری متعدد سندوں سے ثابت ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

پس اب تعارض عدویٰ کی نفی اور مجذوم سے فرار کے حکم کے درمیان اور یہ کہ عدویٰ کی نفی اور فرما لا یحل یا لایور دالیٰ آخرہ کے درمیان واقع ہو گیا لہٰذا اب ہم وہ ذکر کرتے ہیں جو علماء نے عدویٰ کی نفی اور مجذوم سے فرار کے حکم کی مطابقت میں بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں یہی مشہور ہے۔ اسی سے دوسری حدیث کی تطبیق کی وجہ بھی معلوم ہو جائے گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حدیث ''لاعدویٰ'' اور دیگر احادیث میں تطبیق:

اب ہم کہتے ہیں کہ کرمانی نے صحیح بخاری کی شرح میں فرمایا کہ لاعدویٰ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ بالطبع کسی کو کسی سے بیماری نہیں لگتی۔ لیکن جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قضا اور اجراء عادت سے ہوتا ہے۔ اسی لئے حضور نے بیمار اونٹ کو تندرست اونٹ کے پاس لے جانے کو منع فرمایا اور فرمایا کہ کوڑھی سے بھاگ۔ الیٰ آخرہ۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ فرار لاعدوی سے مستثنیٰ ہے۔

لاعدویٰ کی تاویل میں علماء کا اختلاف:

تورپشتی فرماتے ہیں کہ لاعدویٰ کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے بعض تو یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد عدویٰ کی نفی اور اس کا ابطال ہے جیسا کہ ظاہر حدیث اور عدویٰ پر قرائن اور سیاق کلام دلالت کرتا ہے۔ اکثر کا یہی مذہب ہے اور بعض کی یہ رائے ہے کہ عدویٰ کا ابطال مراد نہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوڑھی سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو اور فرمایا کہ بیمار تندرست پر نہ جائے۔ بلاشبہ اس سے اس چیز کی نفی مراد ہے جو طبیعت والے اعتقاد رکھتے تھے ان کا خیال یہ تھا کہ امراض متعدی اور یقینی مؤثر ہوتے ہیں۔ تو ان کو تنبیہ فرمادی کہ خبردار یہ بات نہیں ہے جیسا تم گمان کرتے ہو۔ بلکہ وہ مشیت الٰہی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اگر وہ چاہے تو ایسا ہو جائے اور وہ نہ چاہے تو کچھ نہ ہو۔ اس مفہوم پر یہ فرمان نبوی مشیر ہے کہ ''پہلے کو کہاں سے بیماری لگی''۔ یعنی اگر تمہارے خیال میں یہی بات ہے کہ بیماری کا متعدی ہونا مرض کی وجہ سے ہے اور کسی وجہ سے نہیں تو پہلے کو کہاں سے لگی۔ آپ نے یہ فرما کر واضح کر دیا کہ ''کوڑھی سے بھاگ'' اور یہ کہ ''بیمار تندرست پر نہ جائے''۔ کیونکہ ان سے ملنا جلنا علت کا سبب ہے پس بچنا چاہئے جس طرح ٹیڑھی دیوار اور شکستہ کشتی سے بچتے ہیں۔ پہلے گروہ نے دوسرے گروہ کے استدلال کو انہیں دونوں حدیثوں سے رد کیا

ہے کہ ان دونوں میں جو ممانعت ہے وہ تو دونوں باتوں میں کسی ایک کے اختیار کرنے والے پر شفقت کے لئے ہے کہ فی نفسہ اس کو علت لگ جائے، یا اونٹوں کو بیماری لگ جائے، تو وہ یہ اعتقاد کرنے لگے گا کہ عدویٰ حق ہے۔ کہا ہے کہ دوسرے قول والوں کی تاویل دونوں میں سے بہتر ہے۔ کیونکہ ان میں مروی حدیثوں کی مطابقت ہے۔ اب پہلے قول پر غور کیجئے تو یہ اصول طبیہ کو معطل کر دینے پر مقتضی ہے۔ حالانکہ شریعت طبی اصول کو بیکار و معطل کرنے کے لئے نہیں آئی بلکہ اس کی اثبات اور معتبر ہونے کے واسطے آئی ہے اس طور پر کہ اصول توحید کے خلاف نہ ہو اور جیسا ہم نے بیان کیا ہے اس کے ماننے پر کوئی خلاف نہیں ہوتا۔

لاعدویٰ میں نہی کا مفہوم:

رہا یہ استدلال کہ سیاق کلام کا قرینہ! بلاشبہ ہم ایسا پاتے ہیں کہ شارع علیہ السلام نہی کو حرام اور مکروہ اور وہ جو کسی ایک پہلو سے ممنوع ہو اور وہ جو متعدد اعتبار سے ممنوع ہو کے درمیان میں جمع کر دیتے ہیں ہمارے اس قول کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجذوم (کوڑھی) سے جو بیعت کرنے آیا تھا فرمایا ہم نے تیری بیعت قبول کر لی۔ بس اب جا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجذوم سے جس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے دست مبارک کے ساتھ ایک پیالے میں رکھا تھا فرمایا اللہ پر بھروسہ اور توکل کر کے کھا۔ ان دونوں حدیثوں کے درمیان مطابقت سوائے اس وجہ کے کوئی نہیں ہے کہ پہلی حدیث اتلاف کے اسباب سے بچنے کو ظاہر کرتی ہے اور دوسری حدیث مشارکت اسباب کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر توکل بتاتی ہے۔ تا کہ پہلی حدیث کے ساتھ اسباب سے تعرض ثابت ہو اور یہ سنت ہے اور دوسری حدیث سے اسباب کا ترک ثابت ہو کہ یہ ایک حالت ہے۔

بنو ثقیف کے ایک مجذوم کا واقعہ:

طیبی نے اس حدیث میں جو عمرو بن شرید سے مروی ہے کہا ہے کہ ثقیف کے وفد میں ایک

شخص مجذوم تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہلا بھیجا کہ ہم نے تیری بیعت قبول فرمالی اب چلے جاؤ۔ اس کو مسلم نے روایت کیا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے رخصت کا ارشاد ہے۔ اس شخص کے حق میں جسے توکل کا درجہ حاصل نہ ہوتا کہ وہ اسباب کی رعایت کیا کرے کیونکہ موجودات کی ہر شے میں خاصیت اور اثر ہے جس کو حکیم جل جلالہ نے اس میں ودیعت فرمایا ہے۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ جذام میں ایک قسم کی بو ہوتی ہے جو اس کے پاس زیادہ بیٹھے اور اس کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا، بیٹھنا زیادہ رکھے اسے بیمار کر دیتی ہے۔ باوجودیکہ متعدی امراض میں سے نہیں ہے بلکہ طبی معاملات میں سے ہے، جیسے کہ خراب چیز کھانے اور بدبودار چیز سونگھنے اور کسی ایسے مکان میں رہنے سے جس کی ہوا موافق نہ ہو ضرر پہنچ جاتا ہے۔ حالانکہ یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہیں اور وہ چیزیں کسی کو بذاتہ نقصان پہنچانے والی نہیں مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔

الشیخ ابن حجر عسقلانیؒ کی رائے:

حضرت شیخ انام حافظ ابن حجر عسقلانی نخبۃ الفکر کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں مطابقت کی وجہ یہ ہے کہ یہ امراض بالطبع متعدی نہیں ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے بیمار کے ساتھ میل جول کو تندرست کے لئے سبب گردانا ہے کہ اس کی بیماری اس حد تک تجاوز نہ کر جائے۔ پھر کبھی یہ مرض اپنے سبب سے تخلف بھی کر جاتا ہے۔ جیسے اور اسباب میں ہوتا ہے۔ اسی طرح ابن الصلاح نے دوسروں کی اتباع میں تطبیق کی ہے اور ان دونوں میں سب سے بہتر تطبیق یہ ہے کہ یوں کہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت عدویٰ میں اپنے عموم پر باقی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ ''کسی چیز کو کوئی چیز بیماری نہیں لگاتی'' صحیح ہے اور یہ بھی کہ ''پہلے کو بیمار کہاں سے لگی''۔ یعنی مطلب یہ کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں اس مرض کو دوسرے میں پیدا کیا جیسا کہ پہلے میں پیدا کیا تھا۔ اب رہا حکم مجذوم سے فرار کا، سو

یہ اسباب سے روکنے کے لئے ہے، تا کہ اگر اس شخص کو جو مجذوم سے میل جول رکھتا ہو اتفاق سے تقدیر الٰہی کی بنا پر ابتداء مرض لاحق ہو جائے نہ کہ عدویٰ کی وجہ سے جس کی ممانعت ہے تو وہ شخص یہ گمان کرنے لگے کہ اس سے میل جول کی وجہ سے یہ مرض ہو گیا پھر وہ عدویٰ پر اعتقاد کرنے لگے۔ یہ بات نقصان کا موجب ہے۔ اس لئے احتراز کا حکم فرمایا تا کہ مادہ ہی کٹ جائے۔ واللہ اعلم یہ شرح میں شیخ کا کلام ہے اور حاشیہ میں جو شیخ سے منقول ہے اس کے بارے میں کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مجذوم کے ساتھ کھانا، کھانا اس حیثیت پر دلالت کرتا ہے کہ آپ یقین رکھتے تھے کہ بغیر اذن الٰہی کے کچھ نہیں پہنچ سکتا اور حضور اس سے محفوظ تھے کہ اگر کوئی مکروہ بات پہنچے تو آپ ایسا گمان کریں۔ یہ حکم بھی ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے جو اپنے دل میں صادق یقین نہیں پاتے اور وہم کرتے ہیں کہ اگر ناگوار بات پیش آئی تو دل میں خدشہ آئے گا۔ یہ حکم اس پر مہربانی کے لئے ہے تا کہ شرک خفی کے دریا میں ڈوبنے سے محفوظ رہے۔ **جزاہ اللہ تعالیٰ عن امتہ خیر الجزاء**۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی امت کی طرف سے بہترین صلہ عطا فرمائے اور آپ کو وسیلہ، فضیلہ اور لواء حمد مرحمت فرمائے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ شیخ کی تقریر ہے۔ چونکہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج کر بحث ختم کی ہے۔ لہٰذا ہم نے بھی درود پر اپنے کلام کو ختم کر دیا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وحزبہ وسلم**۔

ماہ ربیع الاول!

سب سے زیادہ بہتر اور احق بات یہ ہے کہ جو کچھ اس ماہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور وفات! اور ان کے متعلق جو احکام ہیں ان کو پہلے بیان کیا جائے اور ہم اس مہینہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خواب میں رویت وزیارت پر ختم کریں گے پس اس کے دو باب ہیں۔

پہلا باب ولادت کے بیان میں!

واضح ہو کہ اے محب صادق اللہ تعالیٰ نور یقین سے تمہاری تائید کرے اور تمہارے دل کو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے منور کرے جب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے حمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اس حمل مبارک کی برکت سے عجیب حالات ظاہر ہوئے اور نادر واقعات رونما ہوئے۔ جو سیر کی کتابوں میں مذکور اور حدیثوں میں وارد ہیں۔ ہم نے ان میں سے صرف ان پر اقتصار کیا ہے جن سے اصل حال معلوم ہو سکے اور حدیثوں میں سے ہم وہی بیان کریں گے۔ جو حدیث کی کتابوں میں معروف سندوں سے صحیح ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے توفیق ہے۔

تو بہار بن کے اترا مرے خزاں رسیدہ چمن میں:

مروی ہے کہ قریش سخت کال اور بڑی تنگی میں تھے جب حضور حمل میں تشریف لائے تو زمین سرسبز ہوگئی اور درخت بارآور ہوگئے اور ان کو ہر طرف سے یافت ہونے لگی۔ تو اس سن کا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حمل میں تشریف لائے کشادگی اور مسرت کا سال نام رکھا اور ابن اسحٰق کی حدیث میں ہے کہ حضرت آمنہ فرمایا کرتیں جب حضور حمل میں تشریف

لائے تو میں نیند اور بیداری کی حالت میں تھی کسی آنے والے نے ان سے کہا اے آمنہ بیشک تم اس امت کے سردار کی حاملہ ہو۔ حالانکہ مجھے خبر بھی نہ تھی کہ میں حاملہ ہوں اور نہ کوئی گرانی پاتی اور نہ ویسی رغبت جو حاملہ عورتوں کو ہوتی ہے۔ البتہ حیض بند ہونے کا تعجب کرتی تھی۔ بعض حدیثوں میں مرفوعاً مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری والدہ ماجدہ کو میرا حمل سب عورتوں سے زیادہ ثقیل تھا اور اپنی سہیلیوں سے اس ثقل کا شکوہ کرنا شروع کیا تو میری والدہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ جوان کے بطن میں ہے وہ نور ہے۔ آخر حدیث تک اور اسی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کو اپنے حمل میں ثقل معلوم ہوا اور تمام حدیثوں میں ہے کہ ان کو ثقل معلوم ہی نہیں ہوا۔ حافظ ابو نعیم نے ان دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ابتدائے علوق میں تو ثقل تھا اور حمل کے بقیہ دنوں میں خفت (ہلکا پن) تھا اور یہ دونوں حالتیں معروف عادت کے خلاف تھیں۔

ابوذکریا یحییٰ بن عائذ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے بطن میں کامل نو مہینے رہے۔ نہ تو ان کو درد، مروڑ اور ریح کی شکایت ہوئی اور نہ ان عوارضات کی جو حاملہ عورتوں کو ہوتی ہے اور یہ فرمایا کرتیں میں نے کوئی حمل نہ تو اس سے زیادہ ہلکا دیکھا اور نہ اس سے زیادہ عظیم برکت والا۔

حضرت عبداللہ کی تاریخ وفات میں تحقیق:

جب ان کے حمل کو دو مہینے گزر گئے تو آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ انکی وفات جب ہوئی جب کہ آپ مہد (جھولے) میں تھے۔ غالب اور مشہور پہلی ہی روایت ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات مدینہ منورہ سے واپس ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ کے راستہ میں ہوئی اور مقام ابواء میں دفن ہوئے۔

دوران حمل حضرت آمنہؓ کو حاصل ہونے والی بشارتیں:

ابن نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ حضرت آمنہ فرمایا کرتیں تھیں کہ کسی آنے والے نے آکر خواب میں اس وقت مجھ سے کہا جب حمل کو چھ ماہ گزر چکے تھے کہ اے آمنہ تم کو خیر العالمین کا حمل ہے۔ جب تم وضع حمل کرو تو ان کا نام محمد رکھنا اور اپنا حال پوشیدہ رکھنا فرماتی ہیں کہ جب میری وہ حالت ہوئی جو عورتوں کو ہوتی ہے اور انہوں نے وہ عجیب وغریب باتیں بیان کیں جو انہوں نے دیکھی تھیں۔ مثلاً ان پرندوں کا دیکھنا جن کی چونچیں زمرد کی اور بازو یاقوت کے تھے اور ان مردوں اور عورتوں کو ہوا میں دیکھا جن کے ہاتھوں میں چاندی کی چھاگل تھی (فرماتی ہیں) اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں سے پردے اٹھا دیئے تو میں نے مشارق ارض اور مغارب زمین کو دیکھ لیا اور تین جھنڈے گڑے ہوئے دیکھے ایک جھنڈا مشرق میں، اور ایک جھنڈا مغرب میں اور ایک جھنڈا کعبہ کی چھت پر۔ اس وقت مجھے درد زہ ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو میں نے آپ کی طرف نظر کی تو آپ کو سجدہ میں دیکھا۔ دراں حالیکہ آپ اپنی انگلیاں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے جس طرح کوئی عاجز زار زار روتا ہے۔ پھر میں نے ایک سفید ابر دیکھا کہ آسمان کی طرف سے آیا یہاں تک کہ اس نے آپ کو ڈھانک لیا اور آپ مجھ سے غائب ہو گئے اور اس وقت ایک منادی سے سنا کہ وہ پکارتا تھا آپ کو زمین کے مشارق ومغارب کی سیر کراؤ اور آپ کو سمندروں میں لے جاؤ تاکہ وہ آپ کے اسم مبارک، آپ کی نعت وصفت اور آپ کی صورت کو پہچانیں اور جان لیں کہ آپ کا اسم مبارک ماحی ہے۔ اب شرک میں سے کچھ باقی نہیں رہے گا، مگر آپ کے زمانہ میں محو ہو جائے گا۔ پھر سرعت کے ساتھ وہ ابر آپ سے ہٹ گیا۔

محمد بن سعد ایک جماعت کی حدیث میں سے جن میں عطاء اور ابن عباس رضی اللہ عنہم

ہیں روایت کرتے ہیں کہ حضرت آمنہ بنت وہب فرماتی ہیں۔ جب آپ مجھ سے جدا ہوئے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو آپ کے ساتھ ایسا نور نکلا جس نے مشرق ومغرب کو روشن کر دیا۔ پھر اپنے ہاتھوں کا سہارا لے کر زمین پر آئے پھر ایک مٹھی مٹی اٹھائی اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا۔ طبرانی روایت کرتے ہیں کہ آپ جب زمین پر تشریف لائے تو انگلیاں بند کیے ہوئے، انگشت شہادت سے سبحان اللہ پڑھنے والے کی طرح اشارہ کرتے ہوئے تشریف لائے۔

امام احمد، بزار، طبرانی، حاکم اور بیہقی نے عرباض بن ساریہ سے تخریج کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کا بندہ نبیوں کا ختم کرنے والا تھا جب کہ حضرت آدم ابھی اپنے خمیر میں تھے اور بہت جلد تمہیں اس کی خبر دوں گا۔ یعنی اپنے والد حضرت ابراہیم کی دعوت اور حضرت عیسیٰ کی بشارت اور اپنی والدہ ماجدہ کا وہ خواب جو انہوں نے دیکھا اور اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی مائیں دیکھا کرتی ہیں۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے بوقت ولادت ایک ایسے نور کو دیکھا جس سے شام کے محل نظر آ گئے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن حبان اور حاکم نے صحیح بتایا ہے۔ اس کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں اور اسی کی طرف حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما نے اپنے شعر میں اشارہ کیا چنانچہ فرمایا (ترجمہ)

آپ جب تولد ہوئے تو زمین روشن ہو گئی اور آپ کے نور سے آسمان کے کنارے چمکنے لگے۔ پس ہم اسی روشنی اور نور میں ہدایت کا رستہ چلتے ہیں اور نور کے ساتھ شام کی خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ شام آپ کا دار ملک ہے۔

ملک شام کی فضیلت:

جیسا کہ کعب نے بیان کیا کہ کتب سابقہ میں ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی ولادت مکہ میں اور آپ کی ہجرت یثرب (مدینہ طیبہ) میں اور آپ کا ملک شام میں ہے۔ اسی وجہ سے شب معراج آپ کو شام کی طرف بیت المقدس تک لے جایا گیا۔ جیسا کہ آپ سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف ہجرت فرمائی تھی اور شام ہی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے اور وہی خطہ حشر ونشر کا مقام ہے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ شام کو لازم کرلو کیونکہ وہ اللہ کو اپنی زمین میں پسندیدہ ہے۔ اور اللہ کے برگزیدہ بندے اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

ولادت کے بارے میں ایک یہودی کی بشارت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے عجائبات میں سے یہ ہے جسے بیہقی اور ابونعیم نے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی مکہ مکرمہ میں تجارت کے واسطے رہتا تھا۔ جب وہ رات آئی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تولد ہوئے تو اس یہودی نے کہا اے گروہ یہود اس احمد کا ستارہ چمکا جو اس رات تولد ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک یہودی مکہ میں رہتا تھا پس جب وہ رات آئی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تولد ہوئے تو اس یہودی نے کہا جماعت قریش! کیا تم میں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا ہمیں خبر نہیں۔ یہودی نے کہا تلاش کرو۔ کیونکہ اس رات میں اس امت کا نبی جس کے دونوں کندھوں کے درمیان نشان ہے پیدا ہو گیا۔ چنانچہ قریش گئے اور دریافت کیا ان سے کسی نے کہا عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں فرزند ہوا ہے۔ پھر وہ یہودی ان کے ساتھ آپ کی والدہ کے پاس پہنچا انہوں نے آپ کی زیارت کرادی جس وقت یہودی نے وہ نشان دیکھا تو وہ غش کھا کر گر پڑا۔ اور کہا اے جماعت قریش! بنی اسرائیل سے نبوت نکل گئی۔ خدا کی قسم! اب تم کو بڑا ہی غلبہ حاصل ہوگا۔ اس کی خبر مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گی۔ اس کو یعقوب بن سفیان نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا۔ جیسا کہ فتح الباری میں مروی ہے۔

وقت ولادت پیش آمدہ واقعات:

آپ کی ولادت کے عجائبات میں سے یہ بھی مروی ہے کہ کسریٰ کے محل میں زلزلہ آیا اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے اور بحیرہ طبریہ خشک ہو گیا اور فارس کی وہ آگ جو ایک ہزار برس سے جل رہی تھی وہ بجھ گئی۔ اس کو بہت لوگوں نے روایت کیا ہے اور یہ مشہور ہے کہ چودہ کنگرے گرنے میں یہ اشارہ ہے کہ اس گنتی کے مطابق بادشاہ ہوں گے۔ چنانچہ چار سال کے عرصہ میں دس بادشاہ ہوئے اور بقیہ خلافت سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ تک بادشاہ ہوئے۔ یہ مواہب لدنیہ میں مذکور ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی ہے کہ آسمان کی حفاظت شہاب سے زیادہ ہونے لگی اور شیاطین کی کمین گاہیں قطع ہو گئیں اور ان کو چوری چھپے باتیں سننے کی ممانعت کر دی گئی اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختون اور ناف بریدہ پیدا ہوئے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حضرت ابن عمر کی حدیث میں ابن عساکر سے مروی ہے۔ اور طبرانی نے اوسط میں اور ابو نعیم، خطیب اور ابن عساکر نے متعدد سندوں کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے رب کی طرف سے میری بزرگی یہ ہے کہ میں مختون پیدا ہوا اور کسی نے میری شرم گاہ نہ دیکھی اس کی تصحیح مختار میں بھی ہے۔ حاکم نے مستدرک میں کہا متواتر حدیثوں میں ہے کہ آپ مختون پیدا ہوئے غالباً تواتر حدیث سے ان کی مراد کتب سیر میں بکثرت اور مشہور ہونا ہو نہ کہ ائمہ محدثین کی اصطلاح کے مطابق طریق سند مراد ہے۔ حالانکہ بعض نے اسے ضعیف بھی بتایا ہے اس کی تصریح ابن قیم نے کی ہے۔ پھر کہا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے لوگ مختون پیدا ہوتے ہیں۔ ابن درید کی وشاح میں ہے کہ ابن کلبی نے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مختون خلق فرمایا اور ان کے بعد بارہ نبی مختون پیدا ہوئے ان

میں سے آخری نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ایک قول ضعیف یہ ہے کہ آپکی ختنہ آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے ساتویں دن کی تھی اور اس تقریب میں ضیافت کر کے آپ کا اسم مبارک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبریل نے بوقت انشراح صدر آپ کی ختنہ کی۔ ذہبی فرماتے ہیں یہ قول منکر ہے۔

ایک شرعی مسئلہ کی تشریح وتوضیح:

واضح ہو کہ ختنہ یہ ہے کہ لڑکے کے آلہء تناسل کے سرے پر زائد کھال جو حشفہ پر ڈھکی ہوتی ہے کاٹ دیا جائے اور عورت کی وہ کھال جو شرم گاہ کے اوپر کے حصہ میں زائد ہو کاٹ دی جائے۔ مرد کی ختنہ کا نام اعذار (عین مہملہ اور ذال معجمہ اور راء مہملہ) ہے اور عورت کی ختنہ کا نام خفضہ (خاء معجمہ اور فاء ضاد معجمہ) ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ واجب ہے یا سنت۔ اکثر کا مذہب یہ ہے کہ یہ سنت ہے واجب نہیں ہے۔ یہی قول امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک اور کچھ اصحاب شافعی کا ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب اس کے وجوب کا ہے اور یہی مقتضی مالکیوں میں سے سحنوں کے قول کا ہے۔ اور یہ کہ امام شافعی مردوں میں ختنہ کے وجوب کے قائل ہیں۔ اور عورتوں میں سنت کے۔ اور جو اس کی سنت کے قائل ہیں انکی دلیل ابوملیح بن اسامہ کی حدیث ہے جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں کے لئے ختنہ سنت ہے اور عورتوں کے لئے فضیلت ہے۔ اسے امام احمد نے اپنی مسند میں اور بیہقی نے بیان کیا اور وجوب کے قائلین نے اس کا جواب دیا کہ اس حدیث میں سنت سے مراد واجب کا خلاف نہیں ہے بلکہ سنت سے مراد طریقہ ہے اور اس کے وجوب پر اس آیت سے دلیل لاتے ہیں کہ ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا۔ یعنی یکسو ہو کر دین ابراہیم کے فرمانبردار ہو جاؤ۔ اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں قدوم سے ختنہ کیا۔ اور ابوداؤد کی اس روایت سے دلیل لاتے ہیں کہ حضور کا ارشاد تھا کہ جو مرد اسلام لائے تو اپنے اوپر سے کفر کے نشان دور کردے اور ختنہ کرالے۔ قفال (شافعی) اس کے وجوب پر یہ دلیل لاتے ہیں کہ قلفہ (وہ کھال جو حشفہ کے اوپر ہو) اس کے باقی رکھنے سے نجاست اچھے طریقے سے صاف نہیں ہوتی اور یہ امر جو نماز کی صحت کے لئے مانع ہے۔ لہٰذا اس کا کاٹنا واجب ہے۔

ختنہ کرانے کے وقت میں علماء کا اختلاف:

ختنہ کرانے کے وقتوں میں علماء کا اختلاف ہے وجوب کے قائلین تو بعد بلوغ اس کے واجب ہونے کے وقت کے قائل ہیں اس لئے بلوغ محل وجوب ہے۔ اور بعض شوافع کہتے ہیں کہ بچہ کے ولی پر واجب ہے کہ بلوغ سے پہلے ختنہ کرائیں اور یہ ظاہر بات ہے کہ جو اس کے سنت ہونے کے قائل ہیں ان کے نزدیک قبل بلوغ اس کا وقت ہے اس لئے کہ شرم گاہ کی پردہ پوشی واجب ہے۔ لہٰذا سنت کے لئے وجوب کا ترک نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ولادت کے ماہ و سال کی تحقیق:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے سال میں اختلاف ہے اکثر علماء ''عام الفیل'' کہتے ہیں اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور بعض علماء اس کو متفق علیہ بتاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں جو اس کے خلاف قول ہے وہ وہم ہے۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ آپ عام الفیل کے پچاس دن بعد پیدا ہوئے اور یہی مذہب سہیلی اور ان کی جماعت کا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ عام الفیل کے پچپیں دن بعد پیدا ہوئے۔ اس کو دمیاطی نے آخرین میں بیان کیا اسی طرح ولادت کے مہینہ میں بھی اختلاف ہے۔ مشہور ربیع الاول ہی ہے یہی قول جمہور علماء کا ہے اور ابن جوزی نے اسے متفق علیہ نقل کیا ہے۔ اسی طرح مہینے میں سے کون

سے دن پیدا ہوئے۔ اس میں اختلاف ہے پس ایک قول یہ ہے کہ کوئی تاریخ معین نہیں صرف اتنا ہی ہے کہ ربیع الاول کے کسی پیر کے دن پیدا ہوئے۔ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ تاریخ معین ہے ایک قول یہ ہے کہ ربیع الاول کی دوسری تاریخ ہے اور ایک یہ کہ آٹھ تاریخ ہے۔ شیخ قطب الدین قسطلانی فرماتے ہیں کہ اکثر محدثین کے نزدیک یہی قول مختار ہے۔ حضرت ابن عباس وجبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ یہی قول اکثر ان لوگوں کے نزدیک مختار ہے جو اس حال کے جاننے والے ہیں اور اسی کو حمیدی اور ان کے شیخ ابن حزم نے اختیار کیا ہے اور اسی پر قضاعی نے عیون المعارف میں اہل سیر کا اجماع نقل کیا ہے اور ۔۔ی نے محمد بن جبیر ابن مطعم سے یہی روایت کی ہے۔ یہ محمد بن جبیر نسب کے اور ایام عرب کے حالات کے جاننے والے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ دسویں تاریخ اور یہ کہ بارہویں تاریخ ہے اور یہی مشہور ہے اسی پر اہل مکہ کا عمل ہے کہ اسی تاریخ کو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت کی زیارت کرتے ہیں۔ طیبی فرماتے ہیں کہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ بارہ ربیع الاول کو پیر کے دن پیدا ہوئے انتہی۔ طیبی کے اس اتفاق فرمانے پر ہمیں کلام ہے۔ جیسا کہ ہم نے ابھی اوپر بیان کیا اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ آپ کس وقت پیدا ہوئے۔ مگر مشہور اتنا ہی ہے کہ پیر کے دن پیدا ہوئے۔ قتادہ انصاری سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں دریافت کیا گیا فرمایا یہ وہ دن ہے جس میں میں پیدا ہوا اور اسی دن اظہار نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ اسے مسلم نے بیان کیا۔ یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ آپ دن میں پیدا ہوئے اور مسند میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ فرمایا آپ پیر کے دن پیدا ہوئے اور اسی دن نبوت کا اظہار فرمایا اور اس دن آپ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی اور پیر کے ہی دن حجر اسود اٹھایا۔ انتہی۔ اسی طرح مکہ کی فتح اور سورۂ مائدہ کا نزول پیر کے دن ہوا۔ بیشک یہ مروی ہے کہ آپ طلوع فجر کے وقت پیدا ہوئے۔

عیص نامی شامی راہب کا واقعہ:

عبداللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ مرالظہر ان میں عیص نامی شامی راہب تھا وہ کہتا تھا کہ اے مکہ والوتم میں ایک ایسا فرزند پیدا ہوگا جس کا دین سارا عرب قبول کرے گا اور وہ عجم کا مالک ہوگا۔ اس کی پیدائش کا یہی زمانہ ہے پس وہ راہب مکہ میں جب کوئی لڑکا پیدا ہوتا تو وہ اس کا حال دریافت کرتے۔ جب وہ صبح آئی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو حضرت عبدالمطلب عیص کے پاس پہنچے۔ آپ نے اسے بلایا پھر اس نے جھانکا اس وقت عیص نے آپ سے کہا تم اس فرزند کے مربی ہو جاؤ۔ یقیناً تم میں وہی فرزند پیدا ہوا ہے جس کی بابت تم سے کہا کرتا تھا کہ پیر کے دن پیدا ہوگا اور پیر ہی کے دن نبوت کا اظہار کرے گا اور پیر ہی کے دن وفات ہوگی۔ تب آپ نے کہا میرے یہاں آج شب کی صبح کو فرزند پیدا ہوا ہے۔ راہب نے کہا اے گھر والو! خدا کی قسم میری یہی خواہش تھی کہ یہ فرزند تمہارے یہاں پیدا ہو۔ تین خصلتیں ہیں جن کو میں جانتا ہوں کہ وہ انہیں خصلتوں پر پیدا ہوا ہے ایک یہ کہ اس کا ستارہ شب گزشتہ طلوع ہوا دوسرے یہ کہ وہ آج کے دن پیدا ہو تیسرے یہ کہ اس کا نام محمد ہو۔ اس روایت کو ابوجعفر بن ابی شیبہ نے بیان کیا اور ابونعیم دلائل میں اس سند کے ساتھ لائے ہیں۔ جس میں ضعف ہے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کی پیدائش طلوع فجر کے وقت ہے۔ غفر چھوٹے چھوٹے تین ستارے ہیں جو چاند کی منزل ہے نبیوں کی پیدائش کا یہی وقت ہے اور اس مہینہ کی بیسویں تاریخ تھی اور کسی نے کہا کہ رات کو پیدا ہوئے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ کی حدیث گزر چکی۔ شیخ بدرالدین زرکشی نے کہا کہ صحیح یہی بات ہے کہ آپ کی پیدائش دن میں ہوئی۔ لیکن وہ جو ستاروں کا گرنا مروی ہے تو اس کو ابن وحید نے ضعیف قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ تو رات کو ہوتا ہے۔ کہا کہ یہ وجہ بیان کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ نبوت کے زمانہ میں خوارق ہوا ہی کرتے ہیں۔ لہٰذا جائز ہے کہ ستارے دن میں

ٹوٹے ہوں۔ انتھی۔ بندۂ ضعیف کہتا ہے کہ ممکن ہے کہ رات کے وقت تو ستارے ٹوٹے ہوں اور اس کی صبح کے وقت آپ کی پیدائش ہوئی ہو اور ان کے اس قول کی نسبت کہ ''بوقت ولادت شہاب گرے''۔ اس کے بھی یہی معنی ہوں۔

شب ولادت کی فضیلت:

اگر ہم یہ کہیں کہ حضور (ﷺ) رات میں پیدا ہوئے تو بلا شبہ وہ رات لیلۃ القدر سے افضل ہے اس لئے کہ یہ رات تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی رات ہے اور لیلۃ القدر حضور کو عطا کی ہوئی ہے اور جو چیز کہ ذات شریف کے ظہور کے سبب سے مشرف ہو وہ اس چیز سے زیادہ مشرف ہوگی۔ جو ان کو عطا ہونے سے مشرف بنی ہو اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لیلۃ القدر تو اس لئے مشرف ہے کہ اس رات فرشتے اترتے ہیں اور پیدائش کی رات میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی شرافت ہے اور اس لئے بھی کہ لیلۃ القدر کی فضیلت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر ہے اور پیدائش کی رات کی فضیلت تو ساری کائنات پر ہے۔ کیونکہ آپ کی وہ ذات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سارے جہان کے لئے رحمت بنایا اور اسی ذات مقدسہ کے صدقہ میں ہی تو زمین و آسمان کی تمام مخلوقات پر اللہ کی نعمتیں عام ہیں۔

میلاد النبی (ﷺ) پر اظہار مسرت کا فیضان:

آپ کو ابولہب کی آزاد کردہ باندی ثویبہ نے دودھ پلایا اور ثویبہ اس وقت آزاد ہوئی تھی جب اس نے ابولہب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوش خبری سنائی۔ ابولہب کے مرنے کے بعد کسی نے اس کو خواب میں دیکھا اس سے پوچھا تیرا کیا حال ہے ابولہب نے کہا آگ (جہنم) میں ہوں مگر اتنا ہے کہ ہر پیر کی رات کو مجھ پر کچھ تخفیف ہو جاتی ہے اور دونوں انگلیوں سے کچھ پانی پی لیتا ہوں اور اپنی دونوں انگلیوں کی طرف اشارہ کیا جس کے اشارہ سے ثویبہ باندی کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوش خبری سنانے پر آزاد کیا

تھا۔ پھر اس نے حضور کو دودھ پلایا تھا۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ جبکہ اس ابولہب کافر کو جس کی مذمت قرآن میں آئی۔ اس خوشی کا یہ صلہ ملا جو اس نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر مسرت کا اظہار کیا تھا تو اس مسلمان کا کیا حال ہوگا۔ جو آپ کی امت میں ہو کر آپ کی پیدائش کی خوشی کرتے ہیں اور آپ کی محبت میں جتنا ہوسکتا ہے خرچ کرتے ہیں۔

محافل میلاد اور تعامل امت محمدیہ:

مجھے اپنی زندگی کی قسم یقیناً خدائے کریم کی طرف سے اس کی یہی جزا ہوگی کہ وہ اپنے عام فضل وکرم سے جنت کے باغوں میں داخل فرمائے گا اور ہمیشہ سے ہی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ولادت کے مہینہ میں محفلیں (میلاد) کرتے ہیں اور کھانے (شیرینی وغیرہ) پکا کر اس مہینہ کی راتوں میں طرح طرح کے تحفہ جات خوب تقسیم کرتے ہیں اور ان لوگوں پر اس عمل کی برکت سے ہر قسم کی برکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس محفل میلاد کے خصوصی مجربات میں سے یہ ہے کہ وہ سال بھر تک امان پاتے ہیں اور حاجت روائی اور مقصود برآری کی بڑی بشارت حاصل ہوتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس شخص پر بے پایاں رحمتیں نازل فرمائے جس نے میلاد مبارک کے دن کو عید بنایا تا کہ جس کے دل میں روگ اور عناد ہے۔ وہ اس میں اور سخت ہو۔ بیشک ابن الحاج نے مدخل میں اس پر بڑا ہی انکار کیا ہے۔ یہ جو لوگوں نے بدعتیں، خواہشیں اور میلاد شریف کے وقت حرام، مزامیر کے ساتھ گانا بجانا مقرر کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو نیک نیتی کا ثواب دے اور ہمیں سنت کی راہ پر چلائے۔ وہی ہمیں کافی اور کتنا اچھا مددگار۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) حلیمہ سعدیہ کے گھر میں حلیمہ سعدیہ بھی دودھ پلانے کی سعادت سے مشرف ہوئیں۔ چنانچہ طبرانی، بیہقی اور ابونعیم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب میں بنی سعد کے قافلہ کے ساتھ مکہ گئی۔ چونکہ اس خشک سالی کے زمانہ میں ہم دودھ پلانے کے لئے کسی بچہ کو تلاش کرتے تھے۔ پس میں اپنی گدھی پر سوار ہو

کر آتی تھی اور میرے ساتھ بچہ تھا اور ہمارے پاس ایک بڑی اونٹنی تھی۔ ہمارا حال یہ تھا کہ نہ تو میں اپنی چھاتی میں اتنا دودھ پاتی تھی کہ اس بچہ کو سیر کر سکوں اور نہ اس بڑی اونٹنی میں اتنا دودھ تھا کہ اس سے بچہ کو سیر کرا سکیں۔ پھر خدا کی قسم ہم میں سے کوئی عورت ایسی نہیں معلوم ہوتی کہ جس کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نہ کیا گیا ہو مگر ان سب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ تو یتیم ہے پھر خدا کی قسم میری ساتھیوں میں سے میرے سوا کوئی عورت باقی نہیں رہی سب ہی کو دودھ پلانے کے لئے بچے مل گئے۔ چار و نا چار جب مجھ کو ان کے سوا کوئی نہ ملا تو میں نے اپنے شوہر سے کہا۔ خدا کی قسم میں اس کو پسند نہیں کرتی کہ میں اپنی ساتھیوں کے ساتھ اس حال میں واپس جاؤں کہ میرے پاس کوئی رضیع (دودھ پینے والا بچہ) نہ ہو۔ اب میں اسی یتیم بچہ کے یہاں جاتی ہوں اور اسی کو لے لیتی ہوں۔

آفتاب نبوت کی روشن کرنیں:

چنانچہ میں گئی۔ جب میں نے دیکھا تو وہ دودھ سے زیادہ سفید کپڑے میں لپیٹے ہوئے تھے اور ان کے بدن سے مشک (کستوری) کی خوشبوئیں لپٹیں مار رہی تھیں اور ان کے نیچے سبز حریر کا بستر تھا۔ جس پر چت لیٹے ہوئے سو رہے تھے۔ میری محبت نے ان کا حسن و جمال دیکھ کر مناسب نہ جانا کہ ان کو بیدار کروں پس آہستہ ان کے پاس پہنچی اور دونوں ہاتھ ان کے سینہ پر رکھ دیئے (کہ اٹھاؤں) تو انہوں نے ہنستے ہوئے تبسم فرمایا اور اپنی دونوں آنکھیں کھول کر میری طرف نظر فرمائی اس وقت ان کی آنکھوں میں سے ایک نور نکلا یہاں تک کہ اس نے آسمان کے درمیانی فضا کو بھر دیا اور میں دیکھتی رہی۔

حلیمہ سعدیہ کے گھر کو سراپا برکت بنا دیا:

پھر میں نے ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور ان کو اپنا داہنا پستان پیش کیا۔ انہوں نے جتنا دودھ چاہا پیا۔ پھر میں نے بایاں پستان پیش کیا تو وہ نہ لیا۔ بعد کو بھی ان کا

یہی حال رہا۔ علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ علم دے دیا تھا کہ آپ کا دودھ شریک ہے تو اللہ نے عدل کا الہام فرمایا۔ حلیمہ فرماتی ہیں کہ وہ بھی سیر ہو گئے اور ان کا دودھ شریک بھائی بھی شکم شیر ہو گیا اس کے بعد میں نے ان کو لے لیا اور اپنی قیام گاہ پر لے آئی اور میرا شوہر اس اونٹنی کے پاس کھڑا ہوا ہے کیا دیکھتا ہے کہ وہ دودھ کے بوجھ سے دبی جا رہی ہے۔ تو اس نے اسے دوہا پھر خود بھی پیا اور مجھے بھی پلایا۔ یہاں تک کہ ہم سیر ہو گئے اور رات چین سے گزاری۔ حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب لوگ ایک دوسرے سے رخصت ہوئے تو میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ سے رخصت ہوئی۔ پھر اپنی گدھی پر سوار ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاتھوں میں تھے۔ فرماتی ہیں میں نے گدھی کو دیکھا کہ اس نے کعبہ کی طرف تین مرتبہ سجدہ کیا اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا پھر چلنے لگی۔ یہاں تک کہ لوگوں کی ان سواریوں سے جو آگے نکل گئی تھیں ان سے آگے بڑھ گئی اور ساتھ عورتیں تعجب سے کہتی تھیں اس کی بہت بڑی شان ہے۔ پھر ہم بنی سعد کے گھروں میں پہنچے اور میں نہیں جانتی تھی کہ اللہ کی کوئی زمین اس سے زیادہ خشک (قحط زدہ) ہو گی۔ مگر اب ہماری بکریاں جب سے کہ ہم حضور کو لائے صبح کے وقت دودھ سے پر ہوتی تھیں۔ سو ہم دودھ دوہتے اور ہم سب پیتے اور کوئی انسان دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں دوہتا تھا اور نہ تھنوں میں دودھ پاتے تھے۔ یہاں تک کہ میری قوم کے لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے تھے کہ جس جگہ بنت ابی ذویب کی بکریاں چرتی ہیں وہیں تم بھی چرایا کرو۔ مگر پھر بھی ان کی بکریاں صبح کو بھوکی ہوتیں اور ایک قطرہ دودھ نہیں دیتی تھیں حالانکہ میری بکریاں شکم سیر اور دودھ سے پر ہوتی تھیں۔ حضرت حلیمہ ہمیشہ اسی طرح خیر و برکت اور آپ کی برکت سے خوبیاں حاصل کرتی رہیں اور فائق رہیں۔ شعر (ترجمہ) حضرت حلیمہ ہاشمیوں میں جا کر اس بلند مرتبہ کو پہنچ گئیں جو عزت و بزرگی کے کنگرے سے برتر ہے ان کے مویشی بڑھ گئے اور ان کا گھر تر و تازہ ہو گیا۔ بیشک یہ سعد (حلیمہ سعدیہ) ہر بنی سعد سے بزرگ ہو گئیں۔

حضرت حلیمہ کا حضور کو لوریاں سنانا:

ابن جراح کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ محمد بن معلیٰ ازدی کی کتاب ترقیص میں حضرت دائی حلیمہ کے اس شعر میں دیکھا ہے۔ جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لوریاں دیا کرتی تھیں۔ شعر (ترجمہ) اے خدا جب آپ کو تو نے دیا ہے تو آپ کو باقی رکھ اور آپ کو بلند درجے پر پہنچا اور ترقی رحمت فرما اور آپ کی برکت سے باطل دشمنوں کو ذلیل کر دے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شیما نامی جب وہ آپ کو گود میں لیتیں اور کھلاتیں تو کہتیں (ترجمہ) یہ میرا وہ بھائی ہے جس کو نہ تو میری ماں نے جنا اور نہ میرے باپ اور چچا کی نسل سے ہے میں آپ پر اپنے ماموں اور چچا کو قربان کرتی ہوں۔ پس اے خدا تو ان کی نشو ونما کر۔ جیسا تو کیا کرتا ہے۔

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نورانی کھلونے:

بیہقی، صابونی، خطیب اور ابن عساکر وغیرہ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی نبوت کی نشانیوں نے مجھے آپ کے دین میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ میں نے آپ کو مہد (جھولے) میں دیکھا کہ آپ چاند سے باتیں کرتے اور جدھر آپ انگلی اٹھاتے چاند ادھر ہی اشاروں پر چلتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاند مجھ سے باتیں کرتا اور میں اس سے باتیں کرتا اور وہ مجھے رونے سے بہلایا کرتا تھا اور میں اس کے گرنے کی آواز سنتا کہ وہ عرش الٰہی کے نیچے سجدہ کرتا تھا۔ صابونی نے کہا کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور متن معجزات میں حسن ہے۔

(عربی میں) مناغاہ اور محادثہ اس کو کہتے ہیں جب محبت وشفقت کے ساتھ ماں اپنے بچہ کو باتیں وغیرہ کر کے بہلائے۔

بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی وہ کہتے ہیں کہ حضرت حلیمہ بتاتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جب میں نے دودھ چھڑایا تو سب سے پہلا کلمہ جو فرمایا یہ ہے کہ **اللہ اکبر کبیراً و الحمد للہ کثیرا و سبحان اللہ بکرۃ و اصیلا**۔ پھر جب آپ کی عمر شریف کچھ زیادہ ہوئی تو آپ باہر جانے لگے اور بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتے تو علیحدہ ہو جاتے (آخر حدیث تک) اور انہیں سے مروی ہے کہ حضرت حلیمہ آپ کو تنہا نہ چھوڑتی تھیں کہ کہیں ان کی غفلت میں آپ دور تشریف نہ لے جائیں۔

بادل سایہ کرنے لگے:

ایک دن آپ اپنی رضاعی بہن ''شیما'' نامی کے ساتھ دوپہر کے وقت مویشیوں کی طرف چلے گئے وہیں حلیمہ سعدیہ تلاش کرتی پہنچیں۔ یہاں تک کہ آپ کو اپنی رضاعی بہن کے ساتھ دیکھا انہوں نے کہا آپ اتنی گرمی میں باہر تشریف لے آئے تو آپ کی رضاعی بہن نے جواب دیا کہ اماں جان! میرے بھائی نے گرمی نہیں پائی کیونکہ میں نے دیکھا کہ ایک ابر کا ٹکڑا آپ پر سایہ کر رہا تھا جب آپ ٹھہرتے تو وہ بھی ٹھہر جاتا اور جب چلتے تو وہ چلتا یہاں تک کہ اس جگہ آ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نشو ونما (بڑھوتری) اتنی زیادہ تھی کہ دوسرے بچے اتنا نہیں بڑھتے تھے۔ حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب میں نے آپ کا دودھ چھڑایا تو میں آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس آپ کو لائی۔ حالانکہ میں اس کی بہت خواہش مند تھی کہ آپ ہمارے پاس مزید قیام فرمائیں چونکہ ہم نے آپ کی بڑی برکتیں دیکھی تھیں۔ چنانچہ ہم آپ کی والدہ ماجدہ سے برابر کہتے رہے کہ ہمیں مکہ کی وبا کا آپ پر اثر ہونے کا خوف ہے ہم برابر یہی کہتے رہے۔ مجبوراً انہوں نے پھر ہمارے ساتھ کر دیا۔

شق صدر کا واقعہ:

ہم آپ کو گھر لے کر واپس آ گئے خدا کی قسم! واپس آنے کے دو یا تین مہینہ بعد کا ذکر ہے

کہ آپ رضاعی بہن کے ساتھ ہمارے گھروں کے پیچھے مویشیوں میں تھے اچانک آپ کا رضاعی بھائی دوڑا آیا اور کہا کہ میرے اس قریشی بھائی کو دو مرد سفید پوش آئے اور آخر حدیث تک شق صدر کا واقعہ بیان کیا۔ چنانچہ ہم اس واقعہ سے خوف زدہ ہو کر کہ کہیں آپ کی والدہ کو اس کی خبر نہ ہو جائے آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کی طرف لے کر چلے اور ان سے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ آپ کی والدہ نے فرمایا کیا تم اس سے خوف زدہ ہو کہ ان پر شیطان کا اثر ہوا ہے۔ خدا کی قسم ہرگز نہیں شیطان آپ پر قابو پا سکتا ہی نہیں۔ یہ تو میرے فرزند کی نرالی شان ہے۔

شق صدر کا تفصیلی بیان:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارکہ کے شق صدر ہونے اور آپ کے قلب اطہر کے غسل کرانے کا واقعہ چار مرتبہ ہوا ہے۔ پہلی مرتبہ جب کہ آپ قبیلہ بنی سعد میں حضرت حلیمہ کے مویشیوں میں صغیر السن تھے اور دوسری مرتبہ جبکہ آپ دس سال کے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امر نبوت کی یہ میری ابتدا تھی اور اس وقت آپ جنگل میں تھے اور تیسری بار بعثت کے وقت پیش آیا جبکہ آپ نے نذر مانی تھی کہ حضرت خدیجہ کے ساتھ ایک مہینہ کا اعتکاف کریں گے۔ اتفاق سے وہ مہینہ رمضان کا تھا اور بعض کتابوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ غار حرا تشریف فرما تھے۔ ایک رات جب آپ باہر تشریف لائے تو سنا کہ کسی نے کہا السلام علیک فرماتے ہیں اس وقت میں نے گمان کیا کہ شاید یہ جن کی جھلک ہے۔ جلدی سے میں خدیجہ کے پاس آیا انہوں نے عرض کیا آپ کا کیا حال ہے۔ میں نے انہیں واقعہ سنایا تب انہوں نے کہا کہ مژدہ ہو کہ سلام تو اچھائی ہے۔ پھر جب میں دوسری مرتبہ باہر آیا تو دیکھا کہ سورج پر حضرت جبرئیل ہیں کہ ان کا ایک پر مشرق میں ہے اور دوسرا مغرب میں۔ آخر حدیث تک۔

چوتھی مرتبہ (شق صدر) شب معراج ہوا اور پانچویں مرتبہ کی بھی ایک روایت ہے۔ جو

ثابت نہیں ہے۔ ہم نے اس کی تحقیق میں ایک علیحدہ مستقل رسالہ لکھا ہے وللہ الحمد۔

اس باب میں مختلف سندوں کے ساتھ جو حدیثیں مروی ہیں ان میں ہے کہ آب زمزم سے اور سونے کے طشت میں غسل ہوا۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی آب زمزم جنت کے پانی سے زیادہ افضل اور پاکیزہ ہے۔ ورنہ جنت کے پانی سے ہی غسل دیا جاتا اور یہ سوال کیا گیا ہے کہ آپ کے قلب شریف کو جو طشت میں غسل دیا گیا ہے۔ کیا یہ آپ کے ساتھ خاص تھا یا آپ کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی ہوا تو جواب دیا گیا کہ تابوت اور سکینہ کی حدیث میں وارد ہے کہ تابوت میں ایک طشت تھا جس میں انبیاء علیہم السلام کے قلوب کو غسل دیا گیا تھا۔ طبرانی میں یہ مذکور ہے اور اس کو عماد بن کثیر نے اپنی تفسیر میں بروایت سدی جوابی مالک ہیں وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں اور ایسا ہی مواہب لدنیہ میں ہے۔

حضرت آمنہ کا وصال پر ملال:

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار سال کو پہنچے ایک روایت میں پانچ سال اور ایک روایت میں چھ، سات اور نو سال مروی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ بارہ سال ایک مہینہ دس دن کے تھے تو مقام ابواء میں آپ کی والدہ ماجدہ نے وفات پائی اور کہا گیا کہ حجون میں وفات پائی۔ قاموس میں ہے کہ دار نابغہ جو مکہ میں ہے وہاں حضرت آمنہ والدہ ماجدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں اور ابن سعد سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھ سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو لے کر ماموں وغیرہ قبیلہ بنی عدی بن تجار سے ملنے مدینہ طیبہ گئیں ان سے مل کر پھر مکہ مکرمہ واپس ہوئیں تو مقام ابواء میں ان کی وفات ہوگئی۔

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے والدین کریمین کے ایمان کا بیان:

مروی ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا بعد وفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔

طبرانی نے سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ حضور نے بڑے غم و اندوہ کے ساتھ مقام حجون پر جس قدر مشیت الٰہی تھی قیام فرمایا اس کے بعد خوشی کے ساتھ مراجعت فرمائی۔ فرمایا میں نے اپنے رب سے عرض کیا تو اس نے میری والدہ کو دوبارہ زندہ کیا اور وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ پھر فوت ہوگئیں اور ابو حفص بن شاہین نے اپنی کتاب ناسخ و منسوخ میں ایسا ہی بیان کیا۔

اسی طرح یہ بھی حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آپ کے والدین زندہ کئے گئے۔ پھر وہ آپ پر ایمان لائے۔ اس کو سہیلی نے اور ایسے ہی خطیب نے بیان کیا۔ سہیلی کہتے ہیں کہ اس روایت کی سند میں کچھ مجہول الحال راوی ہیں اور ابن کثیر نے کہا کہ یہ حدیث سخت منکر ہے اور کل سند مجہول ہے اور بعض علماء یہ یقین رکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین دونوں ناجی ہیں اور دوزخی نہیں ہیں اور آپ کے والدین شریفین کے سلسلہ میں کلام طویل ہے اور اس باب میں زیادہ احتیاط سکوت ہے اور حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی نے کیا خوب کہا ہے شعر (ترجمہ) اللہ نے نبی کو بہت فضیلت پر فضیلت مرحمت فرمائی کہ آپ کے والدین کو زندہ کیا تا کہ آپ پر ایمان لائیں۔ یہ خاص فضل ہے پس سلام عرض کرو کیونکہ ذات قدیم (اللہ تعالیٰ) اس پر قادر ہے۔ اگر چہ اس کی روایت ضعیف سند سے ہے۔ بلاشبہ بعض علماء نے آپ کے ایمان لانے کے استدلال میں طویل گفتگو کی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ان (علماء) کو ان کے اس نیک مقصد کا ثواب و جنت مرحمت فرمائے۔ خبردار! آپ کے والدین کریمین کی برائیاں بیان کرنے سے ڈرتے رہو بچتے رہو۔ کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا کا سبب ہے۔ اس لئے یہ بات عرف میں جاری ہے کہ جب کسی کے والدین کی تنقیص کی جاتی ہے یا کسی عیب کو بیان کیا جاتا ہے تو اس گفتگو سے اس کے بیٹے کو ایذا ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زندوں کو ایذا نہ دو ان کے مردوں کو برا کہہ کر۔ علامہ سیوطی نے اس باب میں کئی رسالے تحریر کئے ہیں۔ تو ان کو دیکھو۔

کفیلان رسول (صلی اللہ علیہ وسلم):

اس کے بعد آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ کی کفالت کی جب وہ بھی ایک سو بیس سال یا ایک سو چالیس سال کی عمر میں وفات پا گئے تو ابوطالب نے (ان کا نام عبد مناف تھا) حسب وصیت عبدالمطلب کفالت کی۔ کیونکہ یہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے مہربان بھائی تھے۔ ابن عساکر نے حلیمہ سے انہوں نے عرفطہ سے روایت کی۔ کہا کہ جب میں مکہ واپس آیا تو ان کو قحط میں مبتلا پایا۔ تو قریش نے ابوطالب سے کہا قحط کے نشان ظاہر ہو گئے اور گھر والے کال میں پڑ گئے تو آؤ بارش کی دعا کریں۔ چنانچہ ابوطالب نکلے اور ان کے ساتھ ایک بچہ تھا گویا وہ مثل اس آفتاب کے ہے جو زیر ابر تھا اور اس ابر سے ابھی بادل ہٹا ہے اور ان کے گرداگرد اور بھی بچے تھے۔ جناب ابوطالب نے اس بچہ کو لیا اور اس کی پشت کعبہ سے لگا دی اور اس بچہ نے اپنی انگلی کا اشارہ کیا حالانکہ اس وقت آسمان پر کوئی ابر کا ٹکڑا نہ تھا۔ یکایک ادھر ادھر سے بادل آنے شروع ہو گئے پھر بارش ہوئی اور خوب بارش ہوئی اور نالے بہہ نکلے۔ اس وقت ابوطالب نے کہا۔ (ترجمہ)

سفید رنگ والا کہ ان کے چہرہ سے بادل سیرابی حاصل کرتا ہے۔ وہ یتیموں کا فریادرس اور فاقہ کشوں کی جائے پناہ ہے۔ ثمال ثا کے زیر سے بمعنی جائے پناہ اور فریادرسی کسی نے اس کے معنی سخت بھوک میں کھانا کھلانے والے کئے ہیں اور ارامل مسکین مرد و عورت کو کہتے ہیں۔ لیکن ارامل عورتوں کے ساتھ خاص اور بکثرت مستعمل ہے۔ اس کا واحد ارمل اور ارملۃ یہ شعر جناب ابوطالب کے قصیدہ میں سے ہے۔ اس کو ابن اسحاق نے طویل ذکر کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و مدح میں ابوطالب کے اور بھی قصیدے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت اور حمایت مشہور ہے۔ ابن التین نے کہا کہ ابوطالب کا یہ شعر دلالت کرتا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی آپ کی نبوت کے معترف

تھے کیونکہ بحیرا راہب وغیرہ نے حضور کی شان سے مطلع کر دیا تھا۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ ابن اسحٰق نے بیان کیا ہے کہ ابو طالب نے یہ شعر آپ کی بعثت کے بعد کہا ہے۔

جناب ابوطالب کے ایمان کی تحقیق:

جناب ابو طالب کا آپ کی نبوت کا معترف ہونا تو بہت سی حدیثوں میں آیا ہے۔ بعض روافض نے ان خبروں سے یہ حجت لی ہے کہ وہ مسلمان تھے اور یہ کہ وہ اسلام پر فوت ہوئے اور حشویہ کہتے ہیں کہ وہ کفر پر فوت ہوئے۔ اپنے اس دعوے پر ایسے استدلال لاتے ہیں جس سے یہ ثابت ہی نہیں ہوتا۔ انتہی۔ اسی طرح مواہب میں ہے۔ مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے وفات کے وقت ان سے فرمایا اے چچا پڑھئے لا الہ الا اللہ یہ کلمہ اسلام ہے۔ تاکہ قیامت کے دن تمہاری شفاعت کرنا مجھ پر حلال ہو۔ پس جب ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش دیکھی تو آپ سے کہا کہ خدا کی قسم اے میرے بھائی کے صاحب زادے اگر مجھے قریش کے اس طعنہ کا خوف نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ موت کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا تو میں کہہ لیتا۔ میں کلمہ نہیں کہتا مگر تمہاری خوشی کی خاطر جب وقت مرگ قریب آیا تو حضرت عباس نے ان کے ہونٹ ہلتے دیکھے تو حضرت عباس نے اپنے کان اس سے لگا دیئے اور کہا اے میرے بھائی کے صاحب زادے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی قسم میرے بھائی (ابو طالب) نے وہ کلمہ پڑھا جس کا آپ نے انہیں حکم فرمایا تھا۔ حضور نے فرمایا میں نے تو سنا نہیں۔ اسی طرح ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ بوقت وفات جناب ابو طالب نے اسلام قبول کر لیا تھا جواب دیا گیا کہ یہ اس صحیح روایت کے مخالف ہے کہ وہ عبدالمطلب کی ملت پر فوت ہوئے اس بارے میں کلام بہت طویل ہے اللہ ہی حق کہلواتا اور ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے۔

سفر شام میں بحیرہ راہب سے ملاقات:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارہ برس کے ہوئے تو اپنے چچا جناب ابو طالب کے ساتھ سفر شام کو روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ جب بصرے پہنچے تو آپ کو بحیرہ راہب نے جس کا نام جرجیس تھا دیکھا۔ اس نے آپ کی علامتوں سے پہچان لیا پھر اس نے حضور کا دست مبارک پکڑ کر کہا یہ سید العالمین (سارے جہان کے سردار) ہیں آپ کو اللہ تعالیٰ سارے جہان کے لئے رحمت (رحمۃ للعلمین) مبعوث فرمائے گا۔ کسی نے اس سے پوچھا تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا تو اس نے کہا جب تم عقبہ پر آپ کو لے کر چڑھے ہو تو کوئی شجر و حجر ایسا نہ تھا جو آپ کو سجدہ نہ کرتا ہو اور شجر و حجر صرف نبی کو سجدہ کرتے ہیں اور میں تو آپ کو اس مہر نبوت سے جو کندھوں کی نرم ہڈی کے پیچھے مثل سیب کے ہے پہچانتا ہوں اور ہم اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نکاح مبارک:

پچیس سال کی عمر شریف میں حضور نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اور وہ زمانہ جاہلیت میں طاہرہ کے ساتھ پکاری جاتی تھیں اور حضرت خدیجہ کی عمر بوقت تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کی تھی اور بیس اونٹ مقدار مہر مقرر ہوئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور قبیلہ مضر کے روسا شریک محفل تھے۔ جناب ابو طالب نے خطبہ پڑھا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے تمام خوبیاں ہیں جس نے ہمیں ذریت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد اور معد کی نسل اور مضر کے خاندان میں بنایا اور ہمیں اپنے گھر کا محافظ اور اس کا خدمت گار کیا جو ہمارے لئے حج کرنے کا مقام ہے اور وہ امن و حرمت والی جگہ ہے اور ہم کو لوگوں پر حاکم کیا اس کے بعد یہ میرے بھتیجے محمد ابن عبداللہ کوئی شخص ان کے وزن میں برابر نہیں مگر یہ اس پر غالب آ جائیں۔ اگرچہ مالی لحاظ سے کم

ہیں۔لیکن مال تو زائد ہونے والا سایہ اور امر حائل ہے اور (سیدنا) محمد جس کی قرابت کو تم خوب جانتے ہو۔آپ نے حضرت خدیجہ بنت خویلا کو پیام نکاح دیا اور آپ کے مہر معجّل و موجل کے بدلے میں میرے اتنے مال میں سے اتنا ادا کیا جائے۔خدا کی قسم اس کے بعد آپ کے لئے بنا عظیم اور حشمت رفیع ہے۔

بعثت نبوت کی تاریخ:

جب آپ کی عمر شریف چالیس سال کی ہوئی اور ایک قول میں چالیس دن یا دس دن یا دو مہینے اوپر ہوئے تو پیر کے دن رمضان مبارک کی سترہ تاریخ یا چوبیس تاریخ اور ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ پیر کے دن ۸ ربیع الاول ۴۱ حادثہ فیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعلمین اور تمام جن و انسان کی طرف رسول بنایا اور آپ کے مرتبہ کو رفعت دی۔آپ کے ذکر کو سارے جہان میں بلند کیا۔اس کے بعد آپ مکہ مکرمہ میں تیرہ سال مقیم رہے پھر آپ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا۔وہاں آپ دس سال رہے۔آپ نے جہاد فی سبیل اللہ کیا اور مخلوق کو دعوت اسلام دی اور جہان کو ایمان و یقین کے نور سے منور فرمایا۔چونکہ آپ کی بعثت کی حکمت ہی یہ تھی کہ مخلوق کی ہدایت ہو اور عمدہ اخلاق کے پیکر بن جائیں اور دین اسلام کی بنیادیں کامل ہو جائیں۔جب یہ تمام باتیں حاصل ہوگئیں اور یہ مقصود پورا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف اعلیٰ علیین میں اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ نے تریسٹھ سال کی عمر شریف میں ظاہری مدت حیات پوری فرمادی۔صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ وصحبہ واتباعہ واحزابہ اجمعین

باب دوم: آپ کے وصال کے بیان میں

اس باب میں ہم وہ خبریں بیان کریں گے جو حضور کے اول و آخر کے حال میں ہیں۔ اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

وصال شریف سے ایک ماہ قبل جو واقعات رونما ہوئے یہ ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی مکرم، محبوب معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ماں باپ اور میری جان آپ پر قربان ہو ایک ماہ پہلے ہی اپنے وصال شریف کی خبر دے دی تھی۔ جب جدائی کا وقت قریب آیا تو ہماری ماں (ام المومنین) عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دولت کدہ میں ہم جمع ہوئے۔ تو حضور نے بلند آواز سے فرمایا تمہیں مرحبا ہو اور تم کو اللہ تعالیٰ سلامتی کے ساتھ زندہ رکھے اور اپنی رحمت و حفاظت میں تم کو لے اور نیک حال بنائے۔ رزق مرحمت فرمائے بلندی و رفعت بخشے اور تمہارا ماویٰ بنے اور اپنی پناہ میں لے۔ میں تم کو اللہ تعالیٰ کے خوف کی وصیت کرتا ہوں اور یہی میری وصیت ہے اور یہی تم پر خلیفہ اور میں تم کو ڈراتا ہوں کہ میں تمہارے لئے واضح طور پر ڈرانے والا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ پر اس کی عبادت میں اور اس کے شہروں میں اپنی بڑائی نہ کرنا۔ بیشک میرے اور تمہارے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لئے گردانیں گے جو زمین میں برائی اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور آخرت کی بھلائی متقیوں کے لئے ہے اور فرمایا کیا دوزخ متکبروں کا ٹھکانا نہیں؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی ظاہری مدت حیات کی معیاد کب تک ہے۔ فرمایا جدائی کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف اور جنۃ الماویٰ، سدرۃ المنتہیٰ اور رفیق اعلیٰ کی طرف پلٹنے والا ہوں اور چھلکتے پیالوں حوض اور پسندیدہ عیش کی طرف بازگشت ہے۔

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تجہیز و تکفین:

صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس کپڑے میں کفن دیا جائے فرمایا اگر تم چاہو تو میرے انہیں کپڑوں میں یا مصر کے کپڑوں میں یا یمانی چادروں میں۔ ہم نے عرض کیا کون آپ کی نماز جنازہ پڑھائے اور ہم رو پڑے اور حضور پر

بھی گریہ طاری ہوگیا۔ پھر فرمایا صبر کرو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے اور اللہ تعالیٰ تمہارے نبی کی طرف سے بہتر جزا دے۔ جب تم مجھے غسل دے کر تکفین کر چکو تو مجھ کو میرے اس تخت پر میری قبر شریف کے کنارے جو میرے اس ہی مکان میں ہے رکھ کر ایک گھڑی باہر چلے جانا کیونکہ سب سے پہلے میرے دوست و خلیل جبرائل پھر اسرافیل پھر ملک الموت مع اپنے ملائکہ کی جماعت کے مجھ پر صلوٰۃ پڑھیں گے۔ پھر تم سب گروہ در گروہ ہو کر آنا اور مجھ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا۔ خبردار فضول ستائش اور ماتم و نوحہ کر کے مجھے ایذا نہ دینا اور چاہئے کہ درود و سلام کی ابتدا میری اہل سب کے مرد، پھر ان کی عورتیں، پھر تم کرنا۔ پھر ان پر سلام کہنا جو میرے صحابہ میں سے اس وقت موجود نہیں ہیں اور ان پر سلام کہنا جو میرے دین پر آج کے دن سے قیامت تک برقرار و باقی رہیں۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون آپ کو آپ کی قبر شریف میں داخل کرے۔ فرمایا میری اہل فرشتوں سمیت جو بکثرت ہوں گے وہ تم کو اس طرح دیکھتے ہوں گے کہ تم ان کو نہیں دیکھو گے۔

انوار التنزیل اور مدارک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سب سے آخری آیت جو جبرائیل لے کر آئے یہ ہے۔

واتقوا یوماً الایۃ یعنی ڈرو اس دن سے جس میں تم اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹو گے پھر ہر ایک نفس کو جو اس نے کمایا پورا پورا دیا جائے گا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے اور فرمایا کہ اس آیت کو سورۂ بقرہ ۲۸۰ آیت کے ساتھ ملا دو۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکیس دن یا اکیاسی دن ایک روایت میں ہے کہ تین گھنٹہ دنیا میں رونق افروز رہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رو کر فرمانے لگے کہ وحی کا اختتام وعید پر ہوا۔

مرضِ وصال کی ابتداء:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی ابتدا اور کیفیت یہ منقول ہے کہ ماہ صفر کی اٹھائیس

تاریخ بروز چہار شنبہ جب کہ آپ حضرت میمونہ کے گھر رونق افروز تھے دردسر سے مرض کی ابتدا ہوئی۔ کسی نے کہا کہ انتیس صفر اور کسی نے شروع ماہ ربیع الاول کہا اور کتاب الوفا میں ہے کہ بیس تاریخ کو مرض شروع ہوا اور آپ نے بارہ ربیع الاول کو وفات پائی۔ انتہی اور زرین نے ابی حاتم سے نقل کیا کہ ماہ ربیع الاول ۱۱ھ میں آپ نے وفات پائی ہے اور حضرت میمونہ گھر میں مرض کی ابتدا ہوئی اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت زینب بنت جحش میں اور کسی نے حضرت ریحانہ کے گھر میں مرض کی ابتدا بتائی (رضی اللہ عنہن) اور خطابی نے بیان کیا کہ آپ کے مرض کی ابتدا پیر کے دن ہوئی اور ایک قول ہفتہ اور ایک قول چہار شنبہ کا ہے۔ اسے حاکم قول کہا ہے اور کتاب روضہ میں دو قول مروی ہیں اور مدت مرض میں اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ چودہ دن ہے اور کسی نے بارہ دن کہا اسی پر اکثریت ہے۔ ایک قول دس دن کا بھی ہے۔ اس پر سلیمان التیمی نے جزم کہا اس کا بھی انہوں نے جزم کیا۔ حالانکہ وہ ثقہ ہیں کہ آپ کے مرض کی ابتدا بروز ہفتہ بائیس صفر کو ہوئی اور پیر کے دن ۲ ربیع الاول کو وفات ہوئی۔

لشکر اسامہ کو رخصت کرنا:

کتاب الاکتفاء میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے تو مدینہ منورہ میں بقیہ ماہ ذی الحجہ اور محرم وصفر میں قیام فرمایا اور لوگوں کو تنبیہ فرماتے رہے اور اسامہ بن زید کو شام کی طرف روانہ فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ سرزمین فلسطین میں سے بلقاء اور روم کی حدود کو پائمال کردیں گے۔ پھر لوگوں کو سامان جنگ دیا اور مہاجرین اولین کو اسامہ کے ساتھ جمع کر دیا۔ یہ آخری لشکر تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا۔ تو لوگ روانگی کی تیاری میں ہی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مرض لاحق ہوگیا جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ کے موافق اپنی رحمت وکرامت میں ماہ صفر

کے آخر یا ماہ ربیع الاول میں قبض روح فرمائی۔ سواس کی اول ابتدا جیسا کہ مذکور ہوا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درمیانی رات میں بقیع الغرقد کی طرف تشریف لے گئے۔ ان کے لئے مغفرت چاہی۔ پھر اپنے دولت کدہ پر واپس آئے پھر جب صبح ہوئی تو اسی دن درد شروع ہوا۔

اہل بقیع کے لئے دعائے مغفرت فرمانا:

ابو مویہبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو مجھے بلا کر فرمایا اے ابو مویہبہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس بقیع والوں کی مغفرت کی دعا کروں تو میرے ساتھ چلو۔ پس میں آپ کے ساتھ گیا۔ پھر جب وہاں آپ کھڑے ہوئے تو فرمایا اسلام علیکم یا اہل القبور۔ تم پر تمہاری صبح خوشگوار ہو بہ نسبت اور لوگوں کی صبح کے کہ انہیں اندھیری رات کے ٹکڑوں کی مانند حوادث و فتنے گھیریں۔ کیونکہ پچھلا اگلے کے ساتھ ہے۔ پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے ابو مویہبہ بلا شبہ مجھے دنیا کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں کہ میں اس میں ہمیشہ رہوں۔ اس کے بعد جنت اور مجھ کو دنیا کے اور اپنے رب سے ملاقات کے درمیان اختیار ملا کہ جسے چاہوں قبول کروں۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ دنیا کے خزانوں کی کنجی لے کر ہمیشہ رہئے پھر جنت۔ آپ نے فرمایا نہیں! خدا کی قسم! اے ابو مویہبہ میں نے اپنے رب کی لقاء اور جنت کو پسند فرمایا ہے۔ پھر آپ نے اہل بقیع کے لئے مغفرت کی دعا کی۔ پھر واپس آگئے اس کے بعد آپ کو وہ مرض شروع ہو گیا۔ جس میں اللہ نے آپ کو بلایا۔

مرض وصال کی ابتداء اور حضرت عائشہ کے حجرے میں قیام فرمانا:

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بقیع سے واپس تشریف

لائے تو آپ نے مجھ کو درد سر میں بے چین پایا اور میں کہہ رہی تھی ہائے سر! تب آپ نے فرمایا بلکہ میں خدا کی قسم اے عائشہ ہائے سر۔ ام المومنین فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مزاح کی باتوں سے یوں ہی تسلی دیتے رہے۔ پھر فرمایا تمہارا کیا نقصان ہے اگر تم مجھ سے پہلے وفات پا جاؤ اس وقت میں ذمہ دار ہوں گا کہ تمہیں کفن دوں اور تمہاری نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دوں۔ میں نے عرض کیا خدا کی قسم گویا میں آپ پر بھاری ہوں کہ آپ نے یہ سب کچھ کیا۔ اس کے بعد آپ نے میرے گھر کی طرف مراجعت فرمائی اور اسی روز آپ نے کسی زوجہ کے ساتھ آخر وقت میں شب باشی کی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اس کے بعد آپ کے مرض نے شدت پکڑی حالانکہ آپ اپنی ازواج پر دورہ فرمایا کرتے تھے۔ جب حضرت میمونہ کے گھر مرض بہت شدید ہو گیا تو آپ نے اپنی سب ازواج کو بلایا اور ان سے اجازت چاہی کہ وہ میرے گھر میں ایام مرض گزاریں۔ سو ان سب نے اجازت دے دی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل میں سے دو مردوں کے سہارے ایک ان دونوں میں سے فضل بن عباس اور ایک کوئی دوسرا۔ اس حالت میں تشریف لائے کہ آپ کی پیشانی پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور دونوں قدم مبارک سے لکیر کھنچتی آرہی تھی یہاں تک کہ میرے گھر تشریف لے آئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ دوسرا شخص حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف بڑھ گئی اور درد شدید ہو گیا۔ ایک روایت میں وارا ساہ (ہائے میرا سر) کے بعد یہ ہے کہ آپ تشریف لے گئے۔ پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد لوگ آپ کو چادر میں لپیٹے اٹھا کر میرے گھر لے آئے۔ پھر ازواج مطہرات کو بلایا اور ان سے فرمایا میں علیل ہو گیا ہوں اب اتنی استطاعت نہیں رہی کہ میں باری باری تم میں دورہ کر سکوں۔ لہٰذا تم سب اجازت دے دو کہ میں عائشہ کے گھر رہوں۔ پھر میں نے آپ کو وضو کرایا حالانکہ میں نے کسی کو آپ سے پہلے وضو نہیں کرایا اور ایک روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اپنی علالت

کے دوران دریافت فرمایا کرتے میں کل کہاں ہوں گا۔آپ کی مراد اس سے عائشہ رضی اللہ عنہا کا دن تھا۔تب آپ کی ازواج مطہرات نے یہ اجازت دے دی کہ جہاں حضور چاہیں رہیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر قیام فرمایا اور انہیں کے یہاں آپ کی وفات ہوئی اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چادر مبارک لپیٹے اپنی ازواج مطہرات کے یہاں تشریف لے جایا کرتے دراں حالیکہ آپ علیل تھے اور ان کی باری اس طرح پوری فرمایا کرتے۔

رفع مرض کے لئے دوا کا استعمال سنت ہے:

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب مرض نے شدت اختیار کی اور حضور یونہی اپنی باری پوری فرماتے رہے تو وہ سب ازواج حضرت میمونہ کے گھر جمع ہو کر آئیں۔ جب انہوں نے آپ کا یہ حال دیکھا تو سب اہل بیت کی یہی رائے ہوئی کہ لدود کی دوا پلائیں۔ کیونکہ سب کو یہ خوف دامن گیر تھا کہ آپ کو ذات الجنب (نمونیا) ہو گیا ہے تو انہوں نے وہ دوا پلائی اور ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کوکھ پکڑ لیا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے بھی کوکھ پکڑ لی۔ اس وقت آپ پر اتنی شدید بے ہوشی طاری ہوئی کہ ہم نے خیال کیا شاید وفات پا گئے۔ تو ہم نے لدود پلایا پھر خود بخود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ ہو گیا اور وہ لدود پلا چکے تھے تو آپ نے فرمایا میرے ساتھ یہ کس نے حرکت کی ہے تو وہ سب ڈر گئیں اور انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بہانہ کیا اور سب نے جو اس وقت گھر میں تھے حضرت عباس کو سبب ٹھہرایا۔ حالانکہ اس میں ان کی قطعاً رائے نہ تھی تو ان سب نے کہا آپ کے چچا حضرت عباس کے مشورہ سے یہ ہوا تھا۔ کیونکہ ہمیں یہ خوف تھا کہ شاید آپ کو ذات الجنب (نمونیا) ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ذات الجنب تو شیطان سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو مجھ پر تسلط نہیں دیا اور نہ یہ کہ

شیطان چوکیں لگائے اور لیکن یہ حرکت عورتوں ہی کی ہے۔لہٰذا سب کو ہی لدود پلایا جائے۔ سوائے میرے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے۔ میرا حکم ان کو شامل نہیں ہے۔ چنانچہ سب کو لدود پلائی گئی اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو بھی پلایا گیا۔ حالانکہ وہ روزے دار تھیں مگر فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے گھر کی طرف ان کی باری کے دن حضرت عباس اور حضرت علی کے سہارے چلے اور حضرت فضل آپ کی پشت کو سہارا دیئے ہوئے تھے اور آپ کے دونوں قدم مبارک خط کھینچتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ کے یہاں تشریف لے آئے۔ پھر انہیں کے پاس رہے کیونکہ شدت مرض کی وجہ سے ان کے گھر سے کسی اور جگہ جانے کی استطاعت نہ تھی۔

مومن کے لئے بیماری باعث تکفیر سیئات:

جب آپ کے مرض نے شدت اختیار کی تو حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں۔ کہ آپ کا حال بیماروں کا سا ہو گیا اور آپ بستر پر کروٹیں بدلنے لگے۔ اس وقت میں نے آپ سے عرض کیا کہ اگر ہم میں سے کوئی ایسا کرتا تو آپ اس پر غصہ فرماتے۔ آپ نے فرمایا بلاشبہ مومنین پر سختی ہوا کرتی ہے۔ لیکن جب کسی مومن کو کوئی کانٹا چبھے یا اس سے زیادہ تکلیف پہنچے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں مومن کا درجہ بلند فرماتا اور اس کے معاصی (گناہ) کو محو فرماتا ہے اور فرماتی ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اس پر مرض کی شدت ہوئی ہو۔ مروی ہے کہ کسی کا ہاتھ آپ کے جسم اقدس پر بخار کی شدت حرارت کی وجہ سے نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ آپ نے فرمایا کسی نبی نے اتنی تکلیفیں نہیں اٹھائیں۔ جتنی مجھ پر تکالیف کی شدت ہے۔ اس قدر ہمارا ثواب بھی کئی گنا زیادہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو بخار کی انتہائی شدت میں پایا۔ میں نے

عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو بڑی شدت سے بخار ہے۔ فرمایا ہاں۔ مجھ کو اتنا بخار ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو ہوتا ہے میں نے عرض کیا کیا یہ اس لئے کہ آپ کو دونا اجر ہو فرمایا ہاں! اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی مسلمان کو ایک کانٹے کی بھی تکلیف پہنچے یا اس سے زیادہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔ جس طرح درخت اپنے پتے گرا دیتا ہے۔ امام بخاری نے اسے بیان کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب آپ کے مرض نے شدت پکڑی تو آپ نے فرمایا مجھ پر سات مشکیزے جن کے منہ کھلے نہ ہوں بہا دو۔ شاید کہ مجھے راحت ہو اور لوگوں سے گفتگو کروں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت حفصہ کے تانبے کے لگن میں ہم نے آپ کو بٹھایا اور آپ پر پانی بہایا۔ یہاں تک کہ ہمیں فرمایا بس اب نہلا چکیں۔ پھر تشریف لے گئے اور اس دن کھڑے ہو کر خطبہ دیا (فرمایا) اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد و ثناء ہے۔ (اس کے بعد) ان شہداء کے لے جو غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے۔ مغفرت کی دعا کی۔

شان صدیق اکبرؓ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی کلی مدت بارہ دن کی تھی اور کسی نے اٹھارہ دن کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی علالت میں فرمایا یہ تمام دروازے مسجد میں آنے جانے کے بند کر دو۔ بجز ابو بکر کے دروازے کے۔ کیونکہ میں ابو بکر سے زیادہ صحابہ میں سے احسان کرنے والا کسی کو نہیں جانتا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اس مسجد میں کھلنے والی ہر کھڑکی کو میری طرف سے بند کر دو سوائے ابو بکر کی کھڑکی کے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کی تیمارداری کروں اور میں ہی آپ کی

خدمت میں حاضر رہوں فرمایا اے ابوبکر اگر اپنی ازواج، صاحب زادیوں اور اہل بیت سے اپنے علاج کی خدمت نہ لوں تو ان پر میری طرف سے سخت مصیبت ہو جاوے گی۔ اے ابوبکر تمہارا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو چکا۔

حضرت ابوبکر صدیق ...... مزاج شناس رسالت:

انہیں واقعات میں سے یہ ہے کہ آپ نے اپنے مرض میں لوگوں کو خطبہ دیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک بندے کو اختیار دیا کہ یا تو وہ دنیا لے لے یا اس کو جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ تو اس بندے نے اس کو اختیار کیا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ رونے لگے۔ ہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رونے سے تعجب کیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہی خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو یہ اختیار دیا ہے۔ حالانکہ وہ بندۂ مختار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ دانا تھے اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے اپنے مرض میں چالیس غلام آزاد کئے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہر بیماری میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے صحت و عافیت کی دعا مانگی۔ لیکن اس مرض میں جس میں آپ نے وفات پائی صحت وشفا کی دعا نہ مانگی بلکہ اپنی جان پر سختی فرمائی اور فرماتے اے نفس تیرا عجیب حال ہے کہ ہر وقت تو پناہ مانگتا ہے۔

حضرت فاطمہ الزہراء سے سرگوشی فرمانا:

انہیں واقعات میں سے یہ ہے کہ آپ نے حضرت خاتون جنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کان میں کوئی بات کہی تو وہ رونے لگیں۔ اس کے بعد پھر کان میں کچھ بات کہی تو وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ان سے اس معاملے کے بارے میں پوچھا تو حضرت فاطمہ نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشاء کروں۔

یہاں تک کہ جب آپ نے وفات پائی تو میں نے ان سے پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ حضور نے میرے کان میں فرمایا تھا کہ جبرئیل ہر سال قرآن کریم کا مجھ سے ایک مرتبہ دور کیا کرتے تھے۔ لیکن اس سال دو مرتبہ دور کیا اور میں خیال کرتا ہوں اب میرا وقت پورا ہو چکا ہے اور یقیناً میرے اہل بیت میں سے تم سب سے پہلے مجھ سے ملنے والی ہو اور میں کتنا اچھا تمہارا پیش رو ہوں۔ تو اس وجہ سے میں رونے لگی۔ پھر فرمایا کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ تم اس امت کی تمام عورتوں کی سردار ہو یا یہ فرمایا تمام مسلم عورتوں کی سردار ہو۔ اس وجہ سے میں ہنس پڑی۔

مرض وصال میں صدیق اکبرؓ کو مصلیٰ امامت سونپنا:

انہیں واقعات میں سے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوری مدت علالت میں لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے۔ صرف تین دن امامت نہ فرمائی۔ ایک قول میں سترہ نمازیں ہیں۔ چنانچہ جب اس پہلی نماز کے لئے اذان ہوئی۔ جس میں آپ نے امامت نہ فرمائی اور وہ نماز عشاء تھی آپ نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور زہری سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن زمعہ سے فرمایا لوگوں سے کہہ دو کہ وہ نماز پڑھ لیں سو عبداللہ بن زمعہ باہر آئے۔ اس وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مل گئے ان سے کہا کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کی۔ چونکہ ان کی آواز بلند تھی نماز میں ان کی آواز اونچی ہوگئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آواز سن کر فرمایا کیا یہ عمر کی آواز ہے۔ عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔ آپ نے فرمایا ابوبکر کے غیر کو امام بنانے سے اللہ اور مومنین انکاری ہیں چاہئے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اسی طرح منتقی میں مذکور ہے۔

شرح مواقف میں ہے کہ حضور کی علالت کے زمانہ میں حضرت بلال نے نماز کے لئے

اذان دی تو آپ نے عبداللہ بن زمعہ سے فرمایا جاؤ اور ابوبکر سے کہو کہ نماز پڑھائیں جب وہ باہر آئے تو دروازہ پر عمر اور ایک جماعت کو پایا مگر ان میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے تو کہا اے عمر لوگوں کو نماز پڑھایئے۔ جب انہوں نے تکبیر کہی چونکہ وہ بلند آواز تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آواز سنی فرمایا اللہ اور مسلمان منع کرتے ہیں ابوبکر کے سوا کوئی نماز پڑھائے تین مرتبہ فرمایا۔ راوی کا قول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن زمعہ سے فرمایا کہ تم نے یہ کتنا برا کیا، میں تو یہ سمجھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو میرے لئے حکم دیا ہے کہا نہیں خدا کی قسم مجھے یہ نہیں فرمایا کہ کس کو کہوں اور مروی ہے کہ حضرت بلال اذان دے کر دروازہ پر کھڑے ہو گئے اور کہا السلام علیک یا رسول اللہ آپ پر اللہ کی رحم ہو۔ فرمایا ابوبکر سے کہو نماز پڑھائیں۔ چنانچہ بلال اپنا سر پکڑے نکلے اور یہ فرماتے تھے ہائے فریاد! میری امیدیں منقطع ہو گئیں اور کمر ٹوٹ گئی۔ کاش مجھے میری ماں نہ جنتی اور جب اس نے مجھے جنا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال نہ دیکھتا۔ مسجد میں گئے اور کہا اے ابوبکر بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فرمایا ہے کہ آپ آگے بڑھیں۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد خالی دیکھی چونکہ آپ نرم دل تھے برداشت نہ کر سکے غش کھا کر گر پڑے۔ تب مسلمانوں نے آہ وفغاں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ شور سنا تو آپ نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا یہ کیسا شور وغل ہے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بغیر مسلمان آہ وفغان کر رہے ہیں۔ تو اس وقت حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بلایا ان کے سہارے مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھی۔ پھر فرمایا اے جماعت مسلمین تم اللہ کی رخصت اور اس کی امان میں ہو اور اللہ تعالیٰ کی پرہیزگاری اس کی حفاظت اور اطاعت تم پر میرا خلیفہ ہے۔ میں اب دنیا چھوڑنے والا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض شدید ہو گیا تو حضرت بلال نماز کی

اطلاع کرنے آئے آپ نے فرمایا ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر ایک کمزور دل کے مرد ہیں۔ جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو آواز تک نہ سنا سکیں گے۔ پس اگر آپ حضرت عمر کو حکم فرمائیں تو مناسب ہے۔ تب آپ نے فرمایا ابوبکر سے کہو۔ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ فرماتی ہیں میں نے پھر حفصہ سے کہا تم یہ بات کہو تب آپ سے حفصہ نے عرض کیا کہ ابوبکر کمزور دل کے مرد ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو آواز تک لوگوں کو نہ سنا سکیں گے۔ پس اگر آپ عمر کے لئے فرمائیں تو مناسب ہے۔ اس وقت آپ نے فرمایا تم حضرت یوسف علیہ السلام کی ساتھی عورت کی طرح ہو، ابوبکر سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ روایت کا قول ہے ہم نے حضرت ابوبکر سے عرض کر دیا۔ جب انہوں نے نماز شروع کر دی تو آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے افاقہ محسوس فرمایا تو حضور دو شخصوں کے سہارے اس طرح کھڑے ہوئے کہ آپ کے قدم مبارک زمین پر خط کھینچتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ مسجد میں تشریف لائے۔ جب حضرت ابوبکر نے آہٹ پائی تو پیچھے ہٹنے کا قصد کیا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ فرمایا تم اسی طرح کھڑے رہو۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بائیں جانب بیٹھ گئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ اس طرح پر کہ حضرت ابوبکر کھڑے ہوئے وہ حضور کے مقتدی تھے اور لوگ حضرت ابوبکر کے مقتدی تھے۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شانہ اقدس سے باہر تشریف لائے تو لوگ ہٹنے لگے اس سے حضرت ابوبکر بھی سمجھ گئے تھے کہ لوگوں نے یہ کشادگی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کی ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے حصے سے پیچھے ہٹنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیٹھ پر اشارہ کیا اور فرمایا نماز جاری رکھو اور ان کے پہلو میں بیٹھ گئے اور ان کی دائیں جانب بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ جب نماز

سے فارغ ہوئے تو حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ میں حضور کو اللہ کی نعمت و فضل سے اب صحت مند دیکھتا ہوں جیسا کہ ہم چاہتے ہیں۔ آج کے دن باہر جانے کا ارادہ ہے اور اجازت ہو تو وہاں چلا جاؤں فرمایا ہاں! اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شانہ اقدس میں تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر اپنے گھر مقام سنخ میں چلے گئے یہ روایتیں ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر ہی امام تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت میں سے کسی کے پیچھے نماز نہیں ادا فرمائی سوائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اور ایک سفر میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے ایک رکعت ادا فرمائی۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ایک غزوہ میں شریک تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے اتنے میں نماز شروع ہوگئی۔ لوگوں نے عبدالرحمٰن کو آگے بڑھا دیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ایک رکعت عبدالرحمٰن پڑھ چکے تھے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ ان کے پیچھے نماز پڑھی اور جو رہ گئی تھی اسے پوری کی اور فرمایا کسی نبی نے اس وقت تک وفات نہ پائی جب تک کہ اپنی امت میں سے کسی صالح کے پیچھے نماز نہ پڑھ لی۔ اسی طرح صفوہ میں مذکور ہے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی امامت میں نماز ادا فرمانا:

مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں گئے تو مغیرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر سے پہلے قضائے حاجت کو تشریف لے گئے اور میں آپ کے ہمراہ پانی کا برتن اٹھائے ہوئے تھا جب واپس

تشریف لائے تو میں نے آپ کے دست اقدس پر برتن سے پانی ڈالا۔آپ نے اپنے ہاتھ منہ دھوئے اس وقت آپ صوف کا جبہ پہنے ہوئے تھے آپ اپنے دونوں ہاتھ جبے سے نکالنے لگے۔ جبہ کی آستین تنگ تھی اس لئے آپ نے دونوں ہاتھ جبہ کے نیچے سے نکالے اور جبہ کو اپنے کاندھوں پر ڈال لیا۔ پھر دونوں کہنیاں دھوئیں اور آپ نے پیشانی اور عمامہ پر مسح کیا پھر میں آپ کے موزے اتارنے جھکا تو فرمایا جانے دو۔ میں نے وضو کر کے موزے پہنے ہیں۔ ان موزوں پر مسح کیا۔ایک روایت میں مغیرہ سے مروی ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غالباً حضور فراموش فرما گئے فرمایا نہیں تم بھولتے ہو۔ مجھ کو میرے رب نے یہی حکم دیا ہے۔ اس روایت کو ابوداؤد اور دارمی نے اسی معنی میں روایت کیا۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ پھر حضور سوار ہوئے اور میں بھی سوار ہوا۔ جب جماعت مسلمین میں آئے تو نماز شروع ہو چکی تھی اور عبدالرحمٰن بن عوف نماز پڑھا رہے تھے۔آپ نے ان کے ساتھ ایک رکوع کیا پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ دو میں سے ایک رکعت پڑھی اور کھڑے ہو گئے میں بھی آپ کیساتھ کھڑا ہو گیا اور چھوٹی ہوئی رکعت کو پورا کیا۔ اسے مسلم نے روایت کیا جو کہ مشکوٰۃ میں مذکور ہے۔

رافع بن عمرو بن عبید سے مروی ہے وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف آوری سے معذور ہوئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ آپ کے قائم مقام ہو کر نماز پڑھائیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ آپ اس وقت تشریف لاتے۔ جب حضرت ابوبکر نماز شروع کر چکے ہوتے اور ان کے پیچھے نماز پڑھتے۔ان کے سوا آپ نے کسی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی۔ البتہ ایک رکعت سفر میں عبدالرحمٰن بن عوف کے پیچھے پڑھی ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی امامت وخلافت

پر حضرت علیؓ کا اعتماد ورضامندی:

اسد الغابہ میں حضرت حسن بصری سے مروی ہے وہ حضرت علی مرتضٰی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو آگے بڑھایا انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور میں تندرست وصحیح موجود تھا اور غائب نہ تھا اگر حضور مجھ کو آگے بڑھانا چاہتے تو مجھے امام بنادیتے بایں وجہ ہم نے اپنے دنیاوی معاملات میں بھی انہیں پر رضامندی کا اظہار کیا۔ جن سے اللہ اور اس کا رسول ہمارے دینی امور میں راضی تھے۔

انہیں واقعات میں سے یہ ہے کہ جمعرات کے دن آپ کے مرض نے شدت اختیار کی تو ارادہ فرمایا کہ ایک تحریر لکھ دی جائے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے فرمایا ایک ہڈی یا تختی لاؤ کہ میں ابوبکر کے لئے ایک تحریر لکھ دوں تاکہ ان پر اختلاف نہ ہو۔ جب عبدالرحمٰن کھڑے ہونے لگے تو فرمایا اللہ اور مسلمان منع کرتے ہیں کہ اے ابوبکر کہ کوئی تم سے اختلاف کرے۔

حدیث قرطاس کا بیان:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کا وقت نزدیک آیا تو اس وقت کاشانہ اقدس میں بہت سے لوگ تھے۔ جن میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسا نوشتہ لکھ دوں کہ دنیا لیس میرے تشریف لے جانے کے بعد پھر تم گمراہ نہ ہو۔ اس وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت چونکہ مرض کی شدت ہے (نوشتہ کی تکلیف دینا مناسب نہیں) ہمارے پاس تو قرآن ہے

ہمیں صرف کتاب اللہ (قرآن) کافی ہے (اس کی موجودگی اور اس پر عمل کرتے رہنے میں کبھی گمراہ نہ ہوں گے) پس اہل بیت اختلاف کر کے باہم جھگڑ پڑے کسی نے کہا کاغذ پیش کردو۔ تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نوشتہ تحریر کرادیں تاکہ پھر تم گمراہ نہ ہو اور کسی نے وہ کہا جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تھا جب اختلاف بڑھا اور آوازیں بلند ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے نزدیک سے چلے جاؤ۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے ایک سے ایک نئی مصیبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تحریر نوشتہ میں حائل ہوگئی۔ بسبب ان کے اختلاف کرنے اور شور وغل کرنے کے۔

فقر رسالت کا بیان:

امام بخاری نے اسے بیان کیا۔ آخری مدت حیات ظاہری کے واقعات میں سے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف سات دینار تھے۔ وصال شریف تک وہ بھی خرچ ہوگئے۔ سہل بن سعد سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف سات دینار تھے۔ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تحویل میں تھے۔ جب آپ علیل ہوئے تو فرمایا اے عائشہ ان دیناروں کو لاؤ پھر آپ پر غشی آگئی اور حضرت عائشہ آپ کی تیمارداری میں مشغول ہوگئیں۔ حضور نے تین مرتبہ فرمایا اور ہر بار اس کے بعد آپ پر غشی ہو ہوگئی اور وہ خدمت میں مشغول ہوگئیں۔ بعد از اں دیناروں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا کہ وہ ان کو خیرات کردیں۔ پھر پیر کی شب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال شریف کی تیاری میں مشغول ہوگئے۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ازواج مطہرات میں سے کسی کے پاس گھر کا چراغ بھیجا اور کہا کہ اپنے پاس سے چراغ میں ہمارے لئے تیل ڈال دیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصال شریف کی تیاری میں ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور نے حضرت عائشہ سے اس وقت فرمایا۔ جبکہ وہ آپ کو اپنی گود میں لئے تھیں اے عائشہ تم نے ان دیناروں کا کیا کیا۔ عرض کیا وہ میرے پاس ہیں۔ فرمایا اسے خرچ کر دو۔ اس کے بعد غشی طاری ہوگئی۔ دراں حالیکہ حضور انہیں کی گود میں تھے۔ پھر جب افاقہ ہوا تو دریافت کیا کیا تم نے ان دیناروں کو خرچ کر دیا عرض کیا نہیں۔ تو آپ نے انہیں منگوایا اور اپنی ہتھیلی پر رکھے اور فرمایا محمد (ﷺ) کی یہ خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس وقت تک نہ ملے جب تک کہ یہ سونا پاس ہو پھر وہ سب خیرات کر دیئے اور اسی دن آپ کا وصال ہوگیا۔ انہیں واقعات میں سے یہ ہے کہ بوقت وصال حضور کو اختیار ملا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں سنا کرتی تھی کہ کوئی نبی وفات نہیں پاتا جب تک کہ اس کو دنیا اور آخرت میں اختیار نہ ملے سو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر مرض میں یہ فرماتے سنا اے رب ان لوگوں کے ساتھ جن پر تو نے انعام فرمایا یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور وہ کتنا بہترین رفیق ہے۔ میں خیال کرتی ہوں کہ اس وقت آپ کو اختیار ملا اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا جنت میں رفیق اعلیٰ کے ساتھ یعنی ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام فرمایا وہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین ہیں یہ کیا ہی اچھے رفیق ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی شان و عظمت:

انہیں واقعات میں سے یہ ہے کہ آپ نے اپنے وصال سے قبل مسواک فرمائی۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتی تھیں کہ مجھ پر یہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر میں میری باری کے دن اور میری گود اور سینہ پر وصال فرمایا اور ایک روایت میں ہے کہ میری ٹھوڑی اور گردن پر اور یہ اللہ کی نعمت ہے کہ بوقت وصال شریف میرا اور حضور کا لعاب دہن جمع فرما دیا تھا اور یہ کہ میرے پاس عبدالرحمٰن بن سیدنا

ابوبکر رضی اللہ عنہما آئے اوران کے ہاتھ میں مسواک تھی اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں لئے ہوئے تھی۔ میں نے حضور کو دیکھا کہ وہ مسواک کی طرف نظر فرما رہے ہیں، میں نے سمجھ لیا کہ آپ مسواک چاہتے ہیں اس وقت عرض کیا کیا میں آپ کے لئے مسواک پیش کروں آپ نے اپنے سر مبارک کے اشارے سے ہاں کہی۔ سو پیش کردی مگر وہ آپ کو سخت معلوم ہوئی میں نے عرض کیا میں اسے نرم کردوں آپ نے اپنے سر مبارک کے اشارے سے ہاں فرمائی میں نے اسے نرم کردیا پھر اسے لے کر مسواک کی اور یہ کہ آپ کے سامنے ایک پانی کا برتن تھا آپ اس میں اپنا دست اقدس ڈالتے۔ پھر اپنے چہرۂ انور پر پھیرتے اور فرماتے **لا الہ الا اللہ** بیشک بوقت رحلت سختی! (سکرات موت) ہوتی ہے۔ پھر آپ نے ہاتھ کھڑے کئے اور کہنا شروع کیا۔ **الرفیق الاعلیٰ**۔ یہاں تک کہ حضور نے وصال فرمایا اور دست اقدس بستر پر آ گئے۔

حاکم اور ابن سعد نے کئی سندوں سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں وصال فرمایا کہ آپ کا سر مبارک حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا۔ حاکم کی تمام سندیں حافظ ابن حجر کے قول کے موافق شبہ سے خالی نہیں ہیں۔ لہٰذا اس کی طرف توجہ کی ضرورت نہیں۔

دوران نماز صحابہ کرام کو شرف دیدار حاصل ہونا:

انہیں واقعات میں سے یہ ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر کے دن نماز فجر کے وقت پردہ اٹھایا تاکہ ملاحظہ فرمائیں کہ لوگ نماز فجر میں مشغول ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھایا کرتے تھے جب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس علالت میں ہوئے جس میں وصال فرمایا حتیٰ کہ پیر کے دن لوگ نماز میں صفیں باندھے کھڑے تھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجرے کا پردہ اٹھا کر کھڑے ہوئے

ہمیں ملاحظہ فرما رہے تھے۔ آپ کا چہرۂ انور گویا مصحف کا ورق تھا پھر تبسم فرمایا ہم نے قصد کیا کہ اس خوشی میں ہم اپنی نماز توڑ کر جمال جہاں آراء کا دیدار کریں۔ پھر حضرت ابوبکرؓ ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹنے لگے تاکہ صف میں مل جائیں۔ انہیں خیال ہوا کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز پوری کرو اور پردہ چھوڑ دیا۔ اسی روز آپ کا وصال ہوا۔ انہیں واقعات میں سے یہ ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کے زمانہ میں آپ کے پاس باہر آئے۔ اس وقت ایک شخص نے پوچھا اے ابوالحسن آج صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال رہا فرمایا اچھا حال رہا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی سے فرمایا تم تین دن کے بعد بے سہارا ہونے والے ہو۔ پھر الگ ہو کر فرمایا میرا خیال ہے اور میں خوب جانتا ہوں کہ بوقت وفات عبدالمطلب کی اولاد کے چہرے کیسے ہوتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس علالت سے صحت یاب نہ ہوں گے۔ اب تم ہمارے ساتھ چلو تاکہ ہم حضور سے معلوم کریں اگر یہ امارت ہماری طرف ہے تو ہم اس کو معلوم کر لیں اور اگر نہیں ہے تو ہم اپنے حق میں اچھی وصیت کرا لیں۔ اس وقت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا دیکھو اگر ہم حضور کے پاس گئے اور آپ نے ہمیں امارت عطا نہ فرمائی تو کیا تم سمجھتے ہو کہ لوگ اس کو ہمیں دے دیں گے۔ خدا کی قسم میں اس کو ہرگز کبھی بھی نہیں دریافت کروں گا۔

بارگاہ رسالت میں حضرت جبرائیل کی حاضری:

انہیں واقعات میں سے یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام وصال شریف سے قبل تین دن برابر حاضر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مزاج پرسی کرتے رہے کہ اب حضور کا مزاج کیسا ہے ان کا آنا ہفتہ، اتوار اور پیر کے دن تھا اور پیر کے ہی دن ملک الموت نے حاضری کی

اجازت چاہی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ حضور کو سلام فرماتا ہے اور آپ کا مزاج دریافت کرتا ہے آپ نے فرمایا اے اللہ کے امین میں خود کو علیل پاتا ہوں اور بعض روایتوں میں ہے کہ اے جبرئیل میں خود کو مغموم اور تکلیف میں پاتا ہوں۔ دوسرے دن جبرئیل نے حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ حضور کو سلام فرماتا ہے اور آپ کا مزاج دریافت کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا اے اللہ کے امین، میں خود کو دردمند پاتا ہوں۔ پھر تیسرے دن جبرئیل ملک الموت کے ساتھ آئے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ حضور کو سلام فرماتا ہے اور آپ کا مزاج دریافت کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا اے اللہ کے امین، میں خود کو دردمند پاتا ہوں یہ تمہارے ساتھ کون ہے۔ عرض کیا یہ ملک الموت ہیں پھر (جبرئیل نے کہا) دنیا میں میرا یہ آخری وقت ہے اور آپ کا بھی آخری وقت ہے۔ آپ کے بعد اولاد آدم میں کسی مرنے والے کے پاس ہرگز نہ آؤں گا اور آپ کے بعد کسی کے پاس زمین پر نہ آؤں گا۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کی شدت معلوم ہوتی تھی۔ (سکرات موت) اور آپ کے پاس پانی کا پیالہ تھا جب بھی شدت محسوس ہوتی تو اس میں سے پانی لے کر اپنے چہرۂ اقدس پر مل لیتے اور فرماتے اے خدا سکرات موت پر میری مدد کرنا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی علالت کے زمانے میں فرمایا کرتے کہ یہ خیبر کا زہریلا لقمہ ہمیشہ ستاتا رہا ہے۔ چنانچہ اب بھی رگ گردن منقطع ہوتی معلوم ہو رہی ہے۔ ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے ہیں۔ باوجود اس خاص بزرگی کے جو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا۔ شفا شریف میں یہ روایت ہے۔

حضرت عائشہ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات کے

ساتھ اللہ کی پناہ لیتے تھے۔" اے لوگوں کے رب تو اس تکلیف کو دور کر کے شفا عطا فرما تو ہی شفا دینے والا ہے بجز تیری شفا کے کوئی شفا نہیں ہے۔ ایسی شفا مرحمت فرما کہ بیماری کو نہ چھوڑے۔ بخاری و مسلم نے اسے روایت کیا اور فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی اس آخری علالت میں ضعیف ہو گئے تو میں نے آپ کا دست مبارک پکڑ کر ملنا شروع کیا اور وہی کلمات (بالا مذکورہ) پڑھنے لگی تب آپ نے دست اقدس مجھ سے چھوڑا کر کہا اے رب مجھے ڈھانپ لے اور مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے اور یہ آپ کا وہ آخری کلام ہے جسے میں نے آپ کے کلام میں سے سنا یہ صحیحین میں منقول ہے۔...... کہتے ہیں کہ میں نے واقدی کی کسی کتاب میں دیکھا کہ پہلا کلمہ جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ آپ حضرت حلیمہ کے یہاں رضیع تھے۔ یہ فرمایا اللہ اکبر اور آپ کا آخر کلام الرفیق الاعلیٰ ہے اور حاکم نے حضرت انس کی حدیث سے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری کلمہ فرمایا یہ کہ جلال ربی الرفیع (میرے رب کا جلال برتر ہے) اسی طرح مواہب لدنیہ میں ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عہد یہ تھا کہ جزیرہ عرب میں دو دین نہ ہوں۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آخری وصیتیں:

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی علالت کے زمانہ میں علی العموم یہ وصیت فرمایا کرتے تھے کہ نماز کی حفاظت کرو اور باندی و غلام کے حقوق کو ملحوظ رکھو۔ یہاں تک کہ سینہ میں آواز بھرائی اور زبان نے یاری نہ کی اسی طرح الاکتفاء میں ہے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت رحلت وصیت فرمائی کہ نماز کی حفاظت کرو اور باندی و غلام کے حقوق کو ملحوظ رکھو۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ میں آواز بھرا گئی اور زبان مبارک نے یاری چھوڑ دی۔

بارگاہ رسالت میں ملک الموت کی حاضری:

مروی ہے کہ ملک الموت نے اجازت طلب کی اور آپ کے پاس جبرئیل موجود تھے۔ اس وقت جبرئیل نے عرض کیا یا احمد یہ ملک الموت آپ سے اذن کا خواستگار ہے اس نے آپ سے پہلے کسی آدمی سے اجازت طلب نہیں کی اور نہ آپ کے بعد پھر کسی آدمی سے اجازت لے گا۔ فرمایا اسے آنے دو۔ چنانچہ ملک الموت نے سامنے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ یا احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے مجھے حضور کی بارگاہ میں بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں حضور کے ہر حکم کی تعمیل کروں۔ اگر آپ اپنی روح قبض کرنے کی اجازت دیں تو قبض کروں اور اگر منع فرمائیں تو باز رہوں فرمایا اے ملک الموت کیا تم ایسا کرو گے۔ عرض کیا مجھے یہی حکم ملا ہے کہ حضور کی اطاعت و فرمانبرداری کروں جو بھی حضور فرمائیں۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کا مشتاق ہے۔ تب آپ نے فرمایا اے ملک الموت وہ کر جس کا تمہیں حکم ملا ہے۔ جبریل نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ میرا زمین پر آنا آخری ہے دنیا میں میرے مقصود تو آپ ہی تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور الاکتفاء میں ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری باری کے دن میرے سینہ اور گود میں وفات پائی۔ اس امر میں کسی پر ظلم نہیں کیا گیا۔ اس کے بعد یہ میرا بھولا پن اور کم سنی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وہ میری گود میں تھے تو وفات پائی اور میں نے آپ کا سر مبارک آپ کے تکیہ پر رکھ دیا اور عورتوں کے ساتھ رونے کو تیار ہو گئی اور منہ پیٹنے لگی۔

حضرت خضرؑ کا اہل بیت سے تعزیت کرنا:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تو ایسے تعزیت کرنے والے آئے جن کی آواز تو آہستہ سنائی دیتی تھی مگر وہ نظر نہیں آتے تھے چنانچہ کسی شخص کی آواز آئی۔ اسلام

علیکم اے اہل بیت تم پر اللہ کی رحمت اور برکت ہو۔ ہر ایک جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے یقیناً تمہارا اجر قیامت کے دن پورا ملے گا۔ بیشک اللہ کی طرف سے ہر ایک مصیبت کی تعزیت ہے اور ہر مرنے والے کا بدلہ ہے اور ہر فوت ہونے والے کا صلہ ہے تو اللہ ہی پر بھروسہ کرو اور اسی سے امید وار رہو۔ بلاشبہ مصیبت زدہ وہ ہے جو ثواب سے محروم رہا۔ والسلام علیکم و رحمتہ و برکاتہ۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تم جانتے ہی ہو یہ بولنے والا کون ہے۔ یہ خضر علیہ السلام ہین۔ اسی طرح مشکوٰۃ میں دلائل النبوۃ سے مروی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تو صحابہ حضورؐ کے گرد ہو کر (فراق وجدائی میں) رو رہے تھے۔ اس وقت ایک ایسا شخص آیا جس کے بال کندھے تک دراز تھے اور تہبند و چادر میں ملبوس تھا وہ صحابہ کے مجمع کو چیرتا اندر آیا۔ یہاں تک کہ گھر کی چوکھٹ کو پکڑ کر وصال شریف پر رونے لگا۔ اس کے بعد صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا بلاشبہ اللہ ہی کی جانب سے ہر ایک مصیبت کی تعزیت ہے اور ہر فوت ہونے والے کا بدلہ۔ آخر حدیث تک۔ اس کے بعد وہ شخص چلا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا اس شخص کو میرے پاس لاؤ۔ لوگوں نے ہر طرف دیکھا بھالا مگر کسی کو وہ نظر نہ آیا۔ تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا شاید کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے جو تعزیت کے لئے آئے تھے۔ اسے ابن ابی الدنیا نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کر کے بحث کی ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے ''کتاب الام'' میں اسے بیان کیا۔ لیکن اس میں خضر کا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح مواہب لدنیہ میں ہے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ظاہری حیات مبارک کی موت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمر مبارک کے بیان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس سال کی عمر میں وحی نازل ہوئی اور اس کے بعد تیرہ سال مکہ مکرمہ میں اور دس سال مدینہ منورہ میں اقامت فرمائی اور جب آپ نے وصال فرمایا تو عمر شریف تریسٹھ سال کی تھی۔ صحیحین میں یہی منقول ہے۔ اسی طرح صحیح روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کی عمریں بھی تریسٹھ سال کی تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وصال شریف کے وقت آپ کی عمر شریف ساٹھ سال کی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ پینسٹھ سال کی تھی۔ ابوحاتم نے اپنی تاریخ میں اسے صحیح بتایا۔ اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں باسٹھ برس اور چھ مہینہ اور ابن ابی شیبہ کی کتاب میں اکسٹھ یا باسٹھ سال لکھا ہے اور کہا کہ میں نہیں جانتا کہ تریسٹھ برس کو حضور پہنچے ہوں اور ان اقوال کی مطابقت یوں کی ہے کہ جس نے پینسٹھ برس کہا ہے تو اس نے ولادت وفات کے سالوں کو مستقل دو سال شمار کیے ہیں اور جس نے تریسٹھ کہا ہے جو کہ مشہور ہے اس نے ولادت وفات کے سالوں کو چھوڑ دیا ہے اور جس نے ساٹھ کہا اس نے کسروں کو ساقط کر دیا اور جس نے باسٹھ سال اور چھ مہینے کہا اس نے اس حدیث پر اعتماد کیا جو (اکلیل) میں ہے۔ اور اس قول میں کلام ہے کہ ہر ایک نبی نے اپنے بھائی سابق نبی کی نصف عمر دنیا میں زندگی گزاری ہے۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک سو پچیس سال اس دنیا میں رہے ہیں اور جس نے اکسٹھ یا باسٹھ کہا اس کو شک ہے یقین نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ اختلاف اقوال اس بنیاد پر ہے کہ بعثت کے بعد مکہ مکرمہ میں کتنے عرصہ قیام فرمایا (واللہ تعالیٰ اعلم) اسی طرح مغلطائی میں ہے۔

وصال شریف کا وقت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف بلا اختلاف پیر کے دن بارہ ربیع الاول ۱۱ھ کو بوقت چاشت اسی وقت میں ہوا۔ جس وقت میں ہجرت کے وقت مدینہ منورہ رونق افروز

ہوئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن تولد ہوئے، پیر کے دن بعثت ہوئی، پیر کے دن مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہوئے۔ پیر کے دن مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے۔ پیر کے دن حجر اسود نصب فرمایا۔ پیر کے دن وصال ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پیوند لگی چادر میں ہوئی، ابو بردہ نے کہا کہ حضرت عائشہ نے چادر اور موٹی ازار (تہبند) ہمیں دکھا کر فرمایا ان کپڑوں میں حضور نے وصال فرمایا۔

فرقت حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) پر صحابہ کرامؓ کی آہ وفغاں:

''اکتفاء'' میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا اور رونے کی آواز اور فرشتوں کی تسبیح بلند ہوئی، تو لوگ مدہوش ہو گئے جیسا کہ بکثرت صحابہؓ سے منقول ہے کہ ان کے ہوش قائم نہ رہے اور سخت مصیبت و بدحواسی میں پڑ گئے اور بعض تو پاگل ہو گئے۔ کوئی مبہوت ہو کر چپ رہا اور کوئی زمین میں پڑا رہ گیا۔

حضرت فاروق اعظم کی مدہوشی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو مجنون ہو کر چیخ چیخ کر کہتے تھے کہ بعض منافق یہ کہتے پھر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔ یقیناً خدا کی قسم آپ نے وفات نہ پائی۔ بلکہ اپنے رب کے پاس گئے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام اپنی قوم سے چالیس دن پوشیدہ رہ کر واپس آ گئے تھے ان کے لئے بھی یہی کہا گیا تھا کہ وہ وفات پا گئے۔ خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور واپس تشریف لائیں گے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لے آئے تھے چاہئے کہ ایسے لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے جائیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔ بعض روایتوں میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ میں تلوار پکڑ رکھی تھی اور فرما رہے تھے میں کسی

سے یہ سننے نہ پاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں ورنہ اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔

اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تو گنگ ہو کر رہ گئے تھے۔ یہاں تک کہ کوئی پکڑ کر ان کو لے جاتا اور لے آتا تھا بات تک نہ کرتے تھے مگر دوسرے دن۔ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ بیٹھے رہ گئے۔ حس وحرکت کی بھی استطاعت نہ رہی تھی اور عبداللہ بن انیس تو بیمار ہو گئے اور اسی میں گھٹ گھٹ کر انتقال کر گئے اور ان تمام صحابہ کرام میں سب سے زیادہ ثابت قدم اور استوار صرف حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما تھے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کا حوصلہ اور ثابت قدمی:

ایک روایت میں ہے کہ سب سے زیادہ ثابت قدم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ البتہ جب وہ آئے تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور ہانپتے کانپتے اور سانس پھولے ہوئے تھے۔ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے تو اوندھے گر پڑے اور چہرہ انوار سے کپڑا اٹھا کر کہا اے حبیب آپ کی تو زندگی بھی طیب وطاہر ہے اور وفات بھی۔ آپ کی وفات سے وہ چیز منقطع ہو گئی جو کسی نبی کی وفات سے منقطع نہیں ہوئی تھی۔ آپ تعریف و توصیف سے بالاتر اور گریہ وبکا سے برتر ہیں۔ کاش اگر آپ کی وفات پر اختیار ہوتا تو ہم آپ کی وفات کے بدلے اپنی جانیں قربان کر دیتے۔

اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی بارگاہ میں ہمیں یاد رکھنا ہم آپ کے دل میں رہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تو لوگوں کو اس میں اختلاف ہو گیا آپ نے وفات پائی ہے یا نہیں۔ حضرت انس فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تو لوگ رونے لگے۔ اس وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسجد میں کھڑے یہ خطبہ دے رہے تھے کہ میں یہ سننے نہ پاؤں کہ حضور نے

وفات پائی بلکہ اللہ نے انہیں اپنے پاس بلایا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو بلایا تھا اور وہ اپنی قوم سے چالیس دن غائب رہے تھے۔ خدا کی قسم مجھے توقع ہے کہ ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے جائیں گے۔ جو یہ خیال کرتے ہیں آپ وفات پا چکے ہیں۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر برابر یہی فرماتے رہے اور لوگوں کو ڈراتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کہ منہ میں جھاگ بھر گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میٹھی نیند میں ہیں جیسے لوگ سویا کرتے ہیں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ نے وفات پالی ہے لہٰذا اپنے آقا کی تدفین کا انتظام کرو اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مقام سخ یعنی محلّہ عالیہ میں اپنی زوجہ بنت خارجہ کے گھر میں تھے۔ اور حضور نے ان کو وہاں جانے کی اجازت مرحمت فرمادی تھی۔ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے تلوار سونت کر لوگوں کو ڈرانے لگے اور یہ کہنے لگے کہ جس نے بھی کہا کہ رسول اللہ نے وفات پائی تو اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مقام سخ سے یہ خبر سنتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے گھر واپس آئے اندر گئے اور حضور کے چہرہ انور کو کھولا اور دوزانو بیٹھ کر بوسہ دیا۔ اس وقت آپ روتے جاتے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ آپ نے وفات پائی ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی پاکیزہ آپ کی زندگی وموت ہے۔ اسے طبری نے ریاض میں ذکر کیا۔ بعض روایتوں میں یہ ہے کہ آپ کے چہرہ انور سے چادر اٹھائی اور اپنا منہ حضور کے چہرۂ انور پر رکھ کر سونگھنے لگے۔ پھر چادر الٹ دی یعنی آپ نے موت کی بوسونگھی۔

بارگاہ رسالت میں حضرت صدیق اکبرؓ کی حاضری اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بوسہ دینا:

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر گھوڑے پر اپنے مکان مقام سخ سے جو

مدینہ کے کنارے بنی حارث اور بن خزرج کے قبیلہ کے پاس تھا اور حضور کے کاشانہ اقدس سے وہاں تک ایک میل کا فاصلہ تھا واپس آئے۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ مسجد نبوی میں اترے اور کسی سے بات نہ کی سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں داخل ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پہنچے۔ آپ اس وقت یمنی چادر میں پوشیدہ تھے تو انہوں نے آپ کا چہرہ کھولا پھر اوندھے منہ ہوکر بوسہ دیا اور روکر کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان! اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپ پر دو مرتبہ موت جمع نہیں کرے گا۔ پہلی موت جو آپ پر مقدر تھی یہی ہے جسے آپ نے قبول فرمایا۔ بخاری نے اسے روایت کیا۔

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) پر دو موتیں جمع نہ ہونے کے مفاہیم و مطالب:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس قول میں کہ ''اللہ تعالیٰ آپ پر دو مرتبہ موت جمع نہیں کرے گا'' اس کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ ظاہر معنی پر ہے۔ اس میں ان لوگوں کے گمان کے رد کی طرف اشارہ ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ پھر زندہ ہوکر تشریف لائیں گے اور لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے۔ اس لئے کہ ان کا یہ گمان صحیح ہوتو لازم آتا ہے آپ پر دوبارہ موت آئے گی۔ لہٰذا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خبردار کردیا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور کا بڑا اکرام ہے وہ آپ پر دو موتیں جمع نہیں فرمائے گا جیسا کہ اوروں پر جمع کی یعنی ان لوگوں کی مانند جو اپنے وطن سے ہزاروں کی تعداد میں نکلے تھے (یہ وہ لوگ تھے جو وباء طاعون کے خوف سے بھاگے تھے۔ ان کو اچانک موت آئی اور پھر زندہ ہوئے تھے) اور نہ اس شخص کی طرح جو ایک گاؤں پر سے گزرے تھے (اس سے حضرت عزیر علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے مترجم) اور کسی نے کہا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ آپ کو قبر میں دوبارہ موت نہ ہوگی جیسے اوروں کو ہوتی ہے کہ وہ زندہ کیے جاتے ہیں تاکہ (منکر نکیر کے) سوال و جواب ہوں۔ پھر انہیں موت دے دی

جاتی ہے اور کسی نے کہا اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی وفات کے ساتھ آپ کی شریعت کی موت جمع نہیں کرے گا۔ اور کسی نے کہا کہ دوسری موت کا کنایہ کرب و بے چینی ہے یعنی آج کے دن حضور نے جو کرب و بے چینی برداشت کی ہے اس کے بعد کوئی کرب و بے چینی نہ ہوگی۔ یہ فتح الباری کا قول ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کا خطبہ دینا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب باہر تشریف لائے تو حضرت عمر لوگوں سے باتیں کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا اے عمر بیٹھ جاؤ۔ انہوں نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ تب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انہیں چھوڑ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے لوگو تم میں سے جو کوئی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا وہ سن لے کہ آپ وصال فرما چکے اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ بھی سن لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے جس پر کبھی موت نہ طاری ہوگی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل الاية**۔ یعنی سن لو حضور تو اللہ کے رسول ہیں۔ آپ سے پہلے بھی بکثرت رسول گزر چکے ہیں۔ آخر آیت تک راوی کا قول ہے کہ خدا کی قسم لوگوں کو گویا یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ اللہ نے یہ آیت بھی نازل فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ ابوبکر نے یہ آیت تلاوت کی۔

اور صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے خطبہ دینا شروع کیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے پس انہوں نے اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا آگاہ ہو جاؤ جو حضور کی پرستش کرتا تھا۔ جان لے کہ حضور نے وصال فرمالیا اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو سن لے کہ وہ حی لا یموت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **انک میت وانهم میتون الاية** بیشک آپ کو بھی وفات آنی ہے اور انہیں بھی مرنا ہے اور فرمایا **وما محمد الا رسول** الآیہ راوی کا قول ہے کہ

اس کے بعد لوگوں کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ ابن ابی شیبہ سے مروی ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات نہیں پائی ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ منافقین کو ہلاک کرے اور ایک روایت میں کہ اللہ تعالیٰ منافقین کو فنا کرے۔ راوی کا قول ہے کہ منافقین اس وقت خوب خوشیاں منا رہے تھے اور اپنے سروں کو اونچا اٹھا رہے تھے۔ اس وقت حضرت ابوبکر نے فرمایا اے شخص یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاچکے ہیں کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انک میت الآیہ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محبوب ہم نے آپ سے پہلے کسی کو ہمیشگی کی زندگی نہیں دی۔ پھر وہ منبر کی طرف تشریف لائے الحدیث۔

حضرت فاروق اعظم کا حضرت صدیق اکبر کے موقف کی تائید کرنا:

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس وقت سنا جب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت مسجد نبوی میں ہو رہی تھی۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کھڑے ہو کر کلمہ شہادت پڑھا پھر کہا کل میں نے تم سے ایک بات کہی تھی وہ جیسی میں نے تم سے کہی تھی درست نہ تھی۔ خدا کی قسم۔ میں نے جو بات کل کہی تھی نہ تو کتاب اللہ میں پائی اور نہ سنت رسول اللہ میں دیکھی۔ چونکہ میں توقع رکھتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بعد تک زندہ رہیں گے۔ یعنی ہم سب کے بعد حضور وفات پائیں گے۔ یا اور کچھ کہا (شک راوی ہے) اب اللہ تعالیٰ عزوجل نے اپنے رسول کے لئے اس کو پسند کیا جو اس کی مرضی تھی اور جو تمہاری

آرزو تھی اسے قبول نہ کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ ہدایت فرمائی تم اسے مضبوط پکڑ کے ہدایت حاصل کرو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی۔ ابونصر کہتے ہیں کہ گویا کہ حضرت عمر کی وہ تمام باتیں اس شدت غم سے تھیں جو ان پر وصال رسول سے پڑی تھی اور ان کو منافقین کے غلبہ اور فتنے نے خوف زدہ کر دیا تھا۔ جب انہوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پختہ یقین کا مشاہدہ کیا تو انہیں اللہ عز و جل کے فرمان کہ "ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے"۔ کا قائل ہونا پڑا اور اس کا کہ "بلاشبہ آپ بھی وصال فرمانے والے ہیں اور یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں"۔ انتہی۔

ابن عساکر نے ابی ذویب ہذلی سے روایت کی کہ انہوں نے کہا ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہیں۔ سو قبلہ والے اس خبر سے خوف زدہ ہو گئے اور میری رات دراز ہو گئی۔ یہاں تک کہ جب فجر کا وقت قریب ہوا تو غنودگی آ گئی۔ اس وقت ندائے غیبی نے کہا شعر (ترجمہ)

یہ نہایت سخت حادثہ ہے کہ اسلام بیٹھ گیا۔ باغ میں اور سنگین مکانوں کی نشستگاہ میں۔ حضور نبی کریم نے وصال فرمایا پس ہماری آنکھیں آنسوؤں سے بہہ نکلیں آپ کی وفات کے صدمہ میں۔ میں اپنی نیند میں ڈر کر اچھل پڑا اور آسمان کی طرف دیکھا تو دو چمکتے ستاروں کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ اس سے میں نے جان لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں۔ یا آپ قریب الوفات ہیں۔ پھر مدینہ منورہ دوڑتا آیا تو وہاں اہل مدینہ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ جیسے کہ حاجی بوقت احرام تلبیہ مل کر پڑھتے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کیا ہوا؟ تو کسی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما چکے ہیں۔

وقت وصال مہر نبوت کا اٹھالیا جانا:

علامہ دمیری نے حیوۃ الحیوان میں بروایت واقدی اپنے شیخ سے نقل کیا کہ وہ کہتے

ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت میں شک وتردد ہوا تو اسماء بنت عمیس نے اپنا ہاتھ حضور کے مونڈھوں کے درمیان رکھا پھر انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں کیونکہ آپ کے مونڈھوں سے مہر نبوت اٹھا لی گئی۔ یہی بات تھی جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی اس کو بیہقی اور ابو نعیم نے نقل کیا۔

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جسم اطہر کی برکتیں:

حضرت ام سلمہ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنا ہاتھ بوقت رحلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ انور پر رکھا تھا۔ اس کے بعد مدتوں تک باوجودیکہ میں کھانا بھی کھاتی ہوں وضو بھی کرتی ہوں۔ مگر میرے ہاتھوں سے مشک جیسی خوشبو نہ گئی۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وصال پر ملک الموت کی آہ زاری:

ابو نعیم نے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ وہ کہتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی تو ملک الموت روتے ہوئے آسمان پر چڑھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ میں ایک غیبی آواز کو آسمان سے ندا کرتے سنا کہ ہائے رسول اللہ ہر ایک مصیبت آپ کی جدائی کی مصیبت سے ہلکی ہے اور سنن ابن ماجہ میں ہے کہ آپ نے اپنی علالت کے زمانہ میں فرمایا اے لوگو جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو اس وقت چاہئے کہ عین اس مصیبت میں جو دوسری وجہ سے اس کو پہنچی ہے میری اس مصیبت کی تعزیت کر لے کیونکہ میری امت میں سے کوئی شخص میرے بعد ہرگز ایسی مصیبت میں مبتلا نہ ہو گا جو میری اس مصیبت (یعنی وفات) سے زیادہ سخت ہو۔

غسل شریف:

جب لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت سے فارغ ہو گئے اور اللہ نے ان کو اس اہتمام میں جس میں صحابہ کرام بعد وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوشش کر رہے تھے۔

سب کو جمع کر دیا اور امر خلافت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ٹھہر گئی۔ تب تمام صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے۔ مروی ہے کہ کسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے غسل دیا گیا فرمایا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے باریک یمنی چادر سے پہلے پردہ کیا (چونکہ حضور کثیر الحیاء تھے مترجم) اس کے بعد یہ سنت تمام صلحاء امت میں پھیل گئی۔ پھر ہاشمی مردوں کو جو کلہ اور دیوا روں کے بیچ میں بیٹھے تھے اجازت دی۔ پھر حضرت عباس کلہ (سراپردہ) میں داخل ہوئے اور حضرت علی اور حضرت فضل اور حضرت ابوسفیان بن حارث اور اسامہ بن زید کو بلایا جب یہ سب کلہ (سراپردہ) میں جمع ہو گئے تو ان سب پر اور جو کلہ (سراپردہ) سے باہر گھر میں تھے نیند غالب ہوگئی۔ اس کے بعد ندائے غیبی نے متنبہ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ غسل دو۔ آپ سرتاپا پاکیزہ ہیں۔ حضرت عباس نے فرمایا خبردار! ہم ضرور غسل دیں گے۔ اہل بیت نے کہا یہ ندا صادق ہے غسل نہ دو۔ حضرت عباس نے فرمایا ہم (ایسی آواز کے اوپر جسے ہم جانتے تک نہیں کیوں کر سنت کو ترک کردیں)۔ اس کے بعد ان پر پھر دوبارہ نیند کا غلبہ ہوگیا۔ پھر ندائے غیبی نے متنبہ کیا کہ حضور کو مع آپ کے ملبوسات کے غسل دو۔ اس وقت اہل بیت نے بھی کہا ہاں نہ مانو۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ جب حضرت عباس کلہ (سراپردہ) میں غسل کے لئے داخل ہوئے تو چوکڑی مار کر (مربعہ) بیٹھ گئے اور حضرت علی کو بھی چوکڑی مار کر (مربعہ) بیٹھنے کو کہا دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں نے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اس وقت یہ ندا آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدھا لٹا دو پھر غسل دو اور پردہ کرو، تب انہوں نے تختہ سے الگ ہو کر حضور کو سیدھا لٹا دیا اور تختہ کی پائنتی غرب اور سرہانا مشرق کی جانب کر دیا اس کے بعد غسل دینا شروع کیا اس حال میں حضور کے جسم اقدس پر آپ کی قمیص تھی اور اس کی آستین ایک جانب سے کھلی ہوئی تھی اور خالص پانی سے غسل دیا اور کافور کی خوشبو ملی گئی۔ پھر قمیص اور محول کو نچوڑ ڈالا اور سجدہ گاہ اور

مفاصل (جوڑوں) پر دھونی دی گئی اور اسی خالص پانی سے وضو کرایا یعنی چہرہ، دونوں ہاتھ اور دونوں ہتھیلیاں۔ پھر قمیص اور محول پر کفن پہنا دیا اور طاق مرتبہ عود (اگر) کی دھونی دی گئی پھر آپ کو اٹھا کر تخت مبارک (تابوت) پر لٹا دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اپنے نبی کا پردہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری پردہ پوشی کرے گا۔

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کپڑوں سمیت غسل دیا گیا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کا ارادہ کیا تو اس میں ان کا اختلاف ہوا۔ کہنے لگے خدا کی قسم ہم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملبوسات (کپڑے) اتار لیں جیسے ہم اپنے مردوں کے کپڑے اتار لیتے ہیں یا آپ کو انہیں ملبوسات (کپڑوں) سمیت غسل دیں۔ جب اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند غالب کر دی حتیٰ کہ ہر ایک کی ٹھوڑی سینہ پر تھی تو گھر کے ایک گوشہ سے یہ آواز آئی اور معلوم نہیں وہ کون تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملبوسات (کپڑوں) سمیت غسل دو۔ پھر وہ غسل کے لئے آمادہ ہوئے اور قمیص مبارک سمیت غسل دیا۔

اور مشکوٰۃ میں ہے کہ پانی کو قمیض مبارک کے اوپر سے ڈالا اور قمیص سے ملتے جاتے تھے۔ اسے بیہقی نے دلائل النبوۃ میں بیان کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتیں۔ اگر مجھے اپنے حال کی پہلے سے خبر ہوتی جو بعد کو سمجھی ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی ازواج کے سوا کوئی غسل نہ دیتا۔ بکثرت شخصوں سے مروی ہے کہ جن لوگوں نے حضور کے غسل دینے کا ذمہ لیا تھا وہ حضور کے چچا کے صاحب زادہ (ابن عباس) حضرت علی، ابن ابی طالب اور حضور کے چچا عباس بن عبد المطلب اور ان کے دونوں فرزند فضل اور قثم اور حضور کے محبوب اسامہ بن زید اور حضور کا غلام شقران تھے۔ (رضی اللہ عنہم) جب یہ سب حضرات آپ کے غسل کے لئے جمع ہو گئے تو اوس بن خولی انصاری نے جو بنی عوف بن

خزرج کے قبیلہ سے بدری ہیں۔ دروازہ کے باہر سے حضرت علی ابن ابی طالب کو پکار کر کہا اے علی میں تم سے خدا کے واسطے رسول اللہ کی خدمت میں حصہ مانگتا ہوں۔ تو حضرت علیؓ نے ان سے کہا آ جاؤ تو وہ بھی غسل میں حاضر ہو گئے۔ مگر غسل میں کچھ حصہ نہ لے سکے۔ کسی نے بیان کیا وہ پانی اٹھا کر دیتے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ نے مع قمیص مبارک کے اپنے سینہ سے ٹیک لگائی اور حضرت عباس اور فضل وقثم حضرت علی کے ساتھ پہلو بدلنے کی خدمت میں تھے اور اسامہ وشقران آپ پر پانی بہاتے تھے اور ان کی آنکھیں پٹی سے بندھی تھیں۔ کیونکہ حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ (فرمایا) مجھ کو تمہارے سوا کوئی غسل نہ دے اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے سوا آپ کو کوئی غسل نہ دے کیونکہ فرمایا میرا ستر کوئی نہ دیکھے۔ ورنہ اس کی آنکھیں جاتی رہیں گی۔ اسی طرح سیرت مغلطائی میں ہے۔

اور الشفا میں ہے کہ حضرت علی پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دیتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس سے کوئی چیز دکھائی نہ دی جو بالعموم مردوں کے دکھائی دیتی ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ کی موت وحیات کتنی پاکیزہ ہے۔ ابن ماجہ نے جید سند کے ساتھ حضرت علیؓ سے مرفوعاً بیان کیا کہ جب میں وفات پا جاؤں تو مجھے میرے کنوئیں اور غرس کے کنوئیں کے سات مشک پانی سے غسل دینا۔ غرس کے بارے میں صاحب نہایہ نے کہا یہ لفظ غین معجمہ کے زبر اور راء وسین کے سکون سے ہے۔ یہ وہ کنواں ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیا کرتے تھے۔ ابن نجار بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا آج رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں سویرے جنت کے کنویں پر پہنچا ہوں سو آپ غرس کے کنویں پر صبح کو تشریف لے گئے۔ وضو کیا پھر اس میں لعاب دہن ڈالا۔ یہ سمہودی کی تاریخ مدینہ میں مذکور ہے۔ حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر قمیص مبارک کے نیچے ڈالا۔ یہ سیرت مغلطائی میں ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ پہلا

غسل تو خالص پانی سے اور دوسرا بیری کے پتوں کے پانی سے اور تیسرا کافور کے پانی سے تھا۔ جعفر بن محمد سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ چشم میں پانی جمع ہوتا تو حضرت علی اسے پی لیا کرتے تھے۔

حضرت علی کے زود فہم و حفظ کی وجہ:

شواہد النبوۃ میں ہے کہ حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا آپ کے فہم و حافظ کا سبب کیا ہے۔ فرمایا جب میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تو جو پانی حلقہ چشم میں جمع ہوتا اسے میں اپنی زبان سے چوس لیا کرتا اور نگل جایا کرتا تھا لہٰذا اپنی قوت حافظہ اسی کی برکت سے میں جانتا ہوں۔ کہا گیا ہے کہ حضرت علی اور فضل دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا۔ اس وقت حضرت علی کو ایک ندا آئی کہ اپنی نگاہ آسمان کی طرف کرو۔ یہ الشفاء میں مذکور ہے۔

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کفن کیسا تھا؟:

جب یہ حضرات آپ کے غسل سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے جسم اطہر کو خشک کیا پھر وہ کیا جو مردوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ پھر تین کپڑوں کا کفن دیا۔ دو کپڑے تو سفید تھے اور ایک یمنی چادر تھی الاکتفاء میں ہے کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا کہ دو کپڑے اور ایک چادر تھی فرمایا چادریں لائے تو تھے لیکن انہیں واپس کر دیا تھا اور ان کا کفن نہیں دیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو ریطہ (ہلکی چادر) اور ایک نجرانی چادر کا کفن دیا گیا۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے فرماتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روئی کے تین سفید سحولی چادروں کا کفن دیا گیا سحولی یمن کے ایک شہر کا نام ہے۔ اس میں نہ قمیص تھی نہ عمامہ۔ فرماتی ہیں۔ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی علالت کے زمانہ میں ان کے پاس گئی۔ میں نے آپ کے اس

کپڑے کو دیکھا جس میں آپ علیل تھے اور اس میں زعفران کے دھبے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میرے اس کپڑے کو دھو کر اس میں دو کپڑے زیادہ کر کے مجھے کفن دے دینا۔ میں نے عرض کیا یہ تو پرانا ہے فرمایا نئے کے لئے مردوں سے زیادہ زندہ حق دار ہے۔ چونکہ وہ تجارت کرتا ہے اسے بخاری نے بیان کیا اور موطا ابوعبداللہ امام مالک بن انس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین یمنی چادروں کا کفن دیا گیا۔ جس میں دو سحاری (دہلی) چادریں تھیں اور ابوداؤد نے بیان کیا کہ تین نجرانی چادریں تھیں۔ الاکلیل میں ہے کہ سات کپڑں کا کفن دیا گیا۔ سب میں تطبیق یہ ہے کہ اس میں قمیص اور عمامہ شمار نہ تھا۔ ایک مفرد اور ضعیف حدیث میں ہے۔ جسے یزید بن ابی زیاد نے روایت کی کہ کپڑوں کو کافور میں بسایا گیا اور ایک روایت میں ہے کہ مشک میں۔ اسی طرح سیرت مغلطائی میں ہے۔ عروہ کی حدیث میں جو حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سحولی کے سفید تین کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ اس کو نسائی نے بروایت عبدالرزاق وہ معمر وہ زہری وہ عروہ سے بیان کیا۔ اس پر ائمہ ستہ متفق ہیں جو ہشام بن عروہ نے حضرت عائشہ سے روایت کی اس میں اتنا زیادہ ہے کہ وہ روئی کے تھے۔ جس میں نہ قمیص تھی نہ عمامہ اور بیہقی کی روایت میں نئے تین سحولی کپڑے ہیں۔ السحولی سین کے زبر اور پیش کے ساتھ ہے نووی نے کہا زبر زیادہ مشہور ہے۔ اکثر راویوں کی یہی روایت ہے زبر کے ساتھ سحول کی طرف منسوب ہیں۔ جس کے معنی دھوبی کے ہیں۔ اس لئے کہ وہ کپڑے دھوتا ہے یا اس سحول کی طرف منسوب ہے جو یمن میں ایک گاؤں ہے لیکن پیش کے ساتھ بولنا تو یہ سحل کی جمع ہوگی۔ جس کے معنی سفید وصاف کپڑے ہوں گے۔ جو روئی کے ہی ہوں۔ یہ محاورہ شاذ ہے۔ کیونکہ یہ جمع کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ کسی نے کہا پیش کے ساتھ ایک گاؤں کا نام ہے اور الکرسف کاف کے پیش اور راء کے سکون اور سین مہملہ کے پیش اور فاء کے ساتھ روئی کے معنی میں ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفین کے بارے

میں مختلف روایتیں مروی ہیں۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ان سب میں
زیادہ صحیح ہے اور صحابہ وغیرہ صحابہ کے اکثر علماء کا اسی پر عمل ہے۔ بیہقی نے خلافیات میں کہا
کہ ابو عبید اللہ یعنی حاکم کہتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ اور ابن عباس اور عائشہ اور ابن عمر اور
جابر بن عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفین کے بارے میں
متواتر حدیثیں مروی ہیں۔ کہ تین کپڑے تھے جس میں نہ قمیص تھی نہ عمامہ۔ عبداللہ ابن محمد
بن عقیل سے وہ ابن حنفیہ نے وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سات کپڑوں کا کفن دیا گیا اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند
میں بیان کیا اور ابن حزم کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ابن عقیل سے یا بعد والوں میں کسی سے
وہم واقع ہوا ہے اور حدیث کے لفظ کہ ''اس میں نہ قمیص تھی نہ عمامہ'' کے معنی میں اختلاف
ہے۔ صحیح معنی تو یہ ہیں کہ ہرگز کفن میں نہ تو قمیص تھی اور نہ عمامہ اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ آپ
کو تین کپڑوں کا کفن دیا گیا جو قمیص اور عمامہ کے علاوہ تھے۔ شیخ تقی الدین ابن دقیق العید
نے کہا کہ پہلے معنی مراد ہیں زیادہ ظاہر ہیں۔ امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں بیان کیا پہلے
معنی کے جمہور علماء قائل ہیں اور کہا کہ یہی درست ہے جو ظاہر حدیث کا اقتضاء ہے اور کہا کہ
دوسرے معنی ضعیف ہیں کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ کفن میں قمیص اور عمامہ بھی تھا۔ انتہی علماء نے
کہا کہ حدیث کی تفسیر میں اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا کفن
میں قمیص اور عمامہ کا ہونا مستحب ہے یا نہیں۔ چنانچہ علماء نے تین کپڑوں کے ساتھ قمیص اور
عمامہ زیادہ کرنے میں اختلاف کیا۔ کیونکہ یہ مل کر پانچ ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا حنبلی علماء نے تو
مکروہ بتایا اور شافعی علماء نے جائز غیر مستحب کہا اور مالکی علماء نے اسے مرد و عورت دونوں
کے لئے مستحب بتایا۔ بلکہ عورتوں کے لئے تاکید کرتے ہوئے کہا کہ سات کپڑوں تک
زیادتی مکروہ نہیں ہے۔ اس سے زیادہ بیجا اور اسراف ہے اور علماء احناف نے کہا کہ تین
کپڑے یہ ہیں۔ (۱) ازار (تہ بند)۔ (۲) قمیص۔ (۳) لفافہ اور حدیث میں یہ دلالت ہے

کہ وہ قمیص جس میں حضور کو غسل دیا گیا تھا کفن دیتے وقت اتار لیا گیا تھا امام نووی مسلم کی شرح میں کہتے ہیں کہ یہی درست ہے جس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ لیکن وہ حدیث جو سنن ابوداؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کپڑوں کا کفن دیا گیا حلہ دو کپڑے اور وہ قمیص جس میں آپ نے وفات پائی۔ تو یہ حدیث ضعیف ہے اس سے حجت قائم کرنی صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس کے راویوں میں ایک راوی یزید بن زید ہے۔ اس کے ضعف پر تو محدثین کا اجماع ہے۔ بالخصوص اس روایت میں جو ثقہ راویوں کی حدیث کے خلاف ہو۔

نماز جنازہ یا درود شریف:

حضرت امام محمد سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ کی نمازہ بغیر امام و جماعت کے ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ تنہا تنہا کہ کوئی ان کا امام نہ تھا۔ گروہ کے گروہ مسلمانوں کے داخل ہوئے اور آپ پر صلوٰۃ پڑھتے اور چلے جاتے پس جب وہ صلوٰۃ پڑھ چکتے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے جنازہ اور اہل جنازہ کو چھوڑ دو۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی اور عباس اور بنو ہاشم نے صلوٰۃ پڑھی۔ اس کے بعد مہاجرین پھر انصار پھر اور لوگوں نے آپ پر تنہا تنہا کہ کوئی ان کا امام نہ تھا صلوٰۃ پڑھی۔ اس کے بعد عورتیں پھر بچے۔ ایک قول یہ ہے۔ آپ نے اس کی وصیت فرمائی تھی کہ سب سے پہلے جو مجھ پر صلوٰۃ پڑھے گا وہ میرا رب پھر جبرئیل پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر ملک الموت مع اپنے لشکر کے پھر فرشتے پھر تم سب گروہ در گروہ آخر حدیث تک۔ اس حدیث میں ضعف ہے بلکہ وہ دعا مانگتے تھے اور چلے جاتے تھے۔ ابن ماجشون کہتے ہیں جب یہ پوچھا گیا کتنی بار آپ پر صلوٰۃ پڑھی گئی کہا ستر مرتبہ۔ پھر کسی نے کہا تمہیں یہ کہاں سے معلوم ہوا کہا اس صندوق سے جسے امام مالک نے اپنے ہاتھ کا لکھا چھوڑا تھا۔ نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت

کی۔اسی طرح سیرت مغلطائی میں ہے۔ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ جب تجہیز سے منگل کے دن فارغ ہو گئے تو آپ کو اس سریر(چارپائی) پر رکھا جو آپ کے کاشانہ اقدس میں تھا۔ پھر لوگ گروہ در گروہ آتے تھے اور صلوٰۃ پڑھتے جاتے تھے۔ جب سب فارغ ہو گئے تو عورتیں داخل ہوئیں۔ یہاں تک کہ وہ فارغ ہوئیں تو بچے گئے۔آپ کی صلوٰۃ پر کسی نے امامت نہ کی ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے جنہوں نے صلوٰۃ پڑھی وہ ملائکہ کی جماعتیں تھیں پھر اہل بیت پھر لوگوں کی جماعتیں۔ پھر آخر میں عورتوں نے۔مروی ہے جب اہل بیت نے صلوٰۃ پڑھی تو لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ کیا پڑھیں۔تب انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ نے ان سے کہا کہ حضرت علی سے دریافت کرو۔پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا یہ پڑھو۔

ان اللہ وملئکته یصلون علی النبی یا ایها الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما لبیک اللھم ربنا وسعدیک صلوات اللہ البرالرحیم والملئکة المقرّبین والنبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وما سبح لک من شیی یا رب العالمین علیٰ محمد بن عبداللہ خاتم النبیین وسید المرسلین و امام المتقین ورسول رب العلمین الشاھد، البشیر الداعی الیک باذنک السراج المنیر وعلیه السلام

”اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں اے مسلمانو تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔ہم حاضر ہیں۔اے اللہ ہمارے رب ہم حاضر ہیں۔اللہ کی رحمتیں ہوں جو نیکوکار اور مہربان ہے اور مقرب فرشتوں،نبیوں،شہیدوں،صالحوں اور وہ جو پاکی سے تیرا نام لیں اے رب العالمین سب کی طرف سے صلوٰۃ وسلام ہو۔حضور محمد بن عبداللہ خاتم النبیین،سید المرسلین،امام المتقین،رسول رب العلمین۔جو حاضر و ناظر اور بشارت دینے والے،تیرے حکم سے تیری طرف بلانے والے روشن چراغ پر اور آپ پر سلام ہو“۔

شیخ زین الدین مراغی نے اپنی کتاب تحقیق النصرۃ میں اسے بیان کیا۔

کیفیت تدفین وقبر مبارک:

مدینہ منورہ میں دو شخص گورکن تھے۔ ایک بغلی قبر کھودتا اور دوسرا صندوقی قبر کھودتا تھا۔ حضرت عباسؓ نے دونوں کو بلایا اور کہا کہ تم میں سے ایک تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے پاس جائے یہ گورکن مکہ والوں کے لئے قبریں تیار کیا کرتا تھا اور دوسرے کو کہا تم ابوطلحہ انصاری کے پاس جاؤ یہ گورکن مدینہ والوں کے لئے قبریں تیار کرتا تھا۔ اس کے بعد حضرت عباس نے دعا کی کہ اے خدا تو اپنے رسول کے لئے بہتر کرنا پس وہ دونوں گئے جو شخص حضرت ابوعبیدہ کی طرف گیا تھا اسے وہ نہیں ملے۔ اور جو شخص ابوطلحہ کے پاس گیا تھا اسے وہ مل گئے۔ پس انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر بغلی تیار کی۔ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں آپ کے دفن کی جگہ میں اختلاف رونما ہوا کہ مکہ میں مدفون ہوں یا مدینہ میں بقیع کے اندر یا قدس میں۔ یہاں تک کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہر نبی اسی مقام پر دفن کیا گیا جہاں اس نے وفات پائی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اسی جگہ وفات دی جو جگہ اسے محبوب ہو۔ کہ وہیں دفن کیا جائے۔ لہٰذا حضورؐ کے بستر کو ہٹا کر وہیں بستر کے نیچے قبر تیار کرو۔ حضرت علی ابن ابی طالب حضرت عباس اور ان کے دونوں صاحب زادے فضل اور قثم حضور کی قبر انور میں اترے۔ یہ حضرت قثم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات میں آخری تھے۔ اس لئے کہ یہ سب سے آخر میں حضور کی قبر انور سے باہر نکلے لیکن مغیرہ کا وہ قصہ کہ اپنی انگوٹھی کو قبر شریف میں ڈال دینا اور اس کے نکالنے کے لئے آخر میں اترنا تو یہ صحیح نہیں ہے واللہ اعلم۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام شقران اور اوس بن خولی نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کہا اے علی! میں تم سے اللہ کے واسطے اپنا حصہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگتا ہوں۔ حضرت علی نے ان سے کہا اتر آؤ۔ پس وہ اپنی قوم کے ساتھ اترے اور وہ پانچ مرد تھے۔ ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور کی قبر شریف میں حضرت علی، عباس، عقیل بن ابی طالب، اسامہ بن زید، ابن عوف اور اوس بن خولی اترے۔ یہی وہ حضرات تھے جو حضور کی تکفین کے ذمہ دار تھے۔ لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔

ایک اہم علمی اور تحقیقی بحث:

جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر شریف میں اتارا جارہا تھا تو شقران نے سرخ رنگ کی نجرانی چادر جو خیبر کے دن ملی تھی اور جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوڑھتے اور بچھاتے تھے لے کر حضور کے نیچے بچھادی وہ چادر آپ ہی کے ساتھ قبر شریف میں دفن ہوگئی اس نے کہا کہ خدا کی قسم آپ کے بعد کوئی اس کو اوڑھ نہیں سکتا تھا اور آپ کی قبر شریف میں کچی اینٹیں لگائی گئیں۔ کسی نے کہا کہ وہ نو اینٹیں تھیں۔ کسی نے بیان کیا کہ جب اینٹیں رکھی جاچکیں تو وہ چادر نکال لی تھی۔ یہ ابوعمر اور حاکم کا قول ہے۔ امام نووی نے فرمایا کہ امام شافعی اور ان کے تمام اصحاب وغیرہ علماء نے صاف کہا کہ میت کے نیچے قبر میں مخملی چادر وغیرہ کا بچھانا مکروہ ہے اور ہمارے اصحاب میں سے صرف بغوی نے علیحدگی اختیار کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ان کی حجت یہی حدیث ہے اور صحیح بات یہی ہے کہ یہ مکروہ ہے جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے۔ علماء اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ کام تنہا شقران کا تھا اور صحابہ میں سے کسی نے بھی اس کی موافقت نہیں کی اور شقران نے اسی مصلحت سے بچھادی تھی جو ہم نے بیان کی کہ اسے یہ بات ناپسند تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اسے استعمال کرے۔ انتہیٰ۔ اور یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ قبر شریف میں نو اینٹیں رکھنے کے بعد اس چادر کو نکال لیا گیا جیسا کہ سیرت مغلطائی میں ہے۔ پھر آپ کی لحد پر مٹی

ڈال کر قبر کو مسطح کر دیا گیا۔ اور مشکوٰۃ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے آپ کی قبر انور پر پانی چھڑ کا وہ حضرت بلال بن ابن رباح تھے انہوں نے ایک مشک لے کر سرہانے سے پائنتی تک پانی چھڑکا۔ بیہقی نے اسے دلائل النبوۃ میں ذکر کیا۔

حضور (ﷺ) کی قبر مبارک کیسی بنائی گئی؟:

سفیان بن نمار سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور کی قبر انور کو مسنم یعنی کوہان نما دیکھا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابی بکر بن عیاش کی حدیث سے ہے کہ انہوں نے آپ کی قبر انور کو مسنم یعنی اونچا کوہان نما دیکھا۔ ابونعیم نے متخرج میں اتنا زیادہ کیا کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی قبر بھی ایسی ہی ہیں۔ اسی سے یہ استدلال کیا گیا کہ قبروں کو مسنم کوہان نما بنانا مستحب ہے۔ یہی قول امام ابوحنیفہ، امام مالک۔ امام احمد، مزنی اور اکثر شوافع رحمہم اللہ کا ہے اور کچھ قدیم شوافع نے مسطح قبر کو مستحب جانا۔ ممکن ہے کہ پہلے مسطح ہو۔

ابوداؤد و حاکم نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قاسم بن محمد کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف اور آپ کے دونوں مصاحب رضی اللہ عنہما کی قبریں کھولی تھیں۔ یہ کل تین قبریں تھیں نہ تو بہت اونچی اور نہ بہت پست زمین سے ملی ہوئی میدان کے سرخ رنگ کے پتھروں سے چنی ہوئی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ پتھر سرخ وسفید ہیں اور آپکی قبر انور زمین سے بقدر ایک بالشت بلند ہے۔ یہ واقعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کے زمانہ میں ہوا۔ گویا کہ یہ پہلے مسطح تھیں اس کے بعد جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کی امارت کے زمانہ میں جب کہ وہ ولید بن عبدالملک کی طرف سے مدینہ منورہ میں امیر تھے۔ قبر انور کی دیواریں اٹھائی گئیں تو اس وقت قبر شریف کو اونچا کیا گیا۔ اس کے بعد اس میں اختلاف پیدا ہوا کہ مسطح افضل ہے یا مسنم۔ دراصل دونوں جائز ہیں مگر مسطح تو ترجیح ہے۔ کیونکہ امام مسلم نے فضالہ بن عبید کی حدیث روایت کی کہ وہ ایک قبر کے پاس

آئے تو برابر کردی پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور سب سے آگے ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قبر حضور کے سر مبارک کے نزدیک مونڈھوں کے مقابل اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبر دونوں کی پائنتی اس طرح ہے۔

قبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

قبر عمر رضی اللہ عنہ

قبر ابوبکر رضی اللہ عنہ

خلاصۃ الوفاء میں علامہ سمہودی نے اسی طرح نقل کیا ہے اور رزین نے ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقدم ہیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سر مبارک کے نزدیک مونڈھوں کے مقابل اور حضرت ابوبکرؓ کے پاؤں آگے نکل گئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نیچے اس طرح پر ہے۔

قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قبر ابوبکر رضی اللہ عنہ

قبر عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ وہ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس آخری علالت کے زمانہ میں فرمایا اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا دیا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ کی قبر شریف کھلی رکھی جاتی۔ مگر ڈرائے گئے۔ شک راوی ہے کہ یہ صیغہ مجہول ہے یا معروف کہ لوگ مسجد بنالیں۔ بصیغہ، مجہول کی بنا پر تو ضمیر اس میں شان کی ہے جس کا مقتضا یہ ہے کہ انہوں نے یہ عمل اپنے اجتہاد سے کیا اور بصیغہ معروف یہ مطلب نکلتا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور ابر ز قبرہ کے یہ معنی ہیں کہ آپ کی قبر انور کھلی ہوئی ہوتی اور کوئی دیوار وغیرہ حائل نہ ہوتی۔ مقصد یہ ہے کہ گھر سے باہر دفن کیے جاتے اور اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

مسجد کی توسیع سے پہلے فرمایا کرتی تھیں اسی بنا پر مسجد نبوی کی توسیع کی گئی تو ان کے حجرے کو مثلث شکل میں محدود کر دیا۔ تا کہ کسی کو یہ جرات نہ ہو کہ وہ قبلہ کی طرف منہ کر کے قبر انور کے سامنے نماز پڑھ سکے۔ مؤرخین نے سعید بن میسب سے نقل کیا ہے کہ اس حجرے میں شرقی کونے کی جانب ایک قبر کی جگہ خالی ہے جس میں حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام دفن ہوں گے۔

تدفین کا وقت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کرنے کے وقت میں اختلاف ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کی ہمیں خبر نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ منگل کے دن صبح کے وقت پھاوڑے (مساحی) کی آواز سنی اور موطا میں ہے کہ امام مالک کو یہ خبر پہنچی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر کے دن وصال فرمایا اور منگل کے دن دفن کئے گئے۔ ترمذی نے بیان کیا کہ رات کے وقت اسی جگہ جہاں وصال ہوا۔ محمد ابن اسحٰق سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوشنبہ کو وفات پائی۔ اس روز اور منگل کی رات تک ٹھہرے رہے اور بدھ کی رات کو دفن کئے گئے۔ ایک قول یہ ہے کہ منگل کے دن بعد زوال آفتاب دفن کئے گئے۔

تدفین میں تاخیر کی وجوہات:

شعبی کی کفایہ میں ہے کہ لوگوں نے بدھ کے دن صلوٰۃ پڑھی، پھر دفن کئے گئے۔ اب اگر تم یہ اعتراض کرو۔ کس وجہ سے تدفین میں تاخیر ہوئی۔ حالانکہ حضور نے اپنی اہل بیت سے ان کے مردوں کے لئے فرمایا۔ جبکہ انہوں نے دیر لگائی تھی کہ اپنے مردوں کے دفن میں جلدی کیا کرو دیر نہ لگایا کرو۔ تو جواب یہ ہے کہ اس کا سبب آپ کی وفات پر ان کا عدم اتفاق ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا یا یہ کہ جائے مدفن میں ان کا اختلاف تھا یا کہ یہ حضرات اس خلاف میں

مصروف تھے جومہاجرین وانصار میں پیدا ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ امر خلافت جو دین کے اہم امور میں سے تھا طے ہو گیا اور سب نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی۔ اس کے بعد ان سب نے دوبارہ پھر مجمع عام میں بیعت کر لی۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کی طرف متوجہ ہوئے۔ لہٰذا ان حضرات نے غسل دیا کفن دیا اور دفن کر دیا واللہ اعلم۔

دارمی میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ ہے انہوں نے کہا کہ میں نے اس دن سے زیادہ روشن واحسن نہیں دیکھا۔ جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں (مدینہ منورہ) تشریف لائے اور میں نے اس دن سے زیادہ برا اور تاریک دن نہ دیکھا جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔ ترمذی میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ ہے انہوں نے کہا کہ جب وہ دن ہوا جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو وہاں کی ہر چیز منور ہو گئی اور جب وہ دن آیا جس دن آپ نے وصال فرمایا تو ہر چیز تاریک ہو گئی۔ ابھی ہم نے اپنے ہاتھوں سے مٹی نہ جھاڑی تھی اور دفن میں مصروف تھے کہ ہمارے دل پھر گئے۔

حضرت فاطمہ الزہراء کی گریہ وزاری:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دفن کیے جا چکے۔ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زیارت کے لئے آئیں تو کہنے لگیں تمہارے دلوں نے کیسے قبول کر لیا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالو۔ بخاری نے اسے بیان کیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب آپ کے دفن سے فارغ ہوئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور کہنے لگیں اے ابوالحسن تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر دیا کہا کہ ہاں! فرمانے لگیں تمہارے دل نے کیسے گوارا کر لیا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالو۔ کیا آپ نبی الرحمتہ نہ تھے فرمایا ہاں تھے تو سہی لیکن حکم الٰہی کو کون ٹال سکتا ہے۔ پھر بیٹھ کر رونے لگیں اور فرماتیں یا ابتاہ (اے ابا

جان) "رسول الله واہ نبی الرحمة"۔اب وحی نہیں آئے گی۔اب ہم سے جبرئیل جدا ہو گئے۔اے خدا میری روح کو حضور کی روح کے ساتھ ملحق فرمادے اور آپ کے چہرے انور کے دیدار سے سیراب کر دے اور بروز قیامت مجھے آپ کے اجر و شفاعت سے محروم نہ کرنا۔ایک روایت میں ہے کہ تربت اطہر کی مٹی ہاتھ میں لے کر سونگھی پھر یہ شعر پڑھا (ترجمہ) اسے کیا مضائقہ جس نے حضور کے تربت کی مٹی سونگھی۔پھر وہ ہمیشہ کبھی خوشبو نہ سونگھے۔میرے اوپر وہ مصیبتیں آپڑی ہیں کہ اگر وہ دنوں پر پڑتیں تو راتیں ہو جاتیں۔الاکتفاء میں جو شعر حضرت علی یا حضرت فاطمہ کی طرف منسوب ہیں وہ یہی دونوں شعر ہیں۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور علالت کی وجہ سے ضعیف ہو گئے اور اٹھنا دشوار ہو گیا۔تب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہائے باپ کی تکلیف! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔تمہارے باپ کو آج کے بعد کوئی تکلیف نہیں ہے۔جب حضور نے وفات پائی تو کہا اے والد ماجد آپ کا مسکن تو جنت الفردوس ہے۔ہائے والد ماجد جبرئیل سے خبر وفات سنی۔

پھر جب حضور دفن کئے گئے تو کہا اے انس تمہارا دل اس پر راضی ہو گیا کہ تم رسول اللہ پر مٹی ڈالو۔اسے صرف بخاری نے بیان کیا اور طبرانی نے اتنا زیادہ کیا اے والد ماجد اپنے رب سے کتنے قریب ہو گئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا صفر چھ مہینے حیات رہیں اور اس مدت میں آپ کبھی نہ ہنسیں اور حق یہ ہے کہ انہیں یہی سزاوار تھا۔حضرت انس سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر گیا اس وقت وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں رو کر یہ شعر پڑھ رہی تھیں (ترجمہ) اے وہ نبی جو جو کی روٹی سے بھی کبھی شکم سیر نہ ہوئے۔اے وہ نبی جو چٹائی کو تخت پر پسند فرمائیں۔اے وہ نبی جو تمام رات کبھی نہ سویا۔دوزخ کے مالک کے خوف سے۔

بعد از وصال حضرت صدیق اکبرؓ کی حاضری:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آئے تو انہوں نے اپنا منہ حضور کے چشمائے مبارک پر اور اپنے ہاتھ حضور کی کنپٹیوں پر رکھ کر کہا ہائے نبی۔ ہائے خلیل، ہائے صفی اور ایک روایت میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو حضرت ابو بکر آئے اور حضور کے پاس پہنچ کر پردہ اٹھایا۔ چہرۂ انور سے کپڑا اٹھا کر انا لله وانا اليه راجعون پڑھا۔ پھر کہا خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی۔ پھر سرہانے کی طرف جا کر کہا ہائے نبی۔ پھر اپنا منہ جھکا کر حضور کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ پھر سر اٹھا کر کہا ہائے خلیل۔ پھر سر جھکا کر پیشانی کا بوسہ لیا اور کہا ہائے صفی۔ پھر اپنا سر جھکا کر پیشانی کا بوسہ لیا۔ اس کے بعد کپڑا ڈھک دیا اور باہر چلے گئے۔ ابو العباس القصاب نے بوصیری کے قصیدہ بردہ کی شرح میں کہا جب حضرت عمر فاروق کو حضرت ابو بکر صدیق کے کہنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر یقین آیا اور اپنے قول سے رجوع کیا تو اس وقت رو کر کہا میرے ماں باپ قربان اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیشک وہ کھجور کا ستون جس پر آپ ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے پھر لوگوں کی زیادتی کے وقت آپ نے خطبہ سنانے کے لئے منبر بنایا تھا۔ تو آپ کے فراق میں وہ روتا تھا۔ یہاں تک ہ آپ نے اپنا دست مبارک رکھا تب وہ ساکن ہوا تھا تو آپ کی امت تو آپ کے فراق میں رونے کی زیادہ سزاوار ہے۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ خدا کی بارگاہ میں آپ کی فضیلت معلوم ہے کہ اس نے آپ کی طاعت کو اپنی طاعت فرمایا اور ارشاد ہوا کہ جس نے رسول کی فرمانبرداری کی اس نے بیشک اللہ کی اطاعت کی۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ آپ کی فضیلت خدا کی بارگاہ میں معلوم ہے کہ آپ کی بعثت

تو تمام نبیوں کے بعد ہے۔ مگر آپ کا ذکر سب سے پہلے ہے۔ فرمایا۔

لقد اخذ نامن النبیین میثاقھم الایۃ۔ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان خدا کی بارگاہ میں آپ کی فضیلت معلوم ہے کہ جہنمی تمنا کریں گے کہ کاش آپ کی اطاعت کرتے، حالانکہ وہ طبقات جہنم میں عذاب پا رہے ہوں گے، کہیں گے کاش ہم اللہ کی اطاعت کرتے اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے۔ ابوالجوزاء نے کہا کہ ایک مدنی شخص تھا۔ جب اسے کوئی مصیبت پہنچتی تو اس کا بھائی آکر اس سے مصافحہ کرتا اور کہتا اے عبداللہ اللہ سے ڈر۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں عمدہ خصلت ہے۔ کسی شاعر نے کہا (ترجمہ) ہر مصیبت پر صبر کر اور تحمل کر اور جان لے کہ آدمی ہمیشہ رہنے والا نہیں اور صبر کر جیسا بزرگوں نے صبر کیا ہے کیونکہ مصیبت ایک ایسی سختی ہے جو آج ہے اور کل جاتی رہے گی اور جب تم مصیبت میں مبتلا ہو اور اس سے غمگین ہو تو اپنی مصیبت کو نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت سے بدل دو دوسرے شاعر نے کہا (ترجمہ) مجھے وہ وقت یاد ہے جب زمانہ نے ہم میں جدائی کر دی تھی اس وقت میں نے اپنی جان کی تعزیت حضور سے کی اور میں نے اپنی جان سے کہا موت تو ہماری راہ ہے۔ لہٰذا جو شخص آج نہیں مرا تو کل مر جائے گا۔

اذان بلالی سے مدینہ میں آہ وفغاں:

مروی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب اذان دیتے اور کہتے "اشھد ان محمد رسول اللہ" تو مسجد گریہ وزاری سے گونج جاتی۔ جب حضور کی تدفین ہوگئی تو حضرت بلال نے اذان دینی ترک کر دی شعر (ترجمہ) اگر فراق کا ذائقہ رضوی پہاڑ چکھتا تو یقیناً وہ اپنی جگہ سے ہل جاتا۔ مجھ پر شوق کا عذاب اتنا ڈال دیا کہ لوہا اس کی برداشت سے عاجز ہے۔

حضرت صفیہ کے اشعار:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بکثرت نوحہ میں اشعار کہے۔ چنانچہ کہتی ہیں (ترجمہ) ہاں اے اللہ کے رسول آپ ہماری آرزو تھے اور آپ ہم پر احسان فرماتے کبھی ظلم نہیں کرتے تھے۔ آپ رحیم، ہدایت کرنے والے اور تعلیم دینے والے تھے۔ آج آپ پر ہر رونے والا خوب روتا ہے۔ آپ کی حیات مبارکہ کی قسم ایک میں ہی آپ کے فراق میں نہیں رو رہی ہوں۔ لیکن مجھے آپ کے آئندہ فراق نے ڈرا دیا۔ گویا میرا دل آپ کے ذکر سے بھرپور ہے۔ مجھے خوف ہے ان حوادث کا جو آپ کے بعد پہنچیں گے۔ میں کیوں کر صبر کروں۔ اللہ تعالیٰ جو حضور کا رب ہے رحمت نازل کرے۔ اس پر جس نے یثرب (طیبہ) میں جگہ لی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میری ماں، خالہ، چچا اور ماموں اس کے بعد میری جان و مال قربان۔ اگر پروردگار عالم حضور کو باقی رکھتا تو ہم بہت خوش ہوتے۔ مگر اس کا حکم تو پورا ہونا ہی ہے۔ اللہ کی جانب سے سلام وتحیت آپ پر ہو اور آپ جنت کے باغوں میں خوش وخرم رہیں۔

حضرت ابوسفیان کے اشعار:

ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب حضور کے چچازاد بھائی رضی اللہ عنہ نے بھی یہ نوحہ کہا ہے۔ شعر (ترجمہ) میری نیند جاتی رہی میرا غم لازوال ہے اور مصیبت زدہ کی رات طویل ہوا کرتی ہے۔ رونے نے میری مدد کی اور یہ اس مصیبت سے جو مسلمانوں پر پڑی ہے کم ہے۔ بلاشبہ ہماری مصیبت بڑی اور ظاہر ہے۔ اس رات سے جس میں کسی نے کہا کہ رسول اللہ نے وفات پائی اور ہماری زمین اس مصیبت سے جو اس کو ڈھانپ لے۔ ایسی ہوگئی کہ قریب ہے کہ اس کے کنارے ہم پر جھک پڑیں یقیناً ہم نے گم کردیا اس وحی وتنزیل کو جو جبرئیل صبح وشام لے کر ہمارے پاس آیا کرتے تھے اور یہی زیادہ سزاوار ہے اے جس

پر یہ مصیبت پڑی کہ ان کے دل بہہ جائیں یا آئندہ بہا کریں۔ یہ نبی اس شان کے تھے کہ ہم سے شک مٹا دیا کرتے اس وحی کے ذریعہ جو آپ پر اترتی اور اپنے ارشاد سے اور جو ہمیں ہدایت فرماتے پھر گمراہی کا خطرہ نہ رہتا۔ یہ رسول ہمارے رہبر تھے۔ اے فاطمہ اگر تم صبر کرو یہ اچھی راہ ہے۔ تمہارے والد ماجد کی قبر انور تمام قبروں کی پیشوا ہے کیونکہ اس میں لوگوں کے سردار رسول مکرم ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ نوحہ پڑھا۔ شعر (ترجمہ) جب میں نے اپنے نبی کو بے حس و حرکت دیکھا تو کشادگی کے باوجود تمام گھر مجھ پر تنگ ہو گیا۔ اس وقت میرا دل مر جانے کو چاہتا تھا۔ اب میری ہڈیاں تا زیست شکستہ رہیں گی۔ اے عتیق! تیرا محبوب افسوس گزر گیا۔ اب تجھے تا بہ زندگی صبر کرنا ہے۔ اے کاش میں اپنے آقا کی رحلت سے پہلے ہلاک ہو جاتا میں قبر میں پوشیدہ ہوتا اور میرے اوپر پتھر ہوتے۔ یقیناً آپ کے بعد وہ حوادث رونما ہوں گے جن سے پسلیاں اور سینے گھٹ جائیں گے۔ نیز یہ نوحہ بھی کہا (ترجمہ) وحی نے ہمیں چھوڑ دیا جب سے آپ ہم سے جدا ہوئے۔ اب ہم اللہ کے کلام سے محروم ہو گئے۔ بجز اس کلام کے جو آپ ہمارے لئے چھوڑ گئے ہیں۔ جو مکرم کاغذوں پر مشتمل ہے۔ حضرت حسان نے یہ پڑھا۔ ہماری آنکھوں کی روشنی آپ ہی تھے۔ اب آپ کے دیدار سے ہماری آنکھیں نا دید ہو گئیں۔ آپ کے بعد اب جو چاہے مرے۔ مجھے تو آپ کی موت کا خوف تھا''۔

میراث و ترکہ اور اس کا حکم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت رحلت روپیہ پیسہ اور غلام وغیرہ کچھ نہ چھوڑا۔ بجز ایک سفید خچر۔ ہتھیار اور اس زمین کے جس کو خیرات کر دیا تھا۔ خلاصۃ السیر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت کے دن دو یمنی چادر، ایک عمانی تہ بند، دو سحاری

کپڑے، ایک صحاری قمیص، ایک سحولی قمیص، ایک یمنی جبہ، ایک حاشیہ دار سفید چادر اور تین چار چھوٹی چھوٹی مستعمل ٹوپیاں اور ایک پانچ بالشت لمبا تہ بند اور ورس میں رنگی ہوئی ایک چادر ترکہ میں چھوڑیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم گروہ انبیاء سے ہیں جو ہم چھوڑتے ہیں اس میں ورثہ نہیں ہوتا بلکہ صدقہ ہوتا ہے اور آپ نے فرمایا میرے ورثاء روپیہ تقسیم نہیں کریں گے۔ اپنی ازواج کے نفقہ اور عیال کے خرچہ کے بعد جو بچے وہ صدقہ ہے۔

حضرت فاطمہؓ کا حضرت صدیق اکبرؓ سے ترکہ کا مطالبہ کرنا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور فرمایا تمہارا وارث کون ہے فرمایا میری اولاد اور میری اہل تب حضرت فاطمہ نے کہا پھر کیوں میرے والد کا ورثہ نہیں ملا۔ اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے سنا ہے کہ **لانورث الحدیث** یعنی کوئی ہمارا وارث نہیں۔ لیکن میں اس کے خرچہ کا ذمہ دار ہو جاؤں۔ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرچہ مرحمت فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حضور کے ترکہ، خیبر، فدک اور مدینہ کے صدقات میں سے میراث مانگی۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ہمارا کوئی وارث نہیں جو ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو میراث دینے سے انکار کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کے دل میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ بات گھر کر گئی۔ پھر اس مطالبہ کو ہمیشہ کے لئے ترک فرما دیا۔ یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔ پس جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رحلت ہوئی تو ان کے شوہر حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے رات کے وقت

(پردہ کی وجہ سے) دفن کر دیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی اس کی خبر نہ دی اور آپ پر حضرت علیؓ نے نماز جنازہ پڑھی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ کی وجہ سے لوگوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وجاہت تھی۔ جب آپ وفات پا گئیں۔ تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اپنے سے کشیدہ دیکھا۔ تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مصالحت کر کے ان کی بیعت کر لی۔ چونکہ حضرت علی نے ان مہینوں تک بیعت نہیں کی تھی اب ان کے بعد بیعت کی۔

حضرت صدیق اکبرؓ کا حضرت فاطمہؓ کی عیادت کرنا:

صحیحین میں مروی ہے اور بیہقی نے شعبی سے روایت کی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی علالت کے زمانہ عیادت فرمائی۔ اس وقت حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا یہ ابوبکر ہیں جو اجازت طلب کرتے ہیں۔ حضرت فاطمہ نے فرمایا کیا تم اسے دوست رکھتے ہو کہ میں انہیں اجازت دے دوں۔ حضرت نے فرمایا ہاں۔ تب حضرت فاطمہ نے اجازت دے دی پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اندر آئے اور ان کو خوش کیا حتیٰ کہ حضرت فاطمہ خوش ہو گئیں۔ ایسا ہی وفا میں ہے محب طبری کی ریاض النضرۃ میں ہے کہ حضرت فاطمہ کے پاس حضرت ابوبکر پہنچے عذر خواہی میں گفتگو کی پھر وہ خوش ہوئیں اور اوزاعی سے مروی ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے۔ حضرت فاطمہ حضرت ابوبکر سے ناراض ہو گئی تھیں پھر حضرت ابوبکر حضرت فاطمہ کے پاس پہنچے حتیٰ کہ گرمی کے دن میں ان کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ فرمایا میں اس وقت تک یہاں سے نہ ہٹوں گا جب تک مجھ سے بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہ ہو جائیں۔ حضرت علیؓ حضرت فاطمہ کے پاس پہنچے اور ان کو قسم دی کہ وہ ان سے راضی ہو جائیں تب وہ راضی ہو گئیں۔ اسے ابن سمان نے الموافقہ میں بیان کیا۔ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے خلافت فاروقی میں میراث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں منازعت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہم سے فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ نبی کا تمام مال صدقہ ہے، بجز اس کے کہ جو وہ کھالیں ہمارا کوئی وارث نہیں۔ سب نے کہا اے خدا یہی صحیح ہے۔

قبر شریف کی زیارت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریشی، ہاشمی، مکی، مدنی، ابو القاسم محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم خاتم الانبیاء والمرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کی قبر شریف کی زیارت مندوب ومستحب ہے۔ مستحبات میں سب سے زیادہ مؤکدہ اور عبادات میں سب سے زیادہ فضیلت والی واجب کے قریب قریب اس شخص کے لئے جس کو گنجائش اور قدرت ہو۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جس کو وسعت ہو اور وہ میری زیارت کو نہ آئے یقیناً اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ میری امت کا ہر وہ شخص جس کو وسعت ہو اور میری زیارت نہ کرے تو اللہ کے نزدیک اس کا کوئی عذر نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ فرمایا جو شخص میری زیارت کو آیا اور اس کا مقصود صرف میری ہی زیارت ہو تو میرے اوپر حق ہے کہ میں بروز قیامت اس کی شفاعت کروں۔ اسے حافظ ابو علی بن سکن نے روایت کیا۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے میری قبر انور کی زیارت کی مجھ پر اس کی شفاعت واجب ہے۔ ابن عبد الحق نے اسے صحیح بتایا ان کے والد پر رحمت ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جس نے میری رحلت کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری حیات ظاہری میں میری زیارت کی۔ اس باب میں بکثرت روایتیں مروی ہیں جس قدر ہم نے بیان کردی ہیں کافی ہیں۔ لہٰذا جب زائر گھر سے چلے اور مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہو تو راستہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف کی کثرت رکھے۔ کیونکہ اس راہ میں چلنے والے کے لئے فرائض کے بعد درود شریف سے بڑھ کر کوئی

عبادت افضل نہیں ہے۔ جب اس کی نظر مدینہ منورہ کے درخت اور حرم پاک پر پہنچے تو درود و سلام میں اور زیادتی کرے اور دعا مانگے کہ دنیا و آخرت میں اس زیارت کی برکت سے متمتع ہو کر سعادت مندی نصیب فرمائے اور یہ کہے کہ **اللھم ان ھذا حرم رسولک الیٰ آخرہ** یعنی اے خدا یہ تیرے رسول کا حرم ہے اس کو میرے لئے نار جہنم سے پناہ اور عذاب آخرت اور برے حساب سے امن بنادے اور مستحب ہے کہ مدینہ منورہ میں داخل ہوتے وقت غسل کرے اور اچھے عمدہ کپڑے پہنے۔ خوشبو ملے اور جس قدر آسان ہو صدقہ کرے پھر یہ پڑھتا ہوا داخل ہو **بسم اللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ** یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع اور اللہ کے رسول کی ملت پر۔ اے رب سچائی کی جگہ مجھے داخل کر اور سچائی کی جگہ مجھے نکال اور بنادے اپنی طرف غالب مددگار۔ پس جب مسجد کے دروازہ پر پہنچے تو اپنا پاؤں داخل کر کے پڑھے اے اللہ میرے گناہ بخش دے اور میرے لئے اپنی رحمت وفضل کے دروازے کھول دے اور جب روضہ مقدسہ کا قصد کرے یہ روضہ آپ کے منبر شریف اور آپ کی قبر شریف کے درمیان مسجد کا حصہ ہے جسے **روضتہ من ریاض الجنۃ** یعنی جنت کے باغ کی ایک کیاری کہا جاتا ہے تو وہاں مصلیٰ نبوی پر **تحیۃ المسجد** ادا کرے اگر میسر ہو ورنہ روضہ کے دوسرے حصہ میں یا مسجد میں کسی جگہ پڑھے۔ پھر یہاں تک یعنی اس بقعہ شریفہ تک پہنچنے پر سجدہ شکر ادا کرے۔ نماز و تلاوت کے ماسواء سجدے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ پھر قبول زیارت کے ساتھ اتمام نعمت کی دعا مانگے۔

بارگاہ رسالت میں حاضری کا طریقہ:

اس کے بعد قبر شریف کے پاس آئے اور حضور کے سر مبارک کی طرف منہ کر کے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو اور جالی شریف کی دیوار پر ہاتھ نہ رکھے اور نہ اسے بوسہ دے۔

کیونکہ یہ اور اس کے علاوہ اور ایسی حرکتیں جاہلوں کا طریقہ ہے۔ یہ سلف صالحین کا طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ دیوار شریف سے تین یا چار گز کے فاصلہ سے کھڑا ہو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما پر حضور قلب کے ساتھ پست آواز اور سکون اعضاء سے یہ پڑھے۔ آپ پر سلام ہو اے رسولوں کے سردار، آپ پر سلام ہو اے نبیوں کے خاتم، آپ پر سلام ہو اے چمکتی پیشانی والوں کے قائد، آپ پر سلام ہو اے وہ رسول جس کو اللہ نے سارے جہان کی رحمت کر کے بھیجا، آپ پر سلام ہو اور آپ کی اہل بیت، ازواج مطہرات اور آپ کے تمام صحابہ پر، آپ پر سلام ہو اے نبی اور اللہ کی رحمت و برکت ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ بجز خدا کے کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول، اس کے امین اور اس کی تمام مخلوق میں برگزیدہ ہو اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ آپ نے رسالت کی تبلیغ فرمائی۔ امانت کو ادا کیا۔ امت کو نصیحت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کا حق ادا کیا اور آپ نے اپنے رب کی عبادت اس وقت تک کی کہ آپ کو وفات آ گئی۔ یا رسول اللہ ہماری طرف سے اللہ تعالیٰ اس سے افضل جزا مرحمت فرمائے جو کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے جزا دی ہو۔ اے خدا ہمارے سردار محمد مصطفیٰ پر اور ہمارے سردار محمد مصطفیٰ کی آل پر ویسا ہی درود بھیج۔ جیسا کہ سیدنا ابراہیم اور سیدنا ابراہیم کی آل پر عالم کے لوگوں میں درود بھیجا اور برکت فرما ہمارے سردار حضور محمد مصطفیٰ پر اور حضور محمد مصطفیٰ کی آل پر جیسے برکت کی تو نے سیدنا ابراہیم اور سیدنا ابراہیم کی آل پر۔ بیشک تو ہی حمد والا برتر ہے۔ اے خدا تو نے فرمایا اور تیرا فرمان حق ہے کہ اگر وہ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ آپ کے پاس حاضر ہوں پھر وہ اللہ سے مغفرت چاہیں اور یہ رسول بھی ان کے لئے مغفرت کریں تو یقیناً اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا پائیں گے۔ اے خدا بیشک ہم نے تیرا فرمان سنا اور تیرے حکم کی اطاعت کی اور تیرے نبی کے دربار میں حاضر ہوئے کہ ہمارے گناہوں کی تیرے یہاں شفاعت کریں۔ اے خدا ہم پر رحمت سے

رجوع کر اور آپ کی زیارت کی برکت سے نیک بخت بنا اور آپ کی شفاعت میں ہمیں داخل کر۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کے دربار میں اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہوئے اور اپنے گناہوں کی مغفرت مانگتے ہوئے حاضر ہوئے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام رؤف ورحیم رکھا۔ پس آپ اس کی شفاعت کریں گے جو آپ کے پاس اپنی جان پر ظلم، اپنے گناہوں کا اقرار اپنے رب سے توبہ کرتا ہوا حاضر آیا۔

کسی شاعر نے ان شعروں کو کہا اور بعضوں نے مناسک کے رسالوں میں بیان کیا ہے۔ شعر (ترجمہ) سے برتر ان لوگوں سے جن کی ہڈیاں ہموار زمین میں دفن ہوئیں۔ پھر ان کی خوشبو سے ہموار زمین اور چٹانیں معطر ہوگئیں میری جان اس قبر انور پر قربان۔ جس میں آپ سکونت پذیر ہیں۔ اسی میں پارسائی ہے اور اسی میں سخاوت وکرم ہے۔ آپ وہ شفیع ہیں جن کی شفاعت کی امید کی گئی ہے اس صراط پر جب کہ قدم ڈگمگانے لگیں گے۔ پھر اپنے لئے اور اپنے والدین اعزاء واحباب کے لئے دعا مانگیں۔ کیونکہ آپ کی بارگاہ میں ہر دعا مقبول ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ہم نے اپنی کتاب تاریخ مدینۃ المسمی بہ جذب القلوب الی دیار المحبوب میں مدینہ طیبہ سے واپسی اور اس کی راہ میں چلنے کے آداب اور مدینہ طیبہ میں داخلہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے آداب اور اس شہر مبارک میں اقامت کے آداب تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ ان کو وہاں ضرور دیکھنا چاہئے۔

خواب میں دیدار سرکار ابدقرار:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں روایت دیدار پر اس مضمون کو ختم کرتے ہیں اور جو کچھ اس سلسلہ میں گفتگوئیں ہیں انہیں بھی بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اتمام کی توفیق مرحمت فرماتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں مقصود کی باگیں ہیں۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں یہ ہے کہ جس نے آپ کو خواب میں دیکھا یقیناً اس نے

حق دیکھا۔ کیونکہ شیطان آپ کی شبیہ اختیار نہیں کر سکتا مسلم میں قتادہ کی ایک روایت ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا بیشک اس نے حق دیکھا اور مسلم میں حضرت جابر کی یہ حدیث بھی ہے کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا یقیناً اس نے مجھ ہی کو دیکھا کیونکہ شیطان کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ میری شبیہ اختیار کر سکے۔ بخاری میں حضرت ابوسعید کی حدیث ہے کہ شیطان مجھ جیسا نہیں ہو سکتا یعنی میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ اس میں مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو فعل سے ملایا گیا۔ بخاری میں ابوقتادہ کی حدیث ہے وہ میری صورت پر دکھائی نہیں دے سکتا معنی یہ کہ اس کی یہ طاقت ہی نہیں کہ میری مماثلت کر سکے مطلب یہ کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مختلف صورتیں بدلنے کی طاقت دی ہے۔ جس صورت کو وہ چاہے مگر یہ اس کی طاقت نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک کی ہم شبیہ بن سکے۔ لہٰذا ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ مقام کا اقتضاء یہ ہے کہ جب دیکھنے والا آپ کا دیدار کرتا ہے تو وہ اسی صورت کریمہ کو دیکھتا ہے جس پر آپ اپنی حیات ظاہری میں تھے۔ حتیٰ کہ بعضوں نے اس مقام پر اتنی تنگی اختیار کی ہے اور کہا ہے لازمی ہے کہ وہ آپ کی اسی صورت مبارکہ کو دیکھے۔ جس پر آپ نے وصال فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ ان سفید بالوں کی گنتی بھی معتبر ہوگی۔ جو بیس تک نہیں پہنچے تھے۔

حماد بن زید سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ جب بھی محمد ابن سیرین سے کوئی بیان کرتا کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے تو کہتے کہ اس صورت کی جو دیکھی ہے کیفیت بیان کرو۔ پس اگر وہ ایسی کیفیت بیان کرتا جس کو وہ نہیں جانتے تھے تو کہتے تم نے دیدار نہیں کیا۔ اس روایت کی سند صحیح ہے حاکم نے عاصم بن کلیب کی سند سے بیان کیا کہ مجھ کو میرے والد نے حدیث سنائی کہا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں دیدار کیا ہے فرمایا کیفیت بیان کرو کہتے ہیں کہ میں نے حسن ابن علی رضی اللہ عنہما کا ذکر کر کے ان کی مشابہت بیان کر دی۔ فرمایا بیشک تم

نے دیدار کیا۔ اس کی سند جید ہے۔ لیکن معارض وہ روایت ہے جو ابن عاصم دوسری سند سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے خواب میں مجھے دیکھا یقیناً اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ میں ہر صورت میں نظر آ سکتا ہوں۔ اس روایت کی سند میں ابن التومۃ ہے جو بسبب اختلاط حواس کے ضعیف ہے اور یہ روایت اس وقت کی ہے جب ابن التومۃ مختل الحواس ہو گئے تھے اس کے بعد سنی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار صفات معلومہ کے ساتھ ہونا ادراک حقیقی ہے اور غیر صفات معلومہ کے ساتھ دیکھنا ادراک مثالی ہے۔ درست بات یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو زمین متغیر نہیں کرتی۔ لہٰذا ذات کریم کا دیکھنا تو حقیقی ہے اور صفات کا ادراک مثال کا دیکھنا ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ حضور کا ارشاد ''جس نے مجھے دیکھا یقیناً اس نے حق دیکھا''۔ کا مطلب یہ ہو کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار اس صورت معروفہ کے ساتھ کیا جو آپ کی حیات ظاہری میں تھی تو یہ دیدار برحق ہے اور جس نے اس کے علاوہ اور کسی صورت پر دیکھا تو یہ دیدار تاویل ہے کہ اس نے حقیقۃً حضور ہی کا دیدار کیا۔ خواہ وہ صفات معروفہ کے ساتھ ہو یا غیر پر۔ انتہی۔ اس کے مقابلہ میں شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ علامہ قاضی عیاض کے کلام سے مجھ کو وہ بات نظر نہیں آتی جو اس کے منافی ہو۔ بلکہ ان کے قول سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں حالت میں مراد حقیقی دیکھنا ہے۔ لیکن پہلی حالت میں خواب دیکھنا تعبیر کا محتاج نہیں ہے اور دوسری حالت میں تعبیر کی حاجت ہے اور اس شخص کے قول سے جو یہ کہتا ہے کہ ''حضور کا خواب دیکھنا صرف صورت معلومہ پر ہی ہوتا ہے''۔ یہ لازم آتا ہے کہ جس نے حضور کو کسی اور صفت پر دیکھا تو اس کا یہ خواب پریشان ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ اگر حضور خواب میں ایسی حالت پر نظر آئیں جو دنیاوی احوال لائقہ کے برخلاف، تو پھر بھی حضور ہی کو دیکھا اور اگر شیطان کو یہ قدرت

ہو جائے کہ حضور کی کسی بات سے جس پر آپ ہیں یا وہ آپ کی طرف منسوب ہے مشابہ ہو جائے تو یقیناً حضور کے اس عام ارشاد سے معارض ہو جائے گا کہ ''شیطان میری مماثلت اختیار نہیں کر سکتا''۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ حضور کے خواب میں دیکھنے کو اسی طرح ہر اس چیز کو جو آپ کی طرح منسوب ہے دیکھنے کو ان توہمات سے بالاتر پاک ومنزہ رکھنا چاہئے۔ کیونکہ یہی اعتقاد حرمت میں برتر اور عصمت میں لائق تر ہے۔ جیسے کہ بیداری میں شیطان سے محفوظ تھے اب اس حدیث کی یہی تاویل صحیح ہے کہ اس سے مراد یہ ہے حضور کی روایت کسی حال میں باطل نہیں ہے اور نہ یہ خواب پریشان ہے بلکہ فی نفسہا حق ہے اگر چہ وہ کسی اور صورت پر دیکھے۔ لہٰذا ان صورتوں کی تصویر شیطان کی طرف سے نہیں ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ یہی قول قاضی ابوبکر بن طیبہ وغیرہ کا ہے اور اس کی تائید میں حضور کا یہ ارشاد ہے کہ ''یقیناً حق دیکھا''۔ اسی طرف قرطبی نے اشارہ کیا اور حدیث میں ہمارے شیخ المشائخ حافظ ابن حجر الہیتمی فرماتے ہیں کہ درست یہی ہے کہ جیسا کہ ہم نے پہلے حضور علیہ السلام کی رویت کے سلسلہ میں کہا کہ یہ عام ہے۔

خواب کی کیفیت دیکھنے والے کے حال سے متعلق ہوتی ہے:

دیکھنے والا کسی حال میں دیکھے۔ بشرطیکہ رویت کسی وقت کی حقیقی صورت پر واقع ہو خواہ عالم شباب کی ہو یا اٹھتے ہوئے شباب کی یا ڈھلتی ہوئی عمر کی یا آخر عمر کی ہو اور کبھی اس کے برخلاف کوئی تعبیر ہوتی ہے۔ جو دیکھنے والے کے حال سے متعلق ہوتی ہے۔ جیسا کہ بعض علماء تعبیر کہتے ہیں کہ جس نے حضور کو بوڑھا (شیخ) دیکھا تو یہ انتہائی سلامتی کی تعبیر ہے اور جس نے آپ کو عالم شباب میں دیکھا تو یہ لڑائی کی تعبیر ہے اور ابوسعید احمد بن محمود بن نصر نے کہا کہ جس نے ہمارے نبی کریم کو آپ کی اپنی حالت وہئیت پر دیکھا تو یہ دیکھنے والے کی درستی حال اور کمال جاہ ومرتبت اور دشمنوں پر فتح یابی کی دلیل ہے اور جس نے آپ کو متغیر الحال مثلاً ترش

رو دیکھا تو یہ دیکھنے والے کی بدحالی کی دلیل ہے اور عارف ابن ابوجمرہ نے کہا کہ جس نے آپ کو اچھی صورت میں دیکھا، تو یہ دیکھنے والے کے دین کی خوبی ہے اور اگر (پناہ بخدا) حضور کے کسی عضو شریف میں عیب و نقص دیکھا تو دیکھنے والے کے دین میں خلل کی دلیل ہے۔ کہتے ہیں یہی بات حق ہے اور یہ تجربہ میں بھی آچکی ہے اسی طریقہ پر پایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں دیدار کرنے سے بڑا فائدہ حاصل ہوتا ہے حتیٰ کہ دیکھنے والے کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی خلل ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو نورانی ہیں۔ مثل مصطفیٰ آئینہ کے۔ آئینہ دیکھنے والے میں جو اچھائی یا برائی ہوتی ہے۔ وہ آئینہ میں اور اس کی ذات میں بے کم وکاست بخوبی نظر آجاتا ہے۔

خواب میں کلام فرمانا:

یہی حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں کلام فرمانے کا ہے کہ اس میں بھی بحث ہے۔ لہذا اس کلام کو آپ کی سنت سے پرکھا جائے گا۔ جو سنت کے مطابق ہو حق ہے جو مخالف ہو وہ سننے والے کی سماعت کی غلطی ہے۔ ثابت ہوا کہ ذات کریم علیہ السلام کا دیکھنا حق ہے۔ غلطی تو دیکھنے والے کی سماعت و بصارت میں ہے۔ فرمایا اسی سلسلے میں جو کچھ میں نے سنا یہ بہتر ہے انتہی۔ اب بندۂ ضعیف کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے حال کی اصلاح فرمائے۔ میں نے سیدی شیخ عارف باللہ عبدالوہاب بن ولی اللہ متقی سے سنا کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ عارف باللہ علی بن حسام الدین متقی سے سنا وہ کہتے ہیں کہ مصر سے ایک استفتاء آیا اس کا مضمون یہ تھا سادات علماء وعرفاء اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں یہ حکم دیتے دیکھا کہ ''شراب پی'' اس کی کیا تعبیر ہونی چاہئے۔

پھر یہ استفسار جس کے پاس بھی پہنچا اس نے کچھ نہ کچھ لکھا اور جو جو تاویلات اور اشارات ذہن میں آئے بیان کئے۔ جب یہ استفتاء شیخ عارف باللہ متبع ومقتدیٰ محمد بن عراق

جو کہ شیخ کامل اور سنت کی پیروی میں نہایت متبع تھے کے پاس آیا اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ دیکھنے والے کی سماعت نے غلطی کی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے تو یہ فرمایا کہ ''شراب مت پی''۔ اس کی سماعت نے غلطی کی کہ اس کی سمجھ میں یہ آیا کہ شراب پی واللہ اعلم۔ واضح ہو کہ ایک اور حدیث میں مسلم کی روایت سے مروی ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو عنقریب وہ بیداری میں بھی دیدار کرلے گا۔ یا یہ ہے کہ گویا اس نے مجھے بیداری میں دیکھ لیا۔ کیونکہ شیطان میری ہم شکل نہیں ہوسکتا۔ اسمٰعیلی کی روایت میں ہے کہ بیشک اس نے بیداری میں مجھے دیکھا۔ یہ قول سیرانی کی جگہ ہے۔ اسی کی مثل ابن ماجہ میں ہے اور اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ترمذی نے صحیح کیا ہے۔ علماء نے ''فسیرا نی فی الیقظة'' کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے چنانچہ ابن بطال نے اس قول کی تفسیر میں یہ مراد لی کہ اس خواب کی تصدیق وصحت اور برحق ہونا بیداری میں معلوم ہو جائے گا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ آخرت میں دیکھ لے گا۔ اسلئے کہ آپ کو آپ کی امت بروز قیامت بیداری کی حالت میں دیدار سے سرفراز ہوگی۔ خواہ اس نے خواب میں آپ کا دیدار کیا ہو یا نہیں۔ مازری کہتے ہیں کہ اگر فکا نمار آنی فی الیقظة کی روایت محفوظ ہے۔ تو اس کے معنی ظاہر ہیں اور اگر فسیر انی فی الیقظة کی روایت محفوظ ہے تو ہوسکتا ہے اس سے اس زمانہ کے لوگ مراد ہوں جو آپ کے پاس ہجرت کر کے نہیں آئے۔ کیونکہ ایسا شخص جب آپ کے خواب میں دیکھے گا تو یہ خواب اس کی علامت ہوگی۔ کہ وہ اس کے بعد بیداری میں دیکھ لے اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ وحی بھیجی ہوگی۔

عالم بیداری میں زیارت کے بارے میں مختلف اقوال:

سیری کے تاویلی معنی میں ایک قول یہ ہے کہ قریب ہے کہ اس خواب کی تعبیر اور صحت بیداری میں دیکھ لے۔ علامہ قاضی عیاض نے یہ احتمال پیدا کر کے جواب دیا ہے کہ اس شخص

کا حضور کو اس صفت معروفہ کے ساتھ جس پر آپ ہیں۔ خواب دیکھنا آخرت میں اس کی عزت وکرامت کا موجب ہوگا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی ایسی خاص وضع پر رویت ہوگی جس میں حضور سے قرب اور علو درجات کی شفاعت ہو۔ اس کے علاوہ اور بھی خصوصیات سے نوازا جائے۔ فرماتے ہیں (ممکن ہے کہ) اللہ تعالیٰ بروز قیامت بعض گنہگاروں کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت سے روکے رکھنے کا کچھ مدت تک عذاب فرمائے۔ ابن ابی جمرہ نے اس کو ایک دوسرے ہی محمل پر حمل کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یا کسی اور سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے خواب میں دیکھا پھر بیدار ہونے کے بعد اس حدیث کے بارے میں سوچتے رہے اس کے بعد وہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں سے کسی کے پاس گئے۔ شاید وہ ان کی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ تو انہوں نے ان کے لئے وہ آئینہ نکالا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ پس انہوں نے اس آئینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت دیکھی اور اپنی صورت نظر نہ آئی۔

غرضیکہ ان جوابات سے پانچ وجوہ حاصل ہوئے ایک یہ کہ خواب بر سبیل تشبیہ وتمثیل ہے۔ اس پر حضور کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے **فکانما رآنی فی الیقظة** (گویا کہ اس نے مجھے بیداری میں دیکھا)

دوسری وجہ کہ **سیری فی الیقظة** (عنقریب بیداری میں دیکھ لے گا) اس کے تاویلی معنی یہ ہیں بر سبیل حقیقت دیکھ لے گا۔ تیسری وجہ یہ کہ یہ خاص اسی زمانہ کے لوگوں کے لئے ہے جو ملاقات سے پہلے ایمان لائے تھے۔ چوتھی وجہ یہ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص حضور کے آئینہ میں حضور کو دیکھ لے گا۔ اگر وہ آئینہ ملنا ممکن ہو۔

شیخ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ محمل بعید تر ہے اور پانچویں وجہ یہ ہے کہ وہ بروز قیامت مزید خصوصیت کے ساتھ دیدار کرے گا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والماب۔**

ماہ ربیع الآخر

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ماہ مکرم ومشرف ربیع الاول کے بعد بطور ضمیمہ و دامن کے ماہ ربیع الآخر کے حالات بیان کردیئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ اس ماہ مبارک کے ظاہری و باطنی فیوضات سے نوازا ہے۔ اس ماہ فاخر ربیع الآخر کے واقعات میں وفات سیدنا ومولانا قطب یگانہ غوث اعظم شیخ الاسلام والمسلمین، غوث الثقلین الشیخ محی الدین ابومحمد عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا ہے اور کچھ وہ بیان جو آپ کی وفات کی تاریخ میں اختلاف واقع ہے اور یہ اشارہ کہ ان اقوال مختلفہ میں کون سا راجح تر ہے اب ہم کہتے ہیں کہ بہجۃ الاسرار میں مذکور ہے۔ یہ کتاب حضرت شیخ کریم ومختار کے حالات میں ثقہ مشائخ کبار کی روایات کے ساتھ مشہور ہے اور اس کتاب کے مصنف اور حضور غوث اعظم کے درمیان صرف دو واسطے ہیں۔ حضور غوث اعظم رحمتہ اللہ رمضان مبارک میں چند دن بیمار رہے اور ان کے پاس مشائخ میں سے شیخ علی بن ہیتی اور شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی اور شیخ ابوالحسن جوسقی وغیرہ موجود تھے۔ اس وقت ایک باوقار خوب صورت شخص حاضر ہوا اور کہا السلام علیکم یا ولی اللہ میں ماہ رمضان ہوں آپ کے پاس اس بات کا عذر کرنے آیا ہوں جو آپ کے لئے میری مدت میں مقدر ہو چکا ہے اور میں آپ کو رخصت کرتا ہوں۔ یہ میرا آپ کے پاس آنا آخری ہے۔ پھر وہ چلا گیا۔ پس حضرت شیخ ہفتہ کی رات نویں ربیع الآخر کو دوسرے سن میں وفات پا گئے اور دوسرا رمضان نہ پایا۔ انتہی اور آپ کے مناقب میں مشائخ نے بیان کیا ہے کہ آپ کی خدمت میں ہر مہینہ رویت ہلال سے قبل حاضری دیتا تھا۔ اگر تقدیر الٰہی سے اس مہینہ میں کوئی عقوبت اور برائی ہوتی تو وہ مہینہ ناپسندیدہ صورت میں آتا اور اگر تقدیر الٰہی سے نعمت وخوبی ہوتی تو اچھی صورت میں آتا تھا۔

بارگاہ غوثیت میں ماہ رجب کا مجسم صورت میں حاضر ہونا:

بہجۃ الاسرار اور خلاصۃ المفاخر فی مناقب الشیخ عبدالقادر مؤلفہ الشیخ العالم عارف و امام عبداللہ یافعی جس کا تکملہ روضۃ الریاحین ہے میں مذکور ہے کہ کئی مشائخ جن میں آپ کے صاحب زادہ سید السادات سیف الدین عبدالوہاب رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں نے فرمایا ہم اپنے پیر و مرشد شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں جمعہ کی سہ پہر کو آخری جمادی الآخری ۵۶۰ھ میں حاضر تھے اور آپ گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک خوب صورت جوان آیا اور آپ کے پاس بیٹھ گیا اور کہا السلام علیک یا ولی اللہ میں ماہ رجب ہوں آپ کو مبارک باد پیش کرنے آیا ہوں کہ تقدیر الٰہی میں اس ماہ میں عام طور پر لوگوں کے لئے کوئی برائی نہیں ہے۔ راوی کا قول ہے کہ اس ماہ رجب میں لوگوں نے بھلائی کے سوا قطعاً برائی نہ دیکھی۔ جب اتوار کا دن اس کا آخری روز ہوا تو ایک بدصورت شخص آیا اور ہم بھی آپ کے پاس حاضر تھے۔ اس نے کہا السلام علیک یا ولی اللہ میں ماہ شعبان ہوں۔ میں آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ تقدیر الٰہی سے مجھ ماہ میں بغداد میں وبا، حجاز میں گرانی، خراسان میں خون ریزی ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا اس نے کہا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اس روایت کے بموجب آپ کا عرس مبارک ربیع الآخر کی نویں تاریخ کو ہونا چاہئے اور یہ وہ تاریخ ہے جس پر ہم نے اپنے پیر و مرشد، امام عارف کامل، شیخ عبدالوہاب قادری متقی مکی قدس سرہ کو پایا ہے۔ شیخ قدس سرہ آپ کے عرس کے دن کے لئے یہی تاریخ یاد رکھتے تھے لیکن اس روایت پر اعتماد کرتے ہوئے یا اس سبب سے کہ اپنے پیر شیخ علی متقی قدس سرہ کو یا کسی اور شیخ کو دیکھا ہو، بیشک ہمارے ملک میں آج کل گیارہویں تاریخ مشہور ہے اور یہی تاریخ آپ کی ہندی اولاد و مشائخ میں متعارف ہے اسی طرح ہمارے شیخ سیدنا السید البہی الرضی الوصی ابوالمحاسن سید شیخ موسیٰ الحسینی الجیلانی (ملتانی مترجم) بن شیخ کامل عارف معظم و مکرم ابوالفتح شیخ حامد

الحسنی الجیلانی نے ''اوراد قادریہ'' سے جو مخدوم اعظم واکرم وامجد وانجم بالاتفاق ولی اللہ ہیں کی تصنیف ہے جن کو مخدوم ثانی اور شیخ عبدالقادر ثانی قدس روحہ کہا جاتا ہے نقل کر کے ذکر کیا ہے اس مقام سے جہاں آپ کے آباؤ اجداد رحمہم اللہ اجمعین کا ذکر ہے اور شیخ امام عبدالوہاب یافعی کی کتاب ''خلاصۃ المفاخر'' اور اپنی مشہور تاریخ جس کا نام ''مراۃ الجنان'' میں مذکور ہے کہ آپ کی وفات ماہ ربیع الآخر ۵۶۰ھ یا ۵۶۱ھ میں ہوئی ہے اور تاریخ معین نہیں کی۔ بایں وجہ یا تو انہیں معلوم نہ ہوئی یا بوجہ اختلاف واقع ہونے کے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کی وفات سترہ تاریخ کو ہوئی۔ یہ بے اصل روایت ہے۔ واللہ اعلم۔

اولیائے کرام کے اعراس کی حقیقت وشرعی ثبوت:

اگر تم یہ کہو کہ ہمارے ملک میں جو مشائخ کرام کی وفات کے دنوں میں عرس کا رواج ہے کیا اس کی اصل ہے اگر تمہارے علم میں اس کی اصل ہے تو بیان کرو؟ تو میں جواب میں کہوں گا۔ میں نے یہی سوال اپنے شیخ امام عبدالوہاب متقی، مکی قدس سرہ سے کیا تھا تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ یہ ہمارے مشائخ کے طریقے اور ان کی عادتیں ہیں اور اس بارے میں ان کی کچھ نیتیں ہیں۔ میں نے پھر عرض کیا کہ تمام دنوں کو چھوڑ کر اسی دن کو کیوں خاص کیا۔ فرمایا ضیافت (مہمان نوازی) مطلق سنت ہے۔ لہٰذا دنوں کی تعیین سے قطع نظر کی جائے گی۔ شریعت میں اس کی نظریں موجود ہیں۔ مثلاً مصافحہ کو بعض مشائخ بعد نماز کرتے ہیں اور جیسے دسویں محرم (عاشورہ) کو سرمہ لگانا، لہٰذا سرمہ لگانا مطلقاً سنت ہے اور اس کی تخصیص کرنا بدعت ہے اس کے بعد فرمایا بعض متاخرین نے مغرب کے مشائخ کرام سے نقل کیا کہ جس دن ان کا رب العزت کی بارگاہ میں وصال ہوا، اس دن ان دنوں کی نسبت خیر و برکت اور نورانیت کے امیدوار ہونا بہت زیادہ ہے۔ پھر انہوں نے بہت عرصہ تک سر جھکایا پھر سر اٹھا کر فرمایا زمانہ ماضی میں تو یہ کچھ بھی نہ تھا یہ تو متاخرین کے مستحسنات میں سے ہے (واللہ تعالیٰ اعلم)

ماہ رجب

(لغت کی کتاب) قاموس میں ہے کہ رجب فلانا یعنی اسے ڈرایا اور اس کی تعظیم کی اور وجباً ور جوباً ور جبہ وارجبہ بھی بولتے ہیں۔ اسی سے رجب نکلا ہے کیونکہ عرب اس کی تعظیم کرتے تھے اور اس کی جمع ارجاب، رجوب اور رجبات جیم کی حرکت کے ساتھ ہے اور رجب میں قربانی کرنے کو ترجیب کہتے ہیں۔ انتہی اور جزری کی ''نہایہ'' میں ہے کہ ترجیب کے معنی تعظیم کرنا ہے۔ یہ رجب **فلان مولاہ عظمہ** (یعنی فلاں نے اپنے مولا کی تعظیم کی) سے ماخوذ ہے اور اسی معنی میں ماہ رجب ہے۔ اس لئے کہ اس کی تعظیم ہوتی ہے اور اسی سے رجب مضر ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔ مضر کی طرف اس کی نسبت اس لئے ہے کہ وہ اس کی تعظیم کرتے تھے اور یہ جو کہا کہ جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔ اس میں اس بات کی تاکید ہے کہ وہ لوگ اسے ہٹادیا کرتے تھے اور ایک مہینہ کو کسی دوسرے مہینہ کی جگہ ٹال دیتے تھے۔ پس وہ (ان کے خیال میں) ٹل جاتا تھا۔ عتیرہ رجب کی قربانی کا نام تھا کہ وہ رجب میں ذبح کرتے تھے۔ انتہی اور اس رجب کو وہ ''اصم'' کہتے تھے۔

ماہ رجب کو ''اصم'' کہنے کی وجہ:

قاموس میں ہے کہ **الاصم** رجب یعنی اصم رجب ہے۔ اس لئے کہ رجب میں کوئی آواز نہیں آتی۔ مثلاً اے فلاں اور یا صاحباہ وغیرہ اور نہایہ میں ہے کہ اللہ کا مہینہ اصم ماہ رجب ہے اس لئے کہ اس میں ہتھیاروں کی آوازیں نہیں سنی جاتیں۔ کیونکہ یہ حرمت کا مہینہ ہے مجاز ایسے انسان کی صفت سے موصوف ہوا جو بہرہ ہو۔ بندۂ مولف کہتا ہے۔ خدا

اسے معاف کرے۔ یہ جو بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ اس ماہ کو اصم اس لئے کہا جاتا ہے کہ قیامت کے دن اپنے آپ کو بہرا بنالے گا اور لوگوں پر بری گواہی جو کسی نے اس مہینہ میں گناہ اور برائیاں کی ہیں نہیں دے گا اور کہہ دے گا کہ میں تو بہرہ ہوں کچھ نہیں سن سکتا اور اسی لئے اسے اللہ کا مہینہ کہا گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عادت سے موصوف ہے کہ وہ بندوں کے عیبوں کو چھپاتا ہے۔ یہ سب بے اصل باتیں ہیں اور اس میں کوئی معقولیت نہیں ہے۔ اس لئے کہ پردہ پوشی (ستاری) کی صفت سے موصوف ہونا کچھ بہرے ہونے کی خصوصیت کا تقاضا نہیں کرتا۔ کیونکہ بہرے پن سے تو صرف اقوال چھپ سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ماہ رجب کے فضائل:

جامع الاصول میں صحاح ستہ کی ایک حدیث بھی ماہ رجب کی فضیلت میں ہم نے نہیں پائی البتہ جامع کبیر میں کچھ حدیثیں ماہ رجب کے فضائل اور اس میں اعمال کی فضیلت میں مذکور ہیں وہ یہ ہیں کہ رجب اللہ کا مہینہ ہے اور شعبان میرا مہینہ اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے۔ اسے ابوالفتح ابن فوارس نے امالی میں حضرت حسن بصری سے مرسلاً روایت کیا۔ بیشک رجب عظمت کا مہینہ ہے۔ اس میں نیکیاں دگنی کی جاتی ہیں۔ جس نے اس کے ایک دن کا روزہ رکھا وہ سال بھر کے روزے کے برابر ہے۔ اسے رافعی نے سعید سے روایت کیا۔ بیشک رجب اللہ کا مہینہ ہے۔ اسے اصم بھی کہتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں جب آتا تو اپنے ہتھیاروں سے کام لینا چھوڑ دیتے اور انہیں اٹھا رکھتے تھے۔ پھر مسافر لوگ امن سے رہتے اور راستہ پر امن ہوجاتا۔ کسی سے کسی کو کوئی خوف نہ ہوتا۔ یہاں تک کہ یہ مہینہ گزر جائے۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا اور کہا کہ اس کا مرفوع ہونا منکر ہے۔ رجب بڑا مہینہ ہے اللہ تعالیٰ اس میں نیکیاں دوچند کردیتا ہے۔ پس جس نے رجب میں ایک دن کا روزہ رکھا گویا اس نے سال بھر روزہ رکھا اور جس

نے اس میں سات دن روزے رکھے تو اس سے جہنم کے ساتوں دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور جس نے اس کے آٹھ دن کے روزے رکھے تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے اور جس نے اس کے دس دن کے روزے رکھے تو وہ اللہ تعالیٰ سے جو مانگے گا ضرور عطا فرمائے گا اور جس نے اس کے پندرہ دن کے روزے رکھے تو آسمان سے منادی پکارے گا تیرے گزشتہ تمام گناہ بخش دیئے گئے۔ اب از سر نو عمل کر جس نے زیادہ عمل کئے اسے زیادہ ثواب دیا جائے گا اور رجب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی میں سوار کیا۔ انہوں نے خود رجب کے روزے رکھے اور ہمراہیوں سے کہا کہ وہ بھی روزہ رکھیں پھر کشتی چھ ماہ تک چل کر یوم عاشورہ کو رکی اور جودی پہاڑ پر اترے۔ پھر حضرت نوح اور ان کے ہمراہیوں نے روزہ رکھا، یہاں تک کہ وحشی جانوروں نے اللہ عزوجل کے شکر کا روزہ رکھا اور یوم عاشورہ کو بنی اسرائیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے دریا پھاڑا اور عاشورے کے دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی توبہ قبول فرمائی اور عاشورے کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اسے طبرانی نے سعد بن ابو راشد سے روایت کیا۔ ماہ رجب میں ایک دن اور ایک رات ایسی ہے جس نے اس دن روزہ رکھا اور اس رات میں قیام کیا تو گویا اس نے زمانہ میں سو برس کے روزے رکھے اور سو برس تک قیام کیا۔ وہ رجب کی ستائیسویں تاریخ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی مہینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت سلمان فارسی سے روایت کیا اور کہا کہ حضرت سلمان سے یہ روایت منکر ہے۔ بلکہ خرشہ بن حر سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ رجب کے روزے میں لوگوں کے ہاتھ پکڑ کر کھانے میں ڈالتے فرماتے رجب، رجب کیا ہے؟ رجب تو صرف ایک مہینہ جس کی زمانہ جاہلیت میں تعظیم کی جاتی تھی۔ جب اسلام آیا تو اس کی تعظیم ترک کر دی گئی اسے ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے اوسط میں روایت کیا۔

رجب کے روزہ داروں کے لئے انعام واکرام:

ابوقلابہ سے مروی ہے انہوں نے کہا رجب کے روزہ داروں کے لئے جنت میں ایک محل ہے اسے ابن عساکر نے بیان کیا۔ عامر بن شبل جرمی سے مروی ہے کہ میں نے ایک شخص سے سنا وہ بیان کرتا تھا کہ میں نے حضرت انس ابن مالک سے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ جنت میں ایک محل ہے جس میں رجب کے روزہ داروں کے سوا کوئی نہ جائے گا۔ اسے ابن شاہین نے ترغیب میں نقل کیا۔ بیشک جنت میں ایک نہر ہے جسے رجب کہتے ہیں۔ دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ شیریں۔ جس نے رجب میں ایک دن کا بھی روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اسے اس نہر سے سیراب کرے گا۔ اسے شیرازی نے ''القاب'' میں نقل کیا اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس سے روایت کی کہ رجب کی پہلی تاریخ کا روزہ تین برس کے گناہوں کا کفارہ ہے اور دوسری تاریخ کا روزہ دو برس کا کفارہ ہے اور تیسری تاریخ کا روزہ ایک برس کا کفارہ ہے پھر ہر ایک دن کا روزہ ایک مہینہ کا کفارہ ہے۔ اسے ابومحمد خلال نے فضائل رجب میں بیان کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ رجب میں ایک رات ہے اس رات کی عبادت کرنے والے کے لئے سو برس کی نیکیاں لکھی جائیں گی اور وہ رات ستائیسویں رجب کی ہے۔ پس جس نے اس میں بارہ رکعت پڑھیں اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر سو مرتبہ اور استغفر اللہ سو مرتبہ اور حضور پر درود شریف سو مرتبہ پڑھی پھر اپنے لئے دنیا و آخرت کی جو چاہا دعا مانگی اور صبح کو روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ بیشک اس کی ہر دعا قبول کرے گا۔ بجز دعائے معصیت کے۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں ابان سے انہوں نے حضرت انسؓ سے روایت کی اور کہا کہ یہ پہلے سے بھی زیادہ ضعیف ہے اور حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رجب آتا تو یہ دعا مانگتے۔ اے خدا رجب اور شعبان میں

ہمارے لئے برکت دے اور ماہ رمضان تک پہنچا دے۔ اسے ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اور ابن نجار نے روایت کی اور ابن عساکر نے اتنا زیادہ کیا کہ جب شب جمعہ آتی تو حضور فرماتے یہ منور رات ہے اور جمعہ کا دن روشن دن ہے اور تنزیہہ الشریعہ میں جو موضوع احادیث کے بیان میں ہے یہ حدیث ہے کہ تمام مہینوں پر ماہ رجب کی فضیلت ایسی ہے جیسے تمام کلاموں پر قرآن کی فضیلت ہے اور حافظ ابن حجر کی تبیین العجب میں یہ حدیث اتنی زیادتی کے ساتھ ہے کہ رجب کی فضیلت تمام مہینوں پر ایسی ہے جیسے قرآن کی فضیلت تمام ذکروں پر ہے اور تمام مہینوں پر شعبان کی فضیلت ایسی ہے جیسے تمام نبیوں پر سید عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ہے اور تمام مہینوں پر رمضان کی فضیلت ایسی ہے جیسے اللہ کی فضیلت تمام بندوں پر ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ اسے سلفی نے روایت کیا اور اس کی سند ثقہ ہے بجز بیت اللہ سقطی کے کہ وہ آفت کا پرکالہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور ایک حدیث یہ ہے کہ ماہ رجب میں ایک دن اور ایک رات ایسی ہے جس نے اس دن روزہ رکھا اور رات کو شب بیداری کی تو اس کے لئے سو برس کے روزوں کا ثواب ہے وہ ستائیس تاریخ ہے۔ اسی تاریخ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اسے دیلمی نے سلیمان سے روایت کیا۔ اس حدیث کی سند میں خالد بن ہیاج ہے اور ابن ہیاج متروک ہے۔ اس کی منکر حدیثیں بکثرت ہیں۔ چونکہ اس حدیث کا محمل خالد بن ہیاج پر ہے وہ آفت کا پرکالہ ہے اور ہناد نسفی کی "فوائد" میں منکر اسناد کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ ستائیسویں رجب کو مجھے نبی مبعوث کیا گیا لہٰذا جو اس دن روزہ رکھے اور بوقت افطار دعا مانگے اس کے دس سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا اور ابو معاذ شاہ مروزی کی حصہ کتاب میں جو فضائل رجب میں عبد العزیز کتانی کی تصنیف ہے۔ ضمرہ کی سند سے ابن شوزب سے وہ مطر وراق سے وہ شہر بن خوشب سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے کہ جس نے رجب کی ستائیسویں کا روزہ رکھا۔ اللہ تعالیٰ اس

کے لئے ساٹھ مہینے کے روزے کا ثواب لکھے گا اور یہ وہ دن ہے کہ اس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جبرئیل علیہ السلام رسالت لے کر آئے اور یہ روایت اس معنی کی تمام روایتوں میں زیادہ مناسب ہے ایک حدیث یہ ہے کہ جس نے رجب میں ایک دن کا روزہ رکھا اور اس کی راتوں میں کسی ایک رات کی شب بیداری کی تو اللہ تعالیٰ اسے بروز قیامت امن کے ساتھ اٹھائے گا اور پل صراط پر لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر پڑھتا ہوا گزر جائے گا۔ آخر حدیث تک۔ اسے دارمی نے جابرؓ سے بسند اسمٰعیل ابن یحییٰ تیمی بیان کیا۔ ایک حدیث یہ ہے کہ جس نے ماہ رجب میں ایک رات شب بیداری کی اور دن کو روزہ رکھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے میوے کھلائے گا اور اسے جنتی لباس پہنائے گا اور سیل بند شراب پلائے گا۔ اسے دارمی نے حسین بن علی سے روایت کیا۔ اس میں حصین بن مخارف داخل ہے (جو کہ مطعون ہے) ایک حدیث یہ ہے کہ ماہ رجب حرمت والے مہینوں میں سے اور اس کے ایام چھٹے آسمان کے دروازوں پر لکھے ہوئے ہیں۔ پس جب کوئی شخص اس کے کسی دن کا روزہ رکھتا ہے اور اپنے روزے کو تقویٰ الٰہی سے نکھارتا ہے تو وہ دن اور اس دن کا روزہ گویا ہوتے ہیں۔ اے رب اس کو بخش دے اور اگر تقویٰ الٰہی سے اس نے اس روزہ کو پورا نہ کیا تو وہ دونوں اس کے لئے استغفار نہیں کرتے اور کہتے ہیں تجھ کو تیرے نفس نے فریب دیا۔ اسے ابن شاہین اور دارمی نے ابوسعید سے روایت کیا۔ اس میں اسمٰعیل تیمی ہے ایک حدیث یہ ہے کہ ماہ رجب اللہ کا گونگا عالی مرتبہ مہینہ ہے۔ جسے اللہ نے اپنے لئے خاص کر رکھا ہے جس نے اس ماہ میں کسی ایک دن ایمان وثواب کے لئے روزہ رکھا۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا مستوجب ہوگا اور رمضان کا مہینہ میری امت کا مہینہ ہے۔ اس میں ان کے گناہ فنا کر دیئے جاتے ہیں۔ جب مسلمان بندہ روزہ رکھتا ہے اور جھوٹ نہیں بولتا اور نہ غیبت کرتا ہے اور اس کا افطار پاکیزہ ہوتا ہے۔ تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا صاف ہو جاتا ہے جیسے سانپ اپنی کینچلی ڈال کر صاف ہو جاتا ہے۔ اس کو حاکم نے اپنی تاریخ میں ابوسعید سے

روایت کیا۔ اس کی سند میں ابو ہارون مہدی اور عصام بن طلیق کسی کام کے نہیں ہیں۔ میں کہتا ہوں شاید کہ ابو ہارون آفت کا پرکالہ ہے کیونکہ سب نے ہی اسے جھوٹا کہا ہے۔ حتیٰ کہ بعض تو یہاں تک کہتے ہیں وہ فرعون سے بھی زیادہ جھوٹا ہے۔ ابودرداء سے یہ حدیث مروی ہے کہ ان سے کسی نے رجب کے روزے کے بارے میں پوچھا فرمایا تو نے ایسے مہینہ کے بارے میں پوچھا ہے جس کی زمانہ جاہلیت کے لوگ تعظیم کرتے تھے اور اسلام نے اس کو سوائے فضل اور تعظیم کے اور کچھ زیادہ نہیں کیا۔ پس جو اس کے کسی ایک دن کا روزہ ثواب جان کر نفل رکھے جو صرف اللہ کے لئے ہو تو اس کا یہ روزہ اس دن کے غضب الٰہی کو بجھا دے گا اور دوزخ کے دروازوں میں سے ایک دروازہ بند کر دے گا اور اگر اسے زمین پر سونا دیا جائے تو یہ اس کا روزہ کا بدلہ نہیں ہو سکتا اور دنیا کی کسی شے سے اس کا اجر پورا نہیں ہو سکتا بجز روز قیامت کے اور شام کے وقت اس روزہ دار کی دس دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ پس اگر وہ دنیا کی کوئی چیز فوراً مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے دے دیتا ہے اور اس کے واسطے خیر کا ذخیرہ اتنا بہتر محفوظ رہتا ہے کہ اللہ کے ولی اور اس کے محبوب وصفی میں سے کسی دعا کرنے والے نے مانگا اور جس نے دو روزے رکھے تو اس کے واسطے اتنا ہی ہے اور اس کے لئے اس کے ساتھ دس صدیقوں کا ثواب ہے جو کہ انہوں نے تمام عمر میں کیا ہو کہیں تک بڑھ جائے اور جس نے تین روزے رکھے تو اس کے لئے اتنا ہی ہے اور بوقت افطار اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے اس بندہ کا حق واجب ہو چکا اور اس کے لئے میری محبت اور میری دوستی واجب ہو چکی۔ اے میرے فرشتو! تم گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اس کے تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے اور جس نے اس کے چار دن کا روزہ رکھا تو اس کے لئے اتنا ہی ہے اور بروز قیامت اسی حال میں اٹھے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح اور اس کی نیکیاں عالج کے ریگستان کے برابر لکھی جائیں گی اور جنت میں داخل کیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا۔ خدا سے جو جی چاہے مانگ اور جس نے اس کے چھ دن کا روزہ رکھا تو اس

کے لئے اتنا ہی ہے اور ایسا نور دیا جائے گا جس سے قیامت کے دن تمام لوگ اس سے منور ہوں گے اور آمنین میں اٹھایا جائے گا۔ حتیٰ کہ صراط پر بے حساب گزر جائے گا اور ماں باپ کی ایذا دہی اور قطع رحم معاف کیا جائے گا اور اس کی قبر سے ایک نور نکلے گا اور اس کا چہرہ چمکتا ہوگا جس سے مجمع روشن ہو جائے گا یہاں تک کہ لوگ گمان کریں گے یہ نبی مصطفیٰ ہیں؟ کیونکہ ادنیٰ عنایت یہ ہوگی کہ بلا حساب جنت میں جائے گا اور جس نے اس کے دس دن کے روزے رکھے تو اسے خوبی ہے خوبی۔ اس کے لئے اتنا ہی اور اس کا دس گنا۔ وہ ان میں سے ہوگا جن کے گناہ نیکیوں سے بدل دیئے جائیں گے۔ وہ خدا کے نیکو کار مقربین میں ہوگا۔ وہ ایسا ہوگا جس نے گویا ایک ہزار سال روزہ رکھا۔ شب بیداری کی، صبر کیا، ثواب کا امیدوار رہا اور جس نے بیس دن کے روزے رکھے تو اس کا اجر اتنا ہوگا اور بیس گنا ہوگا اور وہ ان میں سے ہوگا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبہ میں مزاحمت کریں گے اور ربیعہ اور مضر کے قبیلے والوں کے برابر لوگوں کے گناہوں کی شفاعت کرے گا اور جس نے تیس روزے پورے کر دیئے تو اس کے لئے اتنا ہی ہے اور تیس گنا زیادہ ہوگا اور آسمان سے منادی ندا کرے گا مبارک ہو اے اللہ کے ولی۔ تیرے لئے بڑا مرتبہ اور خدا کا دیدار ہے اور نبیوں صدیقوں اور صالحوں کی رفاقت ہوگی اور یہ لوگ کتنے عمدہ رفیق ہیں۔ خوشی ہے تیرے لئے خوشی ہے تیرے لئے۔ تین مرتبہ کہا جائے گا۔ جب پردہ اٹھایا جائے گا تو تو انتہائی ثواب کو پہنچے گا۔ پس جب اس کے پاس موت کا فرشتہ آئے گا تو اس کا پروردگار فردوس کے حوضوں سے اسے سیراب کرے گا یہاں تک کہ وہ ہرگز موت کی تکلیف نہ دیکھے گا اور اپنی قبر میں ہمیشہ خوش رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض پر پہنچے گا پھر جب اپنی قبر سے اٹھے گا تو ستر ہزار فرشتے عمدہ عمدہ موتی اور یاقوت لئے ہوئے آئیں گے۔ ان کے لئے بہترین زیور اور پوشاک ہوگی۔ پھر وہ کہیں گے۔ اے ولی اللہ اپنے رب کی پناہ میں آ۔ جس کے لئے تو سارا دن پیاسا رہا اور اس کے غم میں تو نے اپنا جسم لاغر کیا۔

پس یہ شخص جنت عدن میں جانے والوں میں سے سب سے آگے ہوگا۔ خدا ان سے راضی یہ خدا سے راضی ہوں گے۔ یہی بڑی مراد ہے۔ پھر اگر ہر روزے کے واسطے حسب توفیق خیرات کرے تو بہت دور ہے بہت دور ہے۔ یعنی اگر ساری مخلوق جمع ہو کر اس کے ثواب کا اندازہ کریں جو اسے ملا ہے (تو یہ اندازے سے بہت دور ہے) بلکہ اس کے دسویں حصہ کا بھی اندازہ نہیں کریں گے جتنا اسے ملا ہے۔ اسے ابن شاہین نے ترغیب میں مکحول سے روایت کیا اور اس کی سند میں بیشمار اندھیریاں ہیں۔ اس کی سند میں داؤد بن محبر ہے جو بدنام ہے اور سلیمان بن حکم ہے۔ جس کو سب ضعیف بتاتے ہیں اور علاء بن کثیر ہے۔ جس کے ضعف پر اجماع ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''تبیین العجب'' میں فرمایا کہ یہ حدیث واضح طور پر موضوع اور من گھڑت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے گھڑنے والے کو روسیاہ کرے۔ خدا کی قسم لکھتے وقت اس کے پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہو گئے میرے نزدیک اس کی تہمت داؤد بن محبر اور علاء بن خالد پر ہے یہ دونوں جھوٹے ہیں۔ حالانکہ مکحول نے ابوالدرداء کا زمانہ ہی نہیں پایا۔ خدا کی قسم مکحول سے ہرگز یہ روایت نہیں ہے۔

ماہ رجب کی فضیلت میں حضرت انس کا خطبہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب سے پہلے جمعہ کے دن خطبہ دیا کہ اے لوگو تم پر ایک بڑا مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے وہ ماہ رجب ہے جو اللہ کا گونگا مہینہ ہے۔ اس میں نیکیاں دگنی ہوتی ہیں اور دعائیں قبول کی جاتی ہیں اور سختیاں کھولی جاتی ہیں اور کسی مسلمان کی دعا رد نہیں کی جاتی۔ جس نے اس میں کوئی نیک کام کیا تو اس کے لئے کئی گنا نیکیوں میں زیادتی ہوگی اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے دگنا کر دے۔ لہٰذا تم شب بیداری اور دن کا روزہ لازم کرلو۔ جس نے اس کے دن میں پچاس رکعت نماز اس طرح پڑھی کہ ہر رکعت میں جس قدر ممکن ہو قرآن پڑھا تو اللہ

تعالیٰ جفت وطاق کے برابر اور اون وبال کے برابر نیکیاں عطا فرمائے گا اور جس نے ایک دن کا روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کے سال بھر کے برابر روزے کا ثواب لکھے گا اور جس نے اپنی زبان کو بری باتوں سے محفوظ رکھا تو اللہ تعالیٰ منکر ونکیر کے سوال کے وقت تلقین جواب فرمائے گا اور جس نے کچھ خیرات کیا تو اس صدقہ سے جہنم کے فتنہ سے اس کی گردن آزاد ہو جائے گی اور جس نے صلہ رحمی کی اللہ تعالیٰ دنیا وآخر میں صلہ فرمائے گا اور زندگی بھر اس کے دشمنوں پر اس کی مدد کرے گا اور جس نے کسی مریض کی عیادت کی تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو اس کی زیارت وسلام کا حکم دے گا اور جس نے کسی جنازے کی نماز پڑھی تو گویا اس نے کسی زندہ درگور کو زندہ کر دیا اور جس نے کسی مسلمان کو کھانا کھلایا تو اللہ تعالیٰ اسے اس دستر خوان پر بٹھائے گا جس میں بروز قیامت حضرت ابراہیم ومحمد علیہما السلام تشریف فرما ہوں گے اور جس نے پانی کا ایک گھونٹ پلایا تو اللہ تعالیٰ سربند پانی وشربت سے سیراب کرے گا اور جس نے کسی مسلمان کو کپڑے پہنائے تو اللہ تعالیٰ ایک ہزار بہشتی جوڑے پہنائے گا اور جس نے کسی یتیم کی خاطر داری کی اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ کے نیچے ہر ہر بال کے بدلے مغفرت کرے گا اور جس نے اللہ عزوجل سے ایک بار استغفار کی تو اسے اللہ تعالیٰ بخش دے گا اور جس نے ایک بار سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہا تو اللہ تعالیٰ بکثرت ذکر الٰہی کرنے والے مرد وعورت کی فہرست میں نام لکھ دے گا اور جس نے ایک مرتبہ قرآن ختم کیا تو اللہ تعالیٰ اسے اور اس کے ماں باپ کو ایک ایک تاج جواہرات سے مرصع پہنائے گا اور قیامت کے دن کی رسوائی سے امن دے گا۔ اسے ابن عساکر نے نقل کیا اور ایک بار منکر کہا اور ''تبیین العجب'' میں ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے انتہی۔

یہ تمام حدیثیں جو ہم نے بیان کی ہیں اپنے پاس موجود کتب سے ہیں۔ ان کے اقوال کے مطابق ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں اور انتہائی ضعیف ہیں اور تمام موضوع ومن گھڑت ہیں۔ واللہ اعلم۔

لیلۃ الرغائب کی حقیقت:

اس مہینہ کے بارے میں جو لوگوں میں مشہور ہے۔ ان میں سے ایک لیلۃ الرغائب ہے۔ وہ رجب کے پہلے جمعہ کی رات ہے اور مشائخ کے نزدیک اس رات میں ایک مشہور نماز ہے۔ لیکن محدثین اس کا سختی سے انکار کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ امام محی الدین نووی فرماتے ہیں ان کی عبارت یہ ہے۔ لیکن صلوٰۃ الرغائب اور شعبان کی پندھرویں شب کی نماز یہ دونوں مسنون نہیں ہیں۔ بلکہ بدعت قبیحہ مذمومہ ہیں اور ابو طالب مکی کا قول جو قوت القلوب میں ہے قابل اعتبار نہیں ہے اور نہ حجۃ الاسلام امام غزالی کا قول۔ جو احیاء العلوم میں مذکورہ ہے قابل التفات ہے اور نہ ہی ان دونوں کتابوں میں اس کے متعلق مذکور حدیثیں معتبر ہیں۔ کیونکہ وہ باطل ہیں اور عز الدین ابن عبد السلام نے ان دونوں کے ابطال میں نفیس کتاب تصنیف کی ہے۔ جس میں عمدگی کے ساتھ احسن طریقہ سے بیان کیا اور امام مذکور نے اپنے فتاویٰ میں بھی ان دونوں کی مذمت اور برائی بیان کر کے انکار کیا ہے اور کہا کہ ان کا چھوڑنا ان سے اعراض کرنا اور کرنے والوں کو برا جاننا سزا وار ہے اور ولی الامر (حاکم وقت) پر بتوفیق الٰہی اس کے کرنے سے لوگوں کو روکنا لازم ہے۔ کیونکہ وہ محافظ ہے اور ہر محافظ سے اپنی رعیت کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی اور بعض علماء نے اس کے انکار و مذمت اور ایسی نماز پڑھنے والوں کی حماقت پر کتابیں تحریر کی ہیں اور شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی الہیتمی نے فرمایا یہ ہمارا اور مالکی علماء کا اور متاخرین ائمہ کا مذہب ہے اور یہی مذہب اکثر علماء حجاز اور فقہائے مدینہ کا ہے اور شیخ مذکور نے اس بارے میں ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں یہ حدیث ہے کہ جس نے ستائیسویں ماہ رجب کی شب میں ایسی بارہ رکعتیں پڑھیں۔ جن کی کیفیت مذکور ہو چکی ہے۔ پھر صبح روزہ رکھا۔ پھر یہ یاد کیا کہ یہ وہ رات ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ سو یہ حدیث موضوع ہے اور اس حدیث کی اور سندیں بھی

ہیں۔ اس میں کچھ زیادہ ہے اور اس کی سند میں دو بدنام جھوٹ بولنے والے ہیں اور اسی میں یہ حدیث ہے کہ رجب اللہ کا مہینہ ہے اور شعبان میرا مہینہ اور رمضان میری امت کا۔ بلاشبہ ماہ رجب مغفرت کے ساتھ اور خون کی حفاظت کے ساتھ مخصوص ہے اور بیشک جس نے رجب میں روزہ رکھا تو گزشتہ تمام گناہوں کی مغفرت کا مستحق ہوگیا۔ اس کے سوا اور بھی بہت فضیلتیں مذکور ہیں۔ یہ حدیث جھوٹی اور موضوع ومن گھڑت ہے اور اس کتاب میں شیخ نے بکثرت ایسی نمازیں جمع کی ہیں جس کا سنت میں کہیں پتہ نہیں۔ بلکہ وہ بدعت منکرہ ہے اور عوام یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ سنت ہے۔ اس سلسلہ میں اصل اور معتمد علیہ وہ ہے جو حضور صلی اللہ عیہ وسلم سے صحیح ثابت ہو۔ لہٰذا راتوں میں سے کسی خاص جمعہ کی رات کو شب بیداری کے لئے مخصوص نہ کرو اور نہ دنوں میں سے کسی خاص جمعہ کی تخصیص کرو۔ مگر یہ کہ کوئی تم میں سے ورد وغیرہ کے لئے روزہ رکھے اور کچھ ایسی باتیں ہیں جو بدعت منکرہ مخالف سنت ثابت ہیں۔ واللہ اعلم۔

اب بندہ ضعیف اللہ تعالیٰ اس کے حال کی اصلاح فرمائے اور اس کا انجام بخیر کرے کہتا ہے کہ یہ تو محدثوں کا بیان ہے جو انہوں نے اپنے طریقہ پر سندوں کی تحقیق کر کے حدیثوں کو نقل کیا ہے اور ان سے تعجب ہے کہ وہ اس باب میں مبالغہ کرتے ہیں۔ حالانکہ صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے اور سب سے زیادہ تعجب شیخ محی الدین نووی پر ہے۔ باوجودیکہ وہ فقہی مسائل میں انصاف کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور حنفیوں کے ساتھ بغض نہیں رکھتے ہیں۔ جیسا کہ شافعیوں کی عادت ہے پس اس میں جس میں ہماری گفتگو ہے بغض نہ کرنا زیادہ بہتر تھا۔ کیونکہ امام نووی مشائخ عظام اور علماء کرام رحمہم اللہ وقدس اسرارہم سے نسبت رکھتے ہیں۔

لیلۃ الرغائب کے بارے میں حضرت انس کی روایت:

اور بیشک مؤلف جامع الاصول نے اپنی کتاب میں رزین کی کتاب سے ایک حدیث

بیان کی ہے۔ باوجودیکہ اس کتاب کا موضوع یعنی مقصد صرف کتب ستہ جسے صحاح ستہ کہا جاتا ہے کی حدیثوں کو جمع کرنا ہے۔ جب انہوں نے اس باب میں ان کتابوں میں حدیث نہ پائی تو دوسری کتاب سے باب کو مکمل اور پورا کرنے کے لئے لے آئے اور کہا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ الرغائب کا تذکرہ فرمایا وہ رجب کے پہلے جمعہ کی رات ہے۔ پس مغرب وعشاء کے درمیان بارہ رکعتیں چھ سلام کے ساتھ پڑھے اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ تین بار سورۃ القدر اور بارہ مرتبہ قل ہواللہ احد پڑھے جب نماز سے فارغ ہو تو دعا مانگے اے خدا درود بھیج سیدنا محمد نبی امی پر اور آپ کی آل پر۔ بعد سلام پھیرنے کے ستر مرتبہ پڑھے۔ پھر ایک سجدہ کرے۔ اس سجدہ میں ستر بار **سبوح قدوس رب الملئکۃ والروح** پڑھے پھر سر کو اٹھائے اور کہے **رب اغفر وارحم** الخ یعنی اے رب بخش دے اور رحم فرما اور جو تو جانتا ہے اس سے درگزر کر بیشک تو ہی برتر واعظم ہے اور دوسری روایت میں **الاعز الاکرم** ستر بار پڑھنا مروی ہے۔ پھر سجدہ کرے اور وہی کہے جو پہلے کہا تھا پھر سجدہ کے اندر اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت مانگے بیشک اللہ اپنے سائل کو رد نہ فرمائے گا۔ مولف جامع الاصول فرماتے ہیں کہ یہ وہ حدیث ہے جو مجھے رزین کی کتاب میں ملی ہے اور صحاح ستہ کی کسی کتاب میں مجھے نہ ملی۔ حالانکہ یہ حدیث مطعون فیہ ہے انتہی اور کتاب بہجۃ الاسرار میں لیلۃ الرغائب کا تذکرہ سیدنا الشیخ قطب ربانی، غوث صمدانی، محی الدین عبدالقادر حسنی جیلانی کے بیان میں موجود ہے فرمایا مشائخ کا اجتماع ہوا اور وہ لیلۃ الرغائب تھی آخر حکایت تک اور یہ بھی مذکور ہے کہ دونوں شیخ وپیشوا یعنی شیخ عبدالوہاب اور شیخ عبدالرزاق سے منقول ہے کہ ان دونوں نے فرمایا کہ شیخ بقا بن بسطو جمعہ کے دن صبح کے وقت رجب ۵۴۳ھ کی پانچویں تاریخ کو ہمارے والد ماجد حضور شیخ محی الدین عبدالقادر رحمہ اللہ کے مدرسہ میں آئے۔ ہم سے کہا کہ تم نے مجھ سے آج صبح سویرے آنے کا سبب نہ پوچھا۔ میں نے رات کو ایک نور دیکھا کہ اس

سے دنیا روشن ہوگئی اور وہ دنیا کے اطراف میں پھیل گیا اور میں نے ذوی الا سیار (اللہ تعالیٰ) کے اسرار دیکھے۔ پس کچھ تو اس سے متصل تھے اور کچھ ایسے تھے کہ کوئی مانع اتصال سے روک رہا تھا اور جو سرا اس سے متصل تھا اس کا نور کئی گنا تھا۔ پھر میں نے اس نور کا سرچشمہ تلاش کیا تو ناگاہ وہ نور حضور غوث اعظم رحمہ اللہ سے صادر ہو رہا تھا۔ اس کے بعد میں نے اس کی حقیقت دریافت کرنی چاہی تو وہ ان کے شہود کا نور تھا کہ ان کے قلب کے نور سے مقابل ہو رہا تھا اور یہ دونوں نور باہم متصادم ہو رہے تھے اور ان دنوں کی روشنی ان کے آئینہ جمال پر چمک رہی تھی اور وہ متصادم شعاعیں ان کے جمع ہونے کی جگہ سے متفرق ہونے کے وصف کی طرف مل رہی تھیں۔ پس اس سے ساری دنیا روشن ہو رہی تھی اور ہر وہ فرشتہ جو اس رات اترتا تھا۔ آپ کے پاس آتا، مصافحہ کرتا تھا۔ مشائخ عظام کے نزدیک اس کیفیت کا نام ''شاہد'' اور ''مشہود'' ہے وہ دونوں فرماتے ہیں کہ پھر ہم ان کے قریب ہوئے اور ان سے پوچھا کیا آپ نے آج رات صلوٰۃ الرغائب پڑھی تھی تو انہوں نے یہ شعر پڑھا (ترجمہ) جب میری آنکھ اپنے محبوبوں کی صورتوں کو دیکھ لے تو میری نماز لیلۃ الرغائب میں یہی ہے۔ چہرے جب اپنا جمال تاباں کرتے ہیں تو ہر طرف سے تمام عالم منور ہو جاتا ہے اور جس نے محبت کو کما حقہ پورا نہ کیا تو وہ شخص ایسا ہے کہ اس نے کبھی واجب ادا نہیں کیا۔

رجب اللہ کا مہینہ ہونے کا مفہوم و مطلب:

''تنزیہہ الشریعہ فی الاحادیث الموضوعہ'' میں حضرت انس بن مالک سے مرفوعاً یہ روایت مذکور ہے کہ رجب اللہ کا مہینہ ہے۔ شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضور کے ارشاد ''رجب اللہ کا مہینہ ہے'' کے کیا معنی ہیں۔ فرمایا اس لئے کہ یہ مغفرت کے ساتھ مخصوص ہے۔ آخر حدیث تک اور اس میں ہے کہ ماہ رجب کے پہلے جمعہ کی رات سے غافل نہ رہو کیونکہ یہ ایسی رات ہے

کہ فرشتے اسے رغائب کہتے ہیں اوراس میں ہے کہ جوکوئی جمعرات کے دن ماہ رجب میں روزہ رکھے۔ پھر مغرب وعشاء کے درمیان یعنی جمعہ کی رات کو بارہ رکعت پڑھے اور یہ حدیث آخر تک نماز کی صفت میں چلی گئی ہے پھر کہا کہ اس کی سند میں علی بن عبداللہ داخل ہے۔ ابن جوزی نے کہا کہ محدثین اسے دبنام اور جھوٹا کہتے ہیں اور ہم نے آپ سے سناوہ فرماتے تھے اس کے تمام راوی مجہول ہیں۔ پھر میں نے تمام کتابوں میں ان کی تفتیش کی تو انہوں نے ان کو درج تک نہیں کیا بلکہ اتنا زیادہ کیا شاید یہ لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے۔ حافظ عراقی امالی میں فرماتے ہیں کہ حافظ ابوالفضل محمد بن ناصر سلامی نے تساہل (سستی) کی ہے کہ اس حدیث کو امالی بن حصین کی چودھویں مجلس میں لائے ہیں اور یہ کہہ دیا کہ یہ حدیث حسن اور غریب ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ حدیث مروی ہے کہ جس نے مغرب کی نماز کے بعد رجب کی پہلی رات میں بیس رکعتیں پڑھیں آخر حدیث تک۔ اس کے آخر میں ہے کہ وہ صراط پر بجلی کی مانند بغیر حساب وعذاب گزر جائے گا۔ اسے جوزقانی نے بیان کیا۔ اس میں بکثرت مجہول راوی ہیں۔ ایک حدیث یہ ہے کہ جس نے رجب میں ایک دن کا روزہ رکھا اور اس دن چار رکعت نماز پڑھی۔ یوں کہ پہلی رکعت میں سومرتبہ آیۃ الکرسی اور دوسری رکعت میں سومرتبہ قل ہواللہ احد وہ اس وقت تک نہیں مرے گا۔ جب تک کہ وہ اپنا مقام جنت میں نہ دیکھ لے۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ جس نے رجب کی ستائیسویں رات میں بارہ رکعت نماز پڑھی کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت ملائی۔ پھر جب فارغ ہوجائے تو بیٹھ کر سات مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھے۔ پھر چار مرتبہ سبحان اللہ الخ پڑھے۔ پھر صبح کو روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساٹھ سال کے گناہ محوفرمادے گا اور یہ وہ رات ہے جس میں اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اس حدیث کو ابن حجر نے ابن جوزی کی موضوعات میں داخل بتایا ہے۔ حالانکہ وہاں موجود نہیں ہے شاید کہ بعض نسخوں میں ہو اور بعض میں نہ ہو۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً حدیث پہنچی کہ رجب میں ایک رات ہے کہ اس شب میں عمل کرنے والے کے لئے سو برس کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور یہ رات رجب کی ستائیسویں رات ہے لہٰذا جس نے بارہ رکعت نماز پڑھی کہ ہر رکعت میں فاتحہ الکتاب اور قرآن کی سورۃ پڑھی اور ہر دو رکعت میں تشہد پڑھتا رہے اور سب کے آخر میں سلام پھیرے۔ پھر سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر سو مرتبہ اور استغفار سو مرتبہ اور حضور علیہ السلام پر سو مرتبہ درود پڑھے اور اپنے دنیاوی امور کی دعا مانگے پھر صبح کو روزہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام دعائیں قبول فرمائے گا۔ بجز دعائے معصیت کے۔ اسے بیہقی نے نقل کیا۔ اس میں دو راوی بدنام ہیں۔

واقعہ معراج شریف کی تاریخ کی تحقیق:

واضح ہو کہ ملک عرب کے لوگوں میں مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج شریف رجب کی ستائیسویں تاریخ کو ہوئی تھی اور اسی تاریخ میں رجبیہ موسم ان لوگوں میں موسم حج کے قریب متعارف ہے اور دور دور کے شہروں اور دور دراز صحرا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ قول صحیح نہیں ہے اور صحیح قول یہ ہے کہ رمضان کی ۱۷ یا ربیع الاول کی ۱۷ تاریخ کو مکہ مکرمہ میں بعثت کے بارہویں سال میں معراج شریف ہوئی۔

اس کے بعد اب واضح ہو کہ ہم نے حدیثوں کی کتابوں میں اس کا نہ تو ثبوت پایا نہ نفی جو لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ رجب کی پندرہ تاریخ کی خصوصیت کے ساتھ تعظیم، روزہ اور نماز ہے اور یہ کہ اسے یوم الاستفتاح کہا جائے اور یہ کہ اسے مریم کا روزہ کہا جاتا ہے، واللہ اعلم۔

اور وہ چیز جو ابتدائے اسلام میں رائج تھی۔ پھر جمہور کے قول کی بنا پر منسوخ کر دی گئی وہ عتیرہ ہے۔ عین مہملہ کے زبر اور تائے مثناۃ فوقانیہ کے زیر سے بروزن کریمہ ہے۔ عتیرہ اس بکری کو کہتے ہیں جو ماہ رجب میں ذبح کی جاتی تھی۔ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا پھر

منسوخ ہو گیا۔ طیبی نے نقل کیا کہ ابن سیرین ماہ رجب میں عتیرہ (بکری) ذبح کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا وجوب منسوخ ہو چکا ہے واللہ اعلم اور بخاری و مسلم نے بروایت حضرت ابو ہریرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا نہ فرع ہے اور نہ عتیرہ۔ راوی نے بیان کیا کہ فرع اونٹنی کے اس بچہ کو کہتے ہیں جو پہلے پیدا ہوا ہو۔ وہ اسے اپنے بتوں کے نام پر ذبح کیا کرتے تھے اور عتیرہ رجب میں ذبح کرنے کو کہتے تھے۔

ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدان عرفات میں تشریف لائے میں نے آپ سے سنا کہ فرماتے تھے اے لوگو ہر سال ہر گھر والے پر اضحیہ (قربانی) اور عتیرہ لازم ہے۔ تم جانتے ہو کہ عتیرہ کیا ہے؟ یہ وہی ہے جسے تم رجبیہ کہا کرتے تھے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند ضعیف ہے اور ابوداؤد نے کہا کہ عتیرہ منسوخ ہے اور کبھی عتیرہ بمعنی ذبیحہ جو کہ بتوں کے لئے ذبح کیا جاتا تھا مستعمل ہے۔ اس جگہ پر پہلے ہی معنی مراد ہیں۔

ماہ شعبان

(عربی لغت کی کتاب) قاموس میں ہے کہ شعبان ایک مشہور مہینہ ہے۔ اس کی جمع شعبانات اور شعابین ہے۔ یہ تشعب بمعنی تفرق کے ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ شعبان اس لئے نام رکھا گیا کہ روزہ دار کے لئے اس میں خیر کثیر متفرع ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے اسے رافعی نے اپنی تاریخ میں حضرت انس سے بیان کیا۔ اس مہینہ کے بارے میں بحث تین مقالات پر مشتمل ہے۔

پہلا مقالہ:

اس پہلے مقالہ میں ماہ شعبان کی اور اس میں مطلقاً بغیر تخصیص پندرہویں رات کے روزہ رکھنے کی فضیلت میں جو روایتیں وارد ہیں مذکور ہیں۔ یہ حدیثیں صحاح ستہ کی ہیں۔ ماہ شعبان رجب اور رمضان کے درمیان میں ہے لوگ اُس سے غافل ہیں کہ اس ماہ میں بندوں کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں۔ پس میں محبوب رکھتا ہوں کہ میرا عمل پیش نہ ہو۔ مگر ایسی حالت میں کہ روزہ دار ہوں اسے بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت اسامہ سے روایت کیا۔ شعبان میرا مہینہ اور رمضان اللہ کا مہینہ ہے اسے دیلمی نے فردوس الاخبار میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ماہ رجب آتا تو فرماتے اے خدا رجب اور شعبان میں ہمارے لئے برکت فرما۔ اور ہمیں رمضان میں پہنچا۔ اسے ابن عساکر اور ابن نجار نے بیان کیا۔

ماہ شعبان کے روزوں کی فضیلت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ

رکھتے تو ہم خیال کرتے اب کبھی افطار نہیں کریں گے اور افطار کرتے تو ہم خیال کرتے کہ اب روزہ نہ رکھیں گے۔ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بجز رمضان مبارک کے کسی مہینہ کے روزے کامل رکھتے نہ دیکھا اور نہ یہ دیکھا کہ آپ نے شعبان سے زیادہ کسی مہینہ میں روزے رکھے ہوں۔ اور ابو سلمہ کی ایک روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ السلام کے روزے کے بارے میں پوچھا فرمایا شعبان میں روزے رکھا کرتے تھے مگر کچھ کم۔ پہلی روایت کی بخاری، مسلم، موطا اور ابو داؤد نے اور دوسری کی مسلم، نسائی نے تخریج کی۔ ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان سے زیادہ کسی مہینہ میں روزے رکھتے ہوئے نہ دیکھا۔ آپ روزہ رکھتے مگر کچھ دن کم۔ گویا پورے مہینہ کے روزہ رکھتے تھے۔ اور ابو داؤد کی ایک روایت ہے کہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روزہ رکھنے کے لئے سب سے زیادہ محبوب مہینہ شعبان تھا۔ پھر اس سے رمضان کو ملا دیتے تھے۔ اور نسائی نے بھی ترمذی کی روایت کی تخریج کی ہے ابو داؤد و نسائی میں بھی ہے کہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ رکھتے جاتے۔ یہاں تک ہم گمان کرتے افطار نہ کریں گے اور افطار کرتے تو ہم گمان کرتے کہ اب روزہ نہ رکھیں گے۔ اور پورے شعبان یا اکثر شعبان میں روزہ رکھا کرتے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دن کم شعبان کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ پورے شعبان کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان سے زیادہ کسی مہینہ میں روزہ نہ رکھتے تھے۔ گویا کہ پورے شعبان ہی کا روزہ رکھتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ طاقت کے مطابق عمل کیا کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نہیں تھکتا مگر تم تھک جاتے ہو۔ آخر حدیث تک۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے اس کی مثل مروی ہے ابو داؤد فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ نے اتنا زیادہ کیا کہ شعبان میں روزہ رکھا کرتے تھے مگر کچھ دن کم گویا پورے مہینے

کے روزے رکھتے تھے۔ اور حضرت ام سلمہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ نے پے در پے (متواتر) دو مہینے کے روزے رکھے ہوں بجز شعبان اور رمضان کے۔ اسے ترمذی نے بیان کیا۔ اور ابوداؤد کے نزدیک یہ ہے کہ حضور نے سال میں کبھی پورے مہینہ کا روزہ نہ رکھا بجز شعبان کے پھر اس کے ساتھ رمضان کو ملا دیتے تھے۔ نسائی نے دونوں روایتوں کو بیان کیا۔ اور ان کی دوسری روایت میں ہے کہ میں نے آپ کو نہیں دیکھا کہ پے در پے دو مہینے روزے رکھے ہوں۔ بجز اس کے کہ آپ شعبان کو رمضان سے ملا دیتے تھے۔ حضرت اسامہ سے مروی ہے انہوں نے کہا میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ شعبان کے علاوہ اور کسی مہینہ میں آپ کو نہیں دیکھتا کہ آپ روزے رکھتے ہوں فرمایا یہ وہ مہینہ ہے کہ لوگ اس سے غافل ہیں۔ یہ رجب اور رمضان کے درمیان کا مہینہ ہے۔ اور یہ وہ مہینہ جس میں رب العالمین کی بارگاہ میں اعمال پیش ہوتے ہیں۔ میں محبوب رکھتا ہوں کو جب میرے عمل پیش ہوں تو میں روزے دار ہوں۔ نسائی نے اس کی تخریج کی اس کے علاوہ اور بھی حدیثیں کتابوں میں مذکور ہیں۔ اس رسالہ میں جو حدیثیں ہیں وہ جامع کبیر کی ہیں۔ اور وہ حدیثیں جو شیخ امام عارف باللہ ابوالحسن بکری رحمہ اللہ نے بیان کی ہیں۔ یہ ہیں کہ شعبان، رجب اور رمضان کے مہینوں کے درمیان ہے لوگ اس سے غافل ہیں۔ اس میں بندوں کے عمل اٹھائے جاتے ہیں۔ لہٰذا میں محبوب رکھتا ہوں کہ میرے عمل اسی حال میں اٹھائے جائیں کہ میں روزہ دار ہوں۔ بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی۔ عطار بن یسار سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان سے زیادہ کسی مہینہ میں روزے نہیں رکھتے تھے۔ یہ اس لئے کہ اس میں سال بھر کے مرنے والوں کی مدتیں لکھی جاتی ہیں۔ حضرت اسامہ سے مروی ہے کہ شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان اللہ کا مہینہ ہے۔ دیلمی نے مسند الفردوس میں اسے بیان کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ان سے کسی عورت نے ذکر کیا کہ وہ رجب

کا روزہ رکھتی ہے۔ فرمایا اگر تم روزہ رکھنا ہی چاہتی ہو تو شعبان کے روزہ کو لازم کر لو۔ کیونکہ اس میں فضیلت ہے۔ ابن زنجریہ نے اس کو روایت کیا۔ اور انہیں سے یہ بھی روایت ہے کہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ شعبان سے زیادہ کسی مہینہ میں روزہ نہیں رکھتے تھے کیونکہ اس میں زندوں کی روحیں مردوں میں درج کی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ کسی مرد نے نکاح کیا۔ حالانکہ اس کا نام مردوں میں درج ہوتا ہے۔ (یعنی موت و حیات کی مدتیں سال بھر کے لئے معمور کی جاتی ہیں مترجم) اور انہیں سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے پورے مہینہ کا روزہ رکھتے تھے۔ میں نے حضور سے سبب دریافت کیا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس مہینہ میں اس سال کے تمام مرنے والوں کے نام لکھ دیتا ہے۔ پس میں محبوب رکھتا ہوں کہ میری مدت حیات اس وقت لکھی جائے کہ میں روزہ دار ہوں۔ اور ''یاتی کے معنی کتابتہ اجلی'' ہے اور اس میں یہ ہے کہ مدت حیات کی کتابت جب ہو تو اللہ کی عبادت کے دوران میں ہو۔ لہٰذا جس کی اجل لکھی گئی اس کو پیش آتی ہے۔ امید ہے کہ اس کی موت بخیر ہو اور بیشک (نفلی) عبادتوں میں سب سے بہتر روزہ ہے۔ ایسا ہی شیخ امام ابوالحسن بکری نے فرمایا۔ اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پورے شعبان کا روزہ رکھتے اور اس کے ساتھ رمضان ملا دیتے تھے اور بجز شعبان کے کسی مہینہ کے پورے روزے نہ رکھتے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ شعبان آپ کو کس وجہ سے سب مہینوں سے زیادہ محبوب ہے۔ فرمایا اے عائشہ سال بھر میں ہر مرنے والے کی مدت حیات اسی شعبان میں لکھی جاتی ہے، لہٰذا مجھے یہ محبوب ہے کہ میری مدت حیات جب لکھی جائے تو میں اپنے رب کی عبادت اور عمل صالح میں ہوں اور انہی سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس میں ملک الموت کے لئے مرنے والوں کے نام جن کی روح اس نے قبض کرنی ہے لکھ دیئے جاتے ہیں۔ لہٰذا میں پسند کرتا ہوں میرا نام اس حال میں لکھا جائے کہ میں روزہ دار ہوں اور حضرت

عائشہ سے مروی ہے کہ یہ کتابت شعبان کی پندرھویں شب کو ہوتی ہے۔ چونکہ رات کا وقت روزہ کا محل نہیں ہوتا، لہٰذا اس کے معنی یہ دیئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ روزے کی برکت کو کتابت کے وقت رات میں لے آتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کتابت تو دن میں ہو اور فرشتہ کو سپردگی رات میں ہوتی ہو۔ جیسا کہ ایک اور حدیث میں مروی ہے جسے ابن ابی الدنیا نے عطاء بن یسار سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا کہ جب شعبان کی پندرھویں رات آتی ہے تو ملک الموت کو ایک صحیفہ دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جن کے نام اس صحیفہ میں ہیں ان کی روح قبض کرو۔ پس کوئی بندہ تو اس حال میں ہوتا ہے کہ وہ ایک باغ لگاتا ہے۔ بیبیاں کرتا ہے اور محلات تعمیر کرتا ہے مگر اس کا نام مردوں کی فہرست میں ہوتا ہے۔ دیلمی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک مدت حیات منقطع کر دی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ ایک مرد نکاح کرتا ہے اس سے اولاد ہوتی ہے لیکن اس کا نام مردوں کی فہرست میں شامل ہو چکا ہوتا ہے۔ حضرت عثمان بن مغیرہ بن اخنس سے اسی کی مثل ایک روایت اور مروی ہے۔

مقالہ دوم، پندرھویں شعبان کی فضیلت:

دوسرا مقالہ ان حدیثوں کے بیان میں ہے جو خصوصیت کے ساتھ پندرھویں شعبان کی فضیلت میں مروی ہیں۔ حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان فیہا یفرق کل امر حکیم (اس رات میں حکمت والے خدا کی طرف سے ہر کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے) کی تفسیر یں فرماتے ہیں۔ پندرھویں شعبان کی رات کو پورے سال کا کام تمام ہو جاتا ہے اور زندے لکھے جاتے ہیں اور حاجی قلمبند ہوتے ہیں۔ پھر اس سے نہ کوئی بڑھتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے۔ اسے ابن جریر ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے بیان کیا اور اکثر علماء کا یہ مذہب ہے کہ یہ کتابت لیلۃ القدر میں ہوتی ہے اور ابتدائے کتابت پندرھویں شعبان کی رات سے شروع

ہوتی ہے اور حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم وہ اپنے والد سے یا اپنے چچا سے اور وہ اپنے دادا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا اللہ تعالیٰ پندرھویں شعبان کی شب کو آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔ اس رات ہر گنہگار کی بخشش ہو جاتی ہے سوائے مشرک کے یا اس کے جس کے دل میں کینہ ہو۔ اسے بیہقی نے روایت کیا اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب پندرھویں شعبان کی رات آئے تو شب بیداری کر کے دن کا روزہ رکھو کیونکہ اس رات میں اللہ تعالیٰ غروب آفتاب کے وقت سے آسمان دنیا کی طرف نزول کر کے فرماتا ہے کہ کوئی ہے جو مجھ سے بخشش مانگے، میں اسے بخش دوں، کوئی ہو جو روزی مانگے میں اسے روزی عنایت فرمادوں۔ کوئی مصیبت زدہ ہے جو مجھ سے عافیت مانگے، میں اسے عافیت دیدوں۔ کوئی ایسا ہے کوئی ویسا ہے؟ حتیٰ کہ صبح صادق ہو جاتی ہے۔ اسے ابن ماجہ اور بیہقی نے روایت کیا۔ بندۂ ضعیف (شیخ محقق رحمۃ اللہ) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا آسمان دنیا کی طرف نزول فرمانا تو ہر رات کو ہوتا ہے، مگر یہ نزول اجلال رات کے آخری تیسرے حصے میں ہوتا ہے لیکن پندرھویں شعبان کی رات کا نزول شب کے تیسرے پہر کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ غروب آفتاب سے لے کر صبح صادق تک ہے۔ یہ اس رات کی خصوصیت ہے اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس رات میں عظیم عطیات عنایت فرماتا ہے جس کا ہمیں علم نہیں۔ اس کا ثبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ الا کذ الا کذا یعنی کوئی ایسا ہے کوئی ایسا ہے یہاں تک صبح صادق ہو جائے۔ اسی طرح علماء کا قول ہے۔

دعاؤں کی قبولیت کی رات:

نوفل بکالی سے مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پندرھویں شعبان کی شب

میں باہر تشریف لائے اور اس شب میں اکثر باہر آتے رہے۔ آپ آسمان کی طرف نظر اٹھاتے تھے۔ اس وقت کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام ایک شب کو ایسے ہی وقت باہر تشریف لائے تو انہوں نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر فرمایا یہ وہ وقت ہے جس میں جس نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی، اس نے قبول فرمائی اور جس نے مغفرت چاہی اس کی ضرور بخشش ہوئی۔ بشرطیکہ وہ شخص عشار، جادوگر، کاہن، منجم، جلاد، مال نکالنے والا، گویا اور باجہ بجانے والا نہ ہو۔ نوفل (راوی حدیث) کہتے ہیں کہ کوبہ اور عرطبہ طنبورہ کو کہتے ہیں۔ (حضرت علی نے دعا مانگی کہ) اے خدا حضرت داؤد علیہ السلام کے رب اس رات میں جو بھی دعا مانگے یا مغفرت چاہے تو قبول فرمالے۔ بلاشبہ تو پندرہویں شعبان کی شب میں ظہور فرماتا ہے اور مشرک کینہ رکھنے والے اور قطع رحمی کرنے والے کے سوا ہر ایک کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ اسے ابن ماجہ نے حضرت ابوموسیٰ سے روایت کیا۔ کوئی رات لیلۃ القدر کے بعد پندرہویں شعبان کی شب سے زیادہ فضیلت والی نہیں ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور اپنے تمام بندوں کی بخشش فرما دیتا ہے۔ بجز مشرک و کینہ توز یا قاطع رحم کے۔ اسے سعید بن منصور نے عطاء بن یسار سے روایت کیا۔ اللہ تعالیٰ پندرھویں شعبان کی شب میں ظہور فرماتا ہے پھر اپنی تمام مخلوق کو بخش دیتا ہے۔ بجز مشرک یا کینہ توز کے۔ اسے بیہقی نے معاذ بن جبل سے روایت کیا۔ پندرھویں شعبان کی شب میں اللہ تعالیٰ ملک الموت کو بتا دیتا ہے کہ جتنی بھی سال بھر میں انہیں جانیں قبض کرنی ہوتی ہیں اسے دینوری نے اپنی کتاب ''مجالسۃ'' میں بیان کیا۔ راشد بن سعید سے مرسلاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ چار راتوں میں خیر و برکت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ عیدالاضحیٰ، عیدالفطر، پندرھویں شعبان کی شب کہ اس میں مدت حیات اور رزق لکھا جاتا ہے اور اس میں حجاج لکھے جاتے ہیں اور لیلۃ العرفہ میں اذان فجر تک۔ میرے پاس جبریل حاضر ہوئے اور کہا کہ یہ پندرھویں شعبان کی شب ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بخشش وعنایت حاصل ہونے والی رات:

اللہ تعالیٰ اس رات میں قبیلہ بنی کلب کے بکریوں کے بالوں کے برابر اپنے بندوں کو دوزخ سے آزاد کرتا ہے۔ اسے بیہقی نے روایت کیا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رات نہ پایا تو میں آپ کی جستجو میں نکلی تو آپ کو بقیع میں اس طرح پایا کہ آپ کا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ! کیا تمہیں اس کا خوف ہوا کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کرے گا۔ عرض کیا مجھے یہ تو خوف نہیں ہے مگر میں نے یہ گمان کیا کہ شاید آپ کسی بی بی کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ تب آپ نے فرمایا اللہ عزوجل آسمان دنیا کی طرف پندرھویں کی شب کو نزول فرماتا ہے پس قبیلہ بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کی گنتی سے زیادہ اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے۔ اسے ابن ابی شیبہ اور ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا اور بیہقی نے جامع الاصول میں کہا کہ رزین نے اتنا زیادہ کیا ہے کہ وہ لوگ جو مستحق جہنم ہیں (ان کو معاف فرما دیتا ہے) اور اس کتاب میں اس حدیث کے سوا اس باب میں کوئی اور حدیث نہیں ہے اور اس مضمون کی حدیثیں متعدد سندوں سے وارد ہیں۔ جب پندرھویں شعبان کی شب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ پس تمام مسلمان مرد وعورت کو بخش دیتا ہے اور کفار کے حق میں تاخیر فرماتا اور کینہ توزکوان کے کینہ کی وجہ سے چھوڑے رکھتا ہے حتیٰ کہ وہ کینہ سے باز آجائیں۔ اسے بیہقی اور ابن قانع نے روایت کیا۔ ابوثعلبہ خشنی سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ پندرھویں شعبان کی شب میں مشرک کی طرف نظر نہیں فرماتا اور نہ کینہ توز، نہ قاطع رحم، نہ پائجامہ نیچا رکھنے والوں نہ ماں باپ کو ستانے والوں اور نہ ہمیشہ شراب پینے والوں پر نظر فرماتا ہے۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کیا اور اسے ضعیف بتایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جب پندرھویں شعبان کی شب آتی ہے تو ندا

کرنے والا پکارتا ہے کوئی ہے جو گناہوں سے مغفرت چاہے میں اسے معاف کروں۔ کوئی مانگنے والا ہے جو اسے عطا فرماؤں۔ پس کوئی سائل ایسا نہیں مگر اسے ضرور دیا جاتا ہے۔ بجز زانیہ عورت یا مشرک کے۔ اسے بیہقی نے عثمان بن عاص سے روایت کیا۔ حضرت کعب سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ جبریل کو پندرھویں شعبان کی شب میں جنت کی طرف بھیجتا ہے کہ وہ یہ حکم پہنچا دیں کہ آراستہ ہو جائے اور کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ اس رات میں آسمان کے ستاروں کی گنتی، دنیا کے دن اور رات کی گنتی، درخت کے پتوں کی گنتی، پہاڑوں کے وزن اور ریت کے ذروں کی گنتی کے برابر بندوں کو آزاد کرے گا۔

عطاء بن یسار سے مروی ہے کہ جب شعبان کی پہلی شب ہوتی ہے تو ملک الموت کے لئے صحیفہ لکھا جاتا ہے جس میں اس شخص کا نام ہوتا ہے جو اس سال میں آئندہ سال تک مرنے والا ہوتا ہے۔ اور بیشک آدمی عورتوں سے نکاح کرتا ہے، اس کی اولاد ہوتی ہے اور مکان بناتا، باغ اگاتا، مظالم کرتا اور برائیاں کرتا ہے۔ حالانکہ اس کا نام زندوں میں نہیں ہوتا۔ اسے ابن زنجویہ نے روایت کیا۔

شرح الفاظ:

قاموس میں ہے کہ الشحنا والشحنہ شین کے زیر کے ساتھ بمعنی عداوۃ ہے۔ شاحنہ بمعنی بغض وکینہ رکھنے والا ہے اور مشاحن جو حدیث میں مذکور ہے اس سے مراد وہ اہل بدعت ہے جو جماعت اہلسنت سے خارج ہو چکے ہیں۔ انتہی۔ اور نہاتیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک بندہ کو بخش دیتا ہے بجز مشرک اور مشاحن کے یعنی عداوت کرنے والے کے اور شحناء کے معنی عداوت کے ہیں۔ اوزاعی فرماتے ہیں کہ اس جگہ مشاحن سے مراد وہ اہل بدعت ہیں جو جماعت اہلسنت سے الگ ہو چکے ہیں اور طیبی نے فرمایا کہ الشحناء کے معنی عداوت، کینہ اور انتقام کی تاک میں رہنے والے کے ہیں اور ممکن ہے کہ اس سے وہ مراد ہو جو مسلمانوں میں

نفس امارہ کی بنا پر بغیر کسی امرِ دینی کے باہمی رنجش ہوتی ہے گویا کہ وہ اپنے دل کو اس کے بغض سے بھر دیتا ہے اور ناظر عین الغربیین میں ہے کہ شحنت السفینہ یعنی میں نے کشتی کو بھر دیا اور قاموس میں ہے کہ عشر اخذ واحداً یعنی دس میں سے ایک حصہ لے لیا اور ان کے مال کا دسواں حصہ لے لیا۔ العشر ۃ دسواں حصہ لینے والا اور نہایہ میں ہے کہ عشرت مالہٗ، یعنی میں نے اس کے مال کا دسواں لے لیا پس میں عاشر ہوں اور معشر اعشار جب بولا جاتا ہے تو اس کا دسواں حصہ لے لیا جائے اور حدیث میں ہے کہ اگر تم عاشر کو پاؤ تو اسے قتل کر دو یعنی اگر تم ایسے عاشر کو پاؤ جو زمانہ جاہلیت کے طریقہ پر دسواں لیتا ہو تو اس کو اس کے کفر پر قائم رہنے کی بنا پر عشر کو حلال جاننے کی بنا پر قتل کر دو۔ اگر چہ وہ مسلمان ہو اور حکم الٰہی کے ربع عشر یعنی چالیسواں حصہ لینے کا حکم ہے کہ خلاف جان کر لیتا ہو، لیکن اسے قتل نہ کیا جائے جو اللہ کے حکم کے موافق لیتا ہے کیونکہ ہوسکتا ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء راشدین کے لئے ایک جماعت نے عشر لیا تھا اور اس کا نام بھی عاشر ہی رکھا گیا تھا کیونکہ وہ جو مال لیتا ہے اس کو عشر کی طرف نسبت ہے جیسے ربع عشر یا نصف عشر کیونکہ اس میں سے وہ پورا عشر لیتا ہے جو زمین آسمان سے سیراب ہوتی ہے اور یہ کہ وہ ذمیوں کے مال تجارت میں سے عشر لیتا ہے۔ انتہی۔

طیبی فرماتے ہیں کہ حدیث میں الا السا حر او عشار (مگر جادوگر اور عشر لینے والے) کا جو استثناء ہے یہ ان دونوں شر شدت غضب کے لئے ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ گویا یہ دونوں اس کی رحمت سے مایوس ہیں اور العریف اس کے معنی عراف کے ہیں اور اس جگہ منجم مراد ہے یا وہ شخص مراد ہے جو عالم الغیب ہونے کا دعویٰ کرے اور حدیث میں ہے کہ جو شخص عراف یا کاہن کے پاس آیا (الحدیث) اور طیبی فرماتے ہیں کہ عریف کہانت کی ایک قسم ہے جو اموال مسروقہ یا گم شدہ کے لئے کلام سے یا فعل و حال سے استدلال کیا کرتے ہیں اور کاہن وہ ہے جو آئندہ کی خبریں اٹکل پچو سے دیتا ہو اور شرطۃ شین کے پیش کے ساتھ یہ

شُرَطْ'' بروزن صُرَدْ'' کا واحد ہے۔ یہ وہ گروہ ہے جو حکام کے مددگار ہوتا ہے ان کو شرطی بروزن ترکی وجہتی بھی اس بنا پر کہتے ہیں کیونکہ یہ شرطی ایسی دوری سے پہنچانے جاتے ہیں جوان کے لئے خاص ہے۔ اسی طرح قاموس میں ہے اور نہایہ میں ہے کہ حکام کے وہ منتخب لوگ ہوتے ہیں جو لشکروں میں دوسروں سے مقدم ہوتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ لوگ شرط کہلاتے ہیں اور اس میں یائے نسبتی ہے۔ اسی طرح نہایہ میں ہے کہ اور کرمانی کہتے ہیں کہ صاحب الشرط شین کے پیش اور راء کے زبر کے ساتھ شرط کی جمع ہے وہ لشکر کا اگلا حصہ ہے جسے مقدمۃ الجیش یعنی حاکم کے سامنے نفاذ حکم کے لئے چلا کرتے ہیں۔ انتہی۔
اس جگہ ہر شرطی سے مراد ظالموں کے نائب ہیں اور وہ لوگ مراد ہیں جو ان کے ظلم میں مددگار ہوں۔ اور الجابی، جبایہ (جیم زیر کے ساتھ) سے مشتق ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ محض گمان کی بنا پر مال نکال لینا۔ ایسا ہی علامہ نووی نے کہا ہے اور قاموس میں ہے کہ جبی الخراج بروزن رمیٰ وسعیٰ جبایۃ وجبادۃً سے ہے۔ انتہی۔ اب جابی سے مراد وہ شخص ہے جو بادشاہ کے پاس حرام مال لے کر آئے اور ''الکوبہ'' کاف کے پیش کے ساتھ بمعنی نرد یا نقارہ یا بربط کے ہے۔ یہ تمام اقوال جزری نے نہایہ میں اس حدیث کی شرح میں ذکر کئے ہیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے خمر (شراب) اور کوبہ کو حرام فرمایا اور اسی قبیل سے یہ ہے کہ ہمیں کوبہ کو توڑنے کا حکم دیا۔

جامع الاصول کی شرح میں ہے کہ وہ بہت چھوٹا طبلہ ہے دوسر والا ہو اور العرطبہ کے معنی عود یا طنبورہ یا طبلہ یا حبشی طبلہ ہیں۔ ایسا ہی قاموس میں ہے اور صاحب نہایہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے یہ الفاظ کہ ہر گنہگار بخشا جاتا ہے مگر صاحب عرطبہ اور کوبہ پیش اور زبر کے ساتھ اس کے معنی عود ہے اور ایک قول میں طنبورہ ہے اور المسبل اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ شخص جو اپنا کپڑا لمبا بنائے اور زمین پر لٹکاتا ہوا از راہ تکبر چلے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے مشارق الانوار میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ تین شخصوں

سے اللہ تعالیٰ کلام نہیں کرے گا ان میں سے ایک وہ ہے جو ازار (تہ بند یا پائجامہ) کو لٹکا کر چلے اس طرح کہ تکبر کے طریقہ پر کپڑوں کو گھسیٹ کر چلے۔ عرب کا مقولہ ہے کہ اسبل ثوبہ و شعرہ یعنی کپڑے اور بال لٹکا دیئے۔ یعنی ڈھیلے کر دیئے۔ انتہی۔

صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بروز قیامت اللہ تعالیٰ تین شخصوں سے کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ان کی طرف نظر کرم کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا (گناہوں سے) اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ راوی حدیث کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تین بار پڑھا۔ حضرت ابوذر (راوی حدیث نے) عرض کیا وہ تو خائب و خاسر ہو گئے یہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ، فرمایا کپڑا لٹکانے والا، احسان جتلانے والا اور مال تجارت کو جھوٹی قسموں سے رواج دینے والا۔ امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں ازار لٹکانے والے کے معنی یہ ہیں کہ تکبر کے طریقہ پر اس کے پلوں کو ڈھیلا چھوڑ دے۔ ایک اور حدیث میں اس کی تفسیر یوں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر کرم نہیں فرمائے گا جو اپنا کپڑا تکبر سے کھینچے۔ الخیلا کے معنی تکبر کے ہیں اور کھینچنے پر خیلا کی قید مبل کو خاص کرنے کے لئے ہے اور یہ مقید کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وعید صرف ان لوگوں کے لئے جو براہ تکبر کھینچتے ہیں اور بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس خصوص میں رخصت مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم ان میں سے نہیں ہو۔ اس لئے ان کا تہبند گھسٹتا ہوا چلنا تکبر کے لئے نہ تھا اور امام ابوجعفر بن محمد بن جریر طبری وغیرہ فرماتے ہیں کہ صرف ازار کے اسبال کا ذکر اس لئے ہے کہ عموماً لوگوں کا لباس یہی تھا اور اس کے سوا قمیص وغیرہ کا حکم سو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کلام واضح اور منصوص پایا جاتا ہے جو سالم بن عبداللہ بن عمر اپنے والد سے وہ رسول اللہ صلی اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا ازار، قمیض اور عمامہ میں اسبال ہوتا ہے جس نے ازراہ تکبر کوئی کپڑا بھی کھینچا اللہ

تعالیٰ بروز قیامت اس کی طرف نظر کرم نہیں فرمائے گا۔ اسے ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے سند حسن سے روایت کیا۔ انتہی کلام نووی۔

میں کہتا ہوں کہ اکثر حدیثوں میں مستند سندوں کے ساتھ وارد ہے کہ جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں کہ کسی جگہ مطلقاً اسبال ہے اور کسی جگہ اسبال ازار مذکور ہے ممکن ہے کہ ازار کی قید کسی راوی نے اپنی فہم کے ساتھ لگا دی ہو کیونکہ بحسب رواج وشہرت اسبال ازار میں ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مقالہ سوم:

تیسرا مقالہ پندرھویں شعبان کی رات کو شب بیداری اور دن کا روزہ رکھنے اور اس شب میں جو درود و وظیفہ مروی ہے کے بیان میں ہے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب پندرھویں شعبان کی شب آئے تو شب بیداری کرو اور اس کے دن کا روزہ رکھو آخر حدیث تک۔

پندرھویں شعبان کی رات میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت وریاضت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پندرھویں شعبان کی شب میری باری تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ وسلم میرے پاس تشریف فرما تھے جب نصف رات گزری تو میں نے حضور کو نہ پایا اور میرے دل میں وہ بات آئی جو عورتوں کو آیا کرتی تھی پس میں نے چادر اوڑھی اور تمام ازواج مطہرات کے حجروں میں جستجو کی مگر آپ کو نہ پایا۔ پھر میں اپنے حجرہ میں آ گئی تب میں نے آپ کو اپنے حجرہ میں اس حال میں دیکھا کہ کپڑا پڑا ہوا ہے اور آپ سجدہ میں تھے اور دعا مانگ رہے تھے (اے خدا) میں نے اور میرے دل نے تجھے سجدہ کیا اور میرا دل تجھ پر ایمان لایا۔ پس یہ میرا ہاتھ ہے جس نے اپنے نفس پر جنایت کی اے عظمت والے تو

ہی ہر عظمت کی امید گاہ ہے۔ میرے بڑے گناہ بخش دے۔ میری پیشانی نے اس کو سجدہ کیا ہے جس نے اس کو پیدا کیا اور صورت دی ہے اور کان اور آنکھ بنائے۔ اس کے بعد حضور نے اپنا سر مبارک اٹھایا پھر دوبارہ سجدہ کیا اور یہ دعا مانگی اے خدا تیرے غصہ سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیرے عتاب سے تیرے عفو و کرم کی پناہ میں آتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ مانگتا ہوں جیسے تو نے اپنی ثنا کی ہے ویسے ہی میں بھی کہتا ہوں اور جیسا میرے بھائی حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا ہے پس میں اپنا چہرہ اپنے مولا کے واسطے مٹی پر رکھتا ہوں اور اسی کے لئے سزاوار ہے کہ اسے ہی سجدہ کیا جائے۔ پھر سر مبارک اٹھایا اور کہا اے خدا مجھے پرہیزگار دل عنایت فرمایا جو شرک سے منزہ ہو اور نہ وہ گنہگار ہو اور نہ وہ بد بخت ہو۔ اس کے بعد آپ وہاں سے اٹھ کر میری چادر میں تشریف لے آئے۔ دراں حالیکہ میرا سانس پھولا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا اے حمیرا، تمہارا سانس کیوں پھُولا ہوا ہے۔ پس میں نے سارا حال عرض کیا۔ پھر آپ نزدیک ہوئے اور میرے گھٹنے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا افسوس کہ یہ دونوں گھٹنے تھک گئے یہ رات پندرھویں شعبان کی ہے۔ اس رات میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور اپنے بندوں کو بخش دیتا ہے۔ بجز مشرک اور کینہ توز کے۔ اسے بیہقی نے بیان کیا۔

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبوب دعائیں:

شیخ امام عارف باللہ ابوالحسن بکری فرماتے ہیں کہ اس رات کی دعاؤں میں سب سے بہتر دعا یہ ہے کہ ”اے خدا تو درگزر کرنے والا ہے تجھے عفو محبوب ہے مجھے معاف فرما اے خدا میں تجھ سے عفو و عافیت اور دین و دنیا میں دائمی معافی کا درخواست گزار ہوں“۔ یہ دعا چونکہ لیلۃ القدر میں وارد ہے اور یہ رات لیلۃ القدر کے بعد تمام راتوں میں افضل ہے جیسا کہ مذکور ہوا اور سب سے بہتر وہ دعا ہوتی ہے جسے ایک جماعت عمدہ سند کے ساتھ بیان

کرے۔ چنانچہ ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اتارے گئے اور خانہ کعبہ کے ساتھ پھیرے (طواف) کئے اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں پھر دعا مانگی اے خدا تو ہی میرے ظاہر و باطن اسرار کو جانتا ہے۔ تو میری توبہ قبول فرما اور تو ہی میری حاجت کو جانتا ہے میرا سوال پورا کر اور تو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے میرے لغزش سے درگزر کر میں تجھ سے ایسے ایمان کا استدعا کرتا ہوں جو میرے دل میں رہے اور ایسے یقین صادق کا امیدوار ہوں جس سے مجھے یقین ہو جائے کہ مجھ کو وہی پہنچتا ہے جو تو نے میری تقدیر میں لکھا ہے اور اپنی مرضی پر رضامند کر دے۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو وحی فرمائی اے آدم تم نے مجھے پکارا میں نے تمہاری دعا قبول فرمائی۔ اب تمہاری اولاد میں جو بھی یہ دعا کرے گا میں اس کی یہ دعا ضرور قبول کروں گا وراس کے گناہ معاف کر دوں گا اور اس کے غم و مصیبت کھول دوں گا اور ہر تاجر کو اس کی تجارت میں اتنا زیادہ دوں گا کہ دنیا ناک رگڑتی آئے گی۔ اگرچہ وہ اس کی خواہش نہ رکھتا ہو"۔

اور اس رات کی شب بیداری کے سلسلہ میں مختلف روایتیں مروی ہیں۔ چنانچہ تابعین میں سے خالد بن معدان اور مکحول ولقمان بن عامر اس کے قائل ہیں اور اس باب میں عطاء اور ابن ابی ملیکہ وغیرہ نے اختلاف کیا ہے اور اسی پر مالکی اور شافعی علماء کا مذہب ہے۔ خالد بن معدان اور لقمان بن عمران نے کہا اور اسحٰق بن راہویہ نے ان کی موافقت کی کہ مسجد میں جمع ہو کر شب بیداری کریں اور خالد ولقمان اس رات عمدہ کپڑے پہنتے، سرمہ لگاتے اور مسجد میں رات بھر قیام کرتے تھے۔ اب اگر کوئی شخص شب بیداری کرے تو ظاہر بات ہے کہ یہ مستحب ہے کیونکہ حدیثیں بیان کی جا چکی ہیں اور فضائل میں ایسی حدیثوں پر عمل جائز ہے اس کے اوزاعی قائل ہیں۔

فضیلت والی چار راتیں:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بصرے کے عاملوں کو لکھا کہ تم چار راتوں کو سال بھر میں لازم کرلو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان راتوں میں خوب خیر و برکت نازل فرماتا ہے۔ اول رجب کی پہلی رات ہے۔ دوم پندرھویں شعبان کی رات ہے۔ سوم عیدالفطر کی رات ہے۔ چہارم عیدالاضحیٰ کی رات ہے، لیکن اس روایت کی صحت میں نظر ہے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ دعا پانچ راتوں میں ہوتی ہے۔ جمعہ کی رات، عیدین کی رات، رجب کی پہلی رات اور پندرھویں شعبان کی رات اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا اس رات میں بیدار رہنے پر کوئی ظاہر قول نہیں ہے۔ حالانکہ عیدین کی رات جاگنے کے بارے میں دو قول مروی ہیں۔ انتہی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک سے تو اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ پندرھویں شعبان کی شب میں قبرستان تشریف لائے تاکہ آپ مومنین و مومنات اور شہداء کے لئے دعائے مغفرت کریں۔

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اہل بقیع کے لئے دعائے مغفرت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے۔ لباس مبارک اتارا۔ ابھی اتارے نہ تھے کہ کھڑے ہو گئے۔ پھر لباس پہن لیا۔ اس وقت مجھے بیحد رشک آیا مجھے گمان ہوا کہ شاید حضور میرے سوتے میں کسی اور زوجہ مطہرہ کے پاس تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں آپ کے پیچھے پیچھے چلی میں نے حضور کو بقیع غرقد میں پایا۔ اس حال میں آپ مومنین اور مومنات اور شہداء کے لئے مغفرت کی دعا کر رہے تھے۔ اس وقت میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ تو اللہ کے کام میں مشغول ہیں اور میں دنیا کے کام میں لگی ہوئی ہوں۔ پھر میں لوٹ آئی

اور اپنے حجرے میں چلی گئی۔ ابھی میرا سانس پھول رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔ فرمایا یہ کیسا سانس پھول رہا ہے اے عائشہ؟ عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ تشریف لائے، کپڑے اتارے، ابھی اتار نہ چکے تھے کہ کھڑے ہو گئے اور دوبارہ پہن لئے۔ مجھے بڑا رشک آیا شاید کہ آپ کسی اور زوجہ مطہرہ کے پاس تشریف لے جا رہے ہیں یہاں تک کہ میں نے آپ کو بقیع میں دعا میں مشغول پایا۔ فرمایا اے عائشہ! کیا تمہیں اس کا خوف کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کرے، نہیں! بلکہ جبریل آئے اور کہا کہ یہ پندرھویں شعبان کی رات ہے۔ اس رات میں اللہ تعالیٰ قبیلہ بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کی گنتی کے برابر بندوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رات میں کسی مشرک اور کینہ توز کی طرف نظر نہیں فرماتا اور نہ قاطع رحم پر اور نہ کپڑا لٹکانے والے پر اور نہ ماں باپ کو ایذا دینے والے پر اور نہ ہمیشہ شراب پینے والے پر۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آپ نے اپنے کپڑے اتارے، پھر فرمایا اے عائشہؓ کیا تم شب بیداری کی اجازت دیتی ہو۔ میں نے عرض کیا ہاں میرے ماں باپ حضور پر قربان۔ تب آپ نے قیام فرمایا اور طویل سجدہ کیا۔ یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ آپ وفات پا گئے پھر میں کھڑی ہو کر ٹٹولنے لگی۔ پس اپنا ہاتھ آپ کے تلوؤں سے لگایا تو وہ چلے اس وقت مجھے خوشی ہوئی اور میں نے سنا کہ آپ سجدہ میں دعا مانگ رہے ہیں میں تیرے عقاب سے تیرے عفو کی پناہ لیتا ہوں اور تیرے غصے سے تیری رضا کی پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ لیتا ہوں۔ تیرا چہرہ جلالت والا ہے۔ تیری ثنا کی شمار نہیں ہو سکتی۔ جیسے تو نے اپنی ثنا کی ہے جب صبح ہوئی تو میں نے ان کی دعاؤں کا ذکر کیا۔ فرمایا اے عائشہ اسے یاد کر لو اور دوسروں کو سکھا دو۔ حضرت جبریل نے یہ دعائیں مجھے سکھائی ہیں اور کہا ہے کہ میں اس کو سجدہ میں بار بار پڑھا کروں۔ اسے بیہقی نے روایت کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو اٹھ

کرنماز پڑھی اور بہت طویل سجدہ کیا حتیٰ کہ مجھے گمان ہوا کہ آپ نے وفات پائی تو میں اٹھی اور آپ کے پائے اقدس کا انگوٹھا ہلایا تو وہ ہلا۔ پھر میں لوٹ آئی۔ جب آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور نماز مکمل کی تو فرمایا، اے عائشہ اے حمیرا، کیا تم کو یہ گمان ہو گیا تھا کہ نبی نے تم سے زیادتی کی ہے۔ عرض کیا نہیں خدا کی قسم۔ یا رسول اللہ لیکن آپ کے طویل سجدہ نے مجھے وفات کے خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔ فرمایا کیا تم جانتی ہو یہ کون سی رات ہے۔ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے۔ فرمایا یہ پندرھویں شعبان کی رات ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ اس رات میں اپنے بندوں پر ظہور فرماتا ہے تو توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرتا اور رحم چاہنے والوں پر رحم فرماتا ہے اور کینہ توزوں کو جیسے وہ تھے اسی پر رکھتا ہے۔ اسے بیہقی نے روایت کیا۔

پندرھویں شعبان کی رات مسنون نمازیں:

اس سلسلہ میں وہ روایتیں ہیں جو نماز کے بارے میں ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پندرھویں شعبان کی شب کو دیکھا کہ آپ اٹھے اور چودہ رکعتیں نماز پڑھیں۔ پھر فارغ ہو کر جلوس فرمایا اور چودہ مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھی اور چودہ مرتبہ قل ھو اللہ پڑھی اور چودہ مرتبہ قل اعوذ برب الفلق اور چودہ مرتبہ قل اعوذ برب الناس اور ایک مرتبہ آیۃ الکرسی اور **لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز** الآیہ پڑھی جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے آپ سے وہ سب کچھ پوچھا جو آپ کو کرتے دیکھا فرمایا جو ایسا کرے گا جیسا تم نے دیکھا تو اسے بیس حج مبرور اور بیس سال کی مقبول شب بیداری کا اجر ملے گا۔ پھر اس نے اگر صبح کو روزہ رکھا تو اس کے لئے دو برس گزشتہ اور دو برس آئندہ کے روزے کا ثواب ملے گا۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث موضوعات کے مشابہ ہے اور اس کے راوی مجہول ہیں، لہٰذا یہ حدیث منکر ہے اور جوزقانی نے اباطیل میں شمار کیا اور ابن جوزی نے موضوعات میں لکھا اور کہا کہ یہ موضوع ہے

اوراس کی سند تاریک ہےاور'' تنزیہہ الشریعۃ'' میں موضوع احادیث میں نقل کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی جس نے پندرھویں شعبان کی شب میں سو رکعت نماز پڑھی اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ گیارہ گیارہ بار قل ھواللہ احد پڑھی آخر حدیث تک، کاتبین کو حکم ہوگا میرے اس بندے کے گناہ مت لکھواوراس کے حسنات آئندہ سال تک برقرار لکھتے رہو۔ جوکوئی یہ نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے واسطے اس رات کے عابدوں میں حصہ مقرر کر دیتا ہے۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ اس میں راوی مجہول اور ضعیف ہیں۔ ایک حدیث یہ ہے کہ جس نے پندرھویں شعبان کی شب کو ہزار بار قل ھواللہ احد سو رکعت میں پڑھی تو دنیا سے اس وقت تک نہ جائے گا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے پاس خواب میں سو فرشتے بھیجے گا جن میں تیس جنت کی بشارت دیں گےاور تیس جہنم سے روکیں گےاور تیس خطاؤں سے بچائیں گے اور دس اس کے دشمنوں کو جھٹلائیں گے۔ ابن جوزی نے کہا اس میں بکثرت مجہول اور بدنام راوی ہیں۔ ایک حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پندرھویں شعبان کی شب میں اٹھے اور چودہ رکعتیں نماز کی پڑھیں۔ آخر حدیث تک اس کی سند تاریک ہےاور بیہقی نے کہا یہ موضوعات کے مشابہ ہے۔

مروجہ بدعات سیئہ کا تذکرہ:

بدعت شنیعہ میں سے یہ ہے جو ہندوستان کے اکثر شہروں میں لوگوں نے رواج دے رکھا ہے کہ اپنے گھروں کے دیواروں پر چراغ جلاتے ہیں اور فخر کے ساتھ آتش بازی وغیرہ چھوڑتے ہیں۔ اس کی کتب صحیحہ معتبرہ میں کوئی اصل نہیں ہے، بلکہ غیر معتبر کتابوں میں بھی ذکر تک نہیں اور نہ کوئی ضعیف اور نہ موضوع حدیث مروی ہے اور نہ ہندوستان کے شہروں کے علاوہ دیارِ عرب یا حرمین شریفین وغیرہ زادھما اللہ تعظیماً وتشریفاً میں یہ رائج ہے اور نہ

عرب کے علاوہ دیگر عجمی شہروں میں اس کا رواج ہے بجز ہندوستان کے شہروں کے بلکہ ممکن ہے اور یہ گمان غالب ہے کہ اہل ہنود کی رسومات میں سے ہو جیسے کہ وہ دیوالی وغیرہ میں کرتے ہیں۔

اس بدعت شنیعہ کا عام رواج دراصل ہندوستان میں زمانہ کفر کی باقیات میں سے ہے جو ہنود کے باہم میل جول سے اور کافر باندیوں اور بیبیوں کے ساتھ مسلمان مردوں کے نکاح کرنے سے یہ جڑ پکڑ گئی۔ بعض متاخرین علماء فرماتے ہیں کہ مخصوص راتوں میں بکثرت روشنی کرنا بدعت شنیعہ میں سے ہے کیونکہ ضرورت سے زیادہ روشنی کرنے کے استحباب میں کوئی اثر شریعت کہیں منقول نہیں ہے۔ علی بن ابراہیم کہتے ہیں کہ روشنی کی ابتدا برامکہ سے ہوئی کیونکہ یہ لوگ آتش پرست تھے پھر جب وہ اسلام لے آئے تو انہوں نے اسلام میں وہ باتیں داخل کرلیں جو ان کے وہموں میں تھیں کہ یہ ہدایت کے راستے ہیں، لیکن ان کا مقصود آتش پرستی تھی کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ان چراغوں کی پرستش کرتے سجدہ کرتے تھے اور اسے مساجد کے جاہل اماموں نے صلوٰۃ الرغائب وغیرہ کے ساتھ عوام کو جمع کرنے، مال گھسیٹنے اور آگے بڑھنے کی حرص نے جال بنالیا اور قصہ خوانوں نے اپنی مجلسوں میں اس کے تذکرے بھردیئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان منکرات کے ردوابطال کے لئے ائمہ ہدیٰ قائم کئے۔ چنانچہ یہ منکرات ناپید ہوگئے اور ۸۰۰ھ میں اسی کا ابطال بلاد مصری وشامی سے اچھی طرح ہوگیا اور علامہ طرطوسی نے تو ختم کی رات میں ممبر قائم کرنے اور عورتوں ومردوں کے اختلاط اور باہمی کھیل کود سے منع کیا ہے یہاں تک کہ اب جو ہوتا ہے وہ ہوتا ہے یہ تذکرے میں ہے۔

(حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ کا یہ ارشاد اپنے زمانہ کے جہال کے طریقوں کی عکاسی کر رہا ہے کیونکہ اس وقت تک آتش پرستی کسی نہ کسی رنگ میں چولہ بدلتی رہتی تھی اور مسلمان باہمی روادارا یسے مرعوب تھے لیکن بحمدہ تعالیٰ آج مسلمانوں کا ہرگز یہ اعتقاد نہیں ہے کہ ایام

مخصوصہ میں روشنی کی کثرت معاذ اللہ اس سے مقصود آتش پرستی ہے بلکہ یہ بغرض زینت و زیبائش اور تحدیث نعمت کے لئے رائج ہے۔ جیسا کہ ایام مخصوصہ میں عام طور پر روشنی کی جاتی ہے اور بزرگان دین کے عرسوں میں چراغاں وغیرہ ہوتا ہے البتہ اگر کھیل کود لہو ولعب وغیرہ کے لئے ہو اور نیت بخیر نہ ہو تو شرعاً ناروا ہوگا جیسے آتش بازی وغیرہ کہ اس میں سراسر اضاعت مال ہے اور اس میں نیت خیر کا گزر ہو سکتا ہی نہیں۔ ایام متبرکہ میں نیت خیر کے ساتھ چراغاں کرنا جائز ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کل اعمال بالنیات ہر عمل کا دار و مدار نیت پر موقوف ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے علماء اہل سنت و جماعت کی طرف رجوع کریں۔ مترجم غفرلہ)

ماہ رمضان مبارک

رمضان مبارک کے مہینہ میں روزے اور قیام ہیں۔ قیام سے مراد تراویح ہے۔ اب یہاں ان کے احکام ومسائل وغیرہ بیان کریں گے۔

نماز تراویح سنت ہے یا نفل؟:

واضح رہے کہ تراویح میں علماء کا اختلاف ہے آیا اسے سنت کہیں؟ کچھ علماء نے کہا کہ نہیں یہ نوافل ہیں اور اسے مستحب کہا اور بعض نے سنت قرار دیا لیکن مذہب صحیح یہی ہے کہ مرد وعورت کے حق میں یہ سنت موکدہ ہے جو سلف سے خلف میں چلی آرہی ہے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ کی روایت سے جو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے یہ اختلاف جاتا رہتا ہے کہ یہ سنت ہے اسے چھوڑنا نہ چاہئے اور یہ ثابت ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ راتوں میں پڑھیں پھر ترک فرمادی اور ترک پر یہ عذر فرمایا کہ کہیں یہ لازم (واجب یا فرض) نہ ہوجائیں۔ پھر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے اس پر مداومت و مواظبت فرمائی۔ بالخصوص امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جیسا کہ حدیثوں میں مروی ہے اور بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری سنت اور میرے بعد میرے خلفاء راشدین کی سنت اپنے اوپر لازم کرلو۔ فقہ کی بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ اگر شہر کے تمام لوگ تراویح کو ترک کردیں تو امام (سلطان وحاکم) اس ترک پر ان سے قتال کردے اور مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے غلام ذکوان کے پیچھے ترواتح پڑھا کرتی تھیں۔ اس باب میں جو بحث ہے، ان کو ہم چند فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔

فصل اول تعداد رکعات تراویح:

ہمارے نزدیک تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔ جیسے بیہقی نے اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام حضرت فاروق اعظم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے عہد میں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان مبارک میں بیس رکعتیں پڑھتے، پھر اس کے بعد تین رکعت وتر کی پڑھتے تھے لیکن محدثین کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور دوسری وہ روایت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نے گیارہ رکعتیں پڑھی ہیں جیسے قیام اللیل میں آپ کی عادت تھی اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے عہد میں بعض بزرگ گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت ہو جائے اور جو چیز صحابہ وتابعین اور ان کے بعد والوں سے ثابت ومشہور ہو چکی ہے وہ بیس رکعتیں ہیں اور تیس رکعت تراویح کی جو روایت ہے وہ وتر کو تراویح کے ساتھ شمار کر کے ہے۔ حضرت امام مالک فرماتے ہیں اور ایک روایت امام شافعی رحمۃ اللہ کی بھی ہے کہ تراویح کی چھتیس یا اکتالیس رکعتیں ہیں تو یہ خاص اہل مدینہ کا عمل ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ خانہ کعبہ کے سات پھیرے کرتے ہیں اور طواف کی دو دو رکعت ہر دو تراویحوں کے درمیان میں پڑھتے ہیں۔ چونکہ اہل مدینہ اس فضیلت کے حصول سے دور ہیں اس لئے انہوں نے چار رکعتیں درمیان میں پڑھنی شروع کر دیں اور اس کا نام انہوں نے "ستہ عشریہ" رکھ دیا اور آج تک ان کی یہ عادت جاری ہے اور یہی روایت حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے مگر اسے ان سے شہرت حاصل نہ ہوئی۔ لہٰذا اب اگر ان کے علاوہ بھی پڑھ لے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے اور اس میں امام وغیرہ سب برابر ہیں اور بہتر یہ ہے کہ ان "ستہ عشریہ" کو علیحدہ علیحدہ پڑھیں کیونکہ جماعت کے ساتھ تراویح کے سوا نفل پڑھنا ہمارے نزدیک مکروہ ہے لیکن اہل مدینہ انہیں جماعت کے ساتھ پڑھتے

ہیں۔ان کے نزدیک جماعت کے ساتھ نفل پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔متاخرین علماء مصر میں سے شیخ قاسم حنفی فرماتے ہیں کہ جماعت کے ساتھ نوافل پڑھنا اس لئے مکروہ ہیں کہ اگر وہ مستحب ہوتیں تو افضل ہوتیں جیسا کہ فرائض جماعت کے ساتھ افضل ہے اور اگر افضل ہوتیں تو تہجد گزار اور قائم اللیل مجتمع ہوکر طلب فضیلت میں جماعت کے ساتھ پڑھا کرتے، چونکہ یہ فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی نہیں تو معلوم ہوا کہ اس میں کچھ فضیلت نہیں۔

فصل دوم در استحباب ترویحہ:

مستحب یہ ہے کہ ہر دو ترویحوں کے درمیان بقدر ایک ترویحہ کے جلوس کرے اور اس طرح پانچویں ترویحہ کے اور وتر کے درمیان جلوس کرے۔حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے، اس لئے کہ تراویح راحت سے ماخوذ ہے لہٰذا ترویحہ کرنے میں اس کے نام کا اثبات ہے۔یہی سلف سے مروی ہے اور حرمین شریفین میں بھی یہی مروج ہے لیکن اہل مکہ درمیان میں سات طواف کرتے ہیں اور اہل مدینہ درمیان میں چار رکعت پڑھتے ہیں اس طرح تمام بلاد اسلامیہ میں رائج ہے۔اس کے بعد اس جلوس میں اختیار ہے کہ چاہے سبحان اللہ پڑھے یا لا الہ الا اللہ، نوافل پڑھے یا تلاوت قرآن کرے یا خاموش بیٹھا رہے، اور اگر ہر دو ترویحوں کے درمیان جلوس استراحت کو ترک کر دیا تو بعض کے نزدیک تو کوئی حرج نہیں اور بعض کے نزدیک غیر مستحب ہے۔اس لئے کہ اس میں حرمین شریفین زادہما اللہ تعظیماً اور تشریفاً والوں کے عمل کا خلاف ہوتا ہے اب بندہ ضعیف (شیخ محقق) اللہ تعالیٰ اس کا حال اور ابتداء وانجام درست کرے کہتا ہے کہ دو ترویحوں کے درمیان اتنا انتظار کرنا جیسا کہ آج کل حافظوں کا دستور ہے کہ تراویح میں لمبی قرات کرتے ہیں نمازیوں پر بہت دشوار ہے بلکہ ممکن ہے ساری رات ہی بیت جائے۔اس سے

ظاہر ہوتا ہے کہ طویل قرات غیر مستحب ہے کیونکہ اس عمل مستحب کا فوت ہونا لازم آتا ہے جو سلف سے بطور توارث چلا آتا ہے، اس لئے قرات میں میانہ روی کی رعایت رکھنی چاہئے جس میں ترویحات بآسانی ادا ہو جائیں اور تراویح قرات کا حکم عنقریب آتا ہے اگر درمیانہ قرات سے چار رکعت کی مقدار بھی استراحت کی یعنی اتنی دیر نہ کی جتنی دیر میں ترویحہ ادا ہوتا ہے تو بھی انشاء اللہ کافی ہے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی امید ہے۔

فصل سوم در نیت تراویح:

اگر تراویح کی یا سنت وقتی کی یا قیام اللیل کی رمضان مبارک میں نیت کی تو جائز ہے اور اگر مطلقاً نماز کی نیت کی یا نفل کی نیت تو اس میں مشائخ کا وہی اختلاف ہے جو سنن رواتب یعنی موکدہ کی ادائیگی میں ہے۔ بعض متقدمین علماء فرماتے ہیں کہ اصح قول یہی ہے کہ ایسی نیت کرنا جائز نہیں کیونکہ تراویح سنت ہے اور سنت کی ادائیگی نفل کی نیت اور مطلق نماز کی نیت سے نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت حسن رحمۃ اللہ، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے فجر کی دو رکعت کے بارے میں روایت کرتے ہیں اور یہ ثابت ہے اس لئے کہ یہ نماز فرائض کی مانند مخصوص ہے تو اس صف کی مراعات واجب ہے، پس مطلق نیت کے ساتھ ادا نہ ہوگی اور اکثر متاخرین علماء فرماتے ہیں کہ تراویح اور تمام سنتیں مطلق نیت سے ادا ہو جاتی ہیں اس لئے کہ یہ درحقیقت نفل ہی ہیں اور نوافل مطلق نیت سے ادا ہو جاتے ہیں البتہ احتیاط یہی ہے کہ تراویح یا سنت وقتی یا قیام اللیل کی ماہ رمضان میں نیت کرے اور تمام سنتوں میں سنت وقت کی نیت کرے یا اس نماز کی نیت کر لے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے ہے تا کہ اختلاف سے بچ جائے۔ پھر کہا گیا ہے کہ تراویح کے ہر دوگانہ کے لئے جدا جدا نیت کرنی چاہئے لیکن مذہب اصح یہی ہے کہ اس کی حاجت نہیں ہے کیونکہ سب کی سب بمنزلہ نماز واحد کے ہے۔

فصل چہارم مقدار قراءت تراویح میں.

علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا اتنی قرات ہونی چاہئے، جتنی مغرب کی نماز میں ہوتی ہے کیونکہ تراویح فرائض سے خوب ہلکی ہونی چاہئے یہ قول درست نہیں ہے کیونکہ اتنی مقدار قرات سے رمضان میں ختم قرآن نہیں ہوسکتا اور بعض نے کہا نماز عشاء کی برابر قرات ہو کیونکہ یہ اپنے وقت میں عشاء کے تابع ہے۔

حضرت حسن بن زیاد رحمۃ اللہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہر رکعت میں کم بیش دس آیتیں پڑھے کیونکہ اس طرح ایک مرتبہ قرآن پاک ختم ہو جائے گا اس لئے کہ تراویح کی رکعات چھ سو ہوتی ہیں اور قرآن کریم کی آیتیں چھ ہزار ہیں، یوں ہر رکعت میں تقریباً دس آیتیں ہوتی ہیں اور بعض علماء نے کہا کہ ہر رکعت میں بیس سے تیس آیتیں تک پڑھے کیونکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے تین اماموں کو بلایا ایک سے فرمایا کہ رکعت میں تیس آیتیں پڑھا کرو، دوسرے سے کہا کہ پچیس آیتیں پڑھا کرو، اور تیسرے سے کہا کہ بس آیتیں پڑھا کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہہ کا یہ فرمان بر بنائے فضیلت ہے اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا حکم بر بنائے سنت ہے۔ یہی ان کا مذہب ہے اس لئے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ایک مرتبہ قرآن پاک ختم کرنا سنت ہے اور دو مرتبہ فضیلت اور تین مرتبہ افضل ہے چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے قول کے موافق ایک مرتبہ ختم ہوتا ہے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فرمان کے بموجب دو مرتبہ یا تین مرتبہ ختم ہوتا ہے۔ یہی فقہاء کرام فرماتے ہیں۔ کچھ فقہاء نے ستائیسویں شب کو ختم کرنا مستحسن جانا ہے بایں امید کہ لیلۃ القدر کی فضیلت حاصل ہو جائے۔ اس لئے کہ اکثر حدیثوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہی رات لیلۃ القدر کی ہے۔ اس لئے مشائخ بخارہ نے قرآن کریم کے پانچ سو چالیس رکوع قرار دیئے ہیں اور قرآن کریم میں یہ نشانات لگا دیئے

ہیں تا کہ ستائیسویں شب کو قرآن کریم کا ختم واقع ہو اور کچھ متقدمین کے مشائخ نے فرمایا کہ افضل یہ ہے کہ ہر رکعت میں تیس آیتیں پڑھی جائیں تا کہ ہر دسویں شب کو ایک ختم قرآن ہو جائے کیونکہ مہینہ میں ہر عشرہ الگ الگ ہے، یقیناً یہ حدیث میں وارد ہے کہ یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کے اول میں رحمت ہے، درمیان میں مغفرت اور آخر میں جہنم سے رستگاری ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ماہ رمضان میں اکسٹھ قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ تیس رات میں اور تیس دن میں اور ایک تراویح میں اور مواہب لدینہ میں اس کے مثل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے۔ اس کے بعد فقہا فرماتے ہیں کہ تمام تسلیمات کے درمیان یعنی ہر دوگانہ میں تعدیل (میانہ روی) افضل ہے جیسا کہ حضرت حسن بن زیاد امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن ایک دوگانہ میں بالاتفاق یہ غیر مستحب ہے کہ دوسری رکعت میں قرات طویل کر دی جائے جس طرح تمام نمازوں میں ہے کہ اگر پہلی رکعت میں قرات دوسری رکعت سے طویل ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ مذہب مختار کیا ہے سو اس میں اختلاف واقع ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک مختار یہ ہے **مسئلہ**: کہ دونوں رکعتوں میں قرات برابر برابر ہو اور امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ پہلی رکعت کی قرات دوسری رکعت کی قرات سے طویل ہو جیسا کہ تمام فرض نمازوں میں ہے۔

مسئلہ:

جب تراویح میں غلطی واقع ہو جائے مثلاً کوئی سورۃ یا آیت چھوٹ جائے اور اس کے بعد کی پڑھ لی جائے تو مستحب یہ ہے کہ چھوڑے ہوئے کو پڑھ کر دوبارہ پڑھے ہوئے کو پڑھے تا کہ ترتیب قائم رہے مسئلہ جب تراویح میں کوئی شفعہ فاسد ہو جائے اور اس میں قرآن کی جتنی تلاوت ہو چکی ہے تو کیا پھر اس کو دوہرائے؟ اس میں ایک قول تو یہ ہے کہ

اعادہ کی حاجت نہیں اس لئے مقصود تو قرات تھی اور قرات میں فساد لاحق نہیں ہوا اور دوسرا قول یہ ہے کہ قرات کا بھی اعادہ کرے تا کہ ختم نماز صحیح میں واقع ہو اور تراویح میں لقمہ دینے کا حکم؟ اس کا حکم دیگر نمازوں کی طرح مختلف فیہ ہے لیکن فتویٰ یہی ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی اور ایک قول یہ ہے کہ تراویح میں لقمہ دینے میں تو اختلاف ہی نہیں کیونکہ یہاں ضرورت لاحق ہوتی ہے فقہا فرماتے ہیں کہ تراویح میں لوگوں کو سزاوار نہیں کہ وہ خوش گلو کو امام بنائیں، بلکہ صحیح پڑھنے والے کو آگے بڑھانا چاہئے (جو مخارج کے ساتھ درست خواں ہو) کیونکہ امام اگر خوش آوازی سے پڑھے گا تو خشوع وخضوع اور غوروفکر سے بے پرواہ ہو جائے گا۔ اسی طرح جب امام اعراب میں غلطی کرتا ہو تو اس مسجد کو چھوڑنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ ایسا ہی کتاب سنن الہدیٰ میں مرقوم ہے اور اگر فقیہہ شخص قاری ہو تو افضل یہ ہے کہ وہ اپنی قرائت سے آپ پڑھے اور دوسرے کی اقتداء نہ کرے اور رکوع اور سجود کی تسبیحات کو تین بار سے کم نہ کرے اور سبحانک اللھم آخر تک کو نہ چھوڑے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کو بھی ترک نہ کرے کیونکہ یہ سب کی سب مسنون ہیں۔ اگرچہ بعض کتب فقہ میں اس کا خلاف بھی مذکور ہے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے لیکن ادعیہ ماثورہ؟ سو اگر یہ معلوم ہو کہ قوم پر گراں نہیں گزرتی ہیں تو پڑھے ورنہ چھوڑ دے اور جب آخری شفع میں ہو اور اس نے پہلی رکعت میں معوذتین پڑھ لیا تو ایک قول یہ ہے کہ دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد کچھ آیتیں سورۂ بقر کی شروع کردے گویا یہ بمنزلہ اس کے ہوگا کہ منزل پر پہنچتے ہی پھر سفر شروع کردیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دوسری رکعت میں قل اعوذ برب الناس ہی کو دوبارہ پڑھے اور سورۂ بقر سے کچھ نہ پڑھے۔ اس قول میں نظم وترتیب قرآن کی رعایت مقصود ہے۔

حرمین شریفین اور تمام عرب شہروں میں یہ مسنون طریقہ معمول بہ ہے کہ ختم قرآن کے وقت سورۂ الضحیٰ سے آخر تک تکبیر پڑھتے ہیں اس میں مختار و پسندیدہ یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھے اور اگر اللہ اکبر پر اکتفا کیا تو بھی صحیح ہے اور اگر امام حافظ قرآن نہ ہو تو ایک

قول کے بموجب افضل یہ ہے کہ ہر رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھے اور ایک قول یہ ہے کہ ہر رکعت میں چھوٹی سورتوں میں سے ایک ایک سورۃ پڑھے اور یہ طریقہ عمدہ ہے تاکہ تعداد رکعات میں شبہ واقع نہ ہو اور اس کا دل گنتی کے یاد رکھنے میں مشغول نہ ہو کہ وہ غور و فکر میں ہی مشغول رہے۔ آج کل حرمین شریفین اور تمام عرب کے شہروں میں یہ رائج ہے کہ پہلے شفعہ کی پہلی رکعت میں سورۂ فیل اور دوسری میں قل ھو اللہ احد اور دوسرے شفعہ کی پہلی رکعت میں سورۂ لایلاف اور دوسری رکعت میں قل ھو اللہ احد، اسی طرح آٹھویں شفعہ کی دونوں رکعتوں میں قل ھو اللہ احد اور نویں شفعہ کی پہلی رکعت میں قل ھو اللہ احد اور دوسری رکعت میں قل اعوذ برب الفلق اور دسویں شفعہ کی پہلی رکعت میں قل ھو اللہ احد اور دوسری رکعت میں قل اعوذ برب الناس پڑھتے ہیں۔

فصل پنجم تراویح با جماعت:

پانچویں فصل جماعت کے ساتھ تراویح ادا کرنے کے بیان میں ہے۔ جو شخص تراویح کی جماعت کو ترک کر کے گھر میں پڑھتا ہے، اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ تارک سنت ہو گیا اور اس نے برا کیا، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور۔: جتنی بھی تراویح پڑھی ہیں جماعت سے پڑھی ہیں۔ اسی طرح آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے اور اسی پر تمام ممالک کے فقہاء کا اتفاق ہے اور بعض کا قول یہ ہے کہ وہ تارک فضیلت ہے جس میں کوئی حرج نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ سلف سے یہی مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا ترک فرما دیا تو قوم کو یونہی چھوڑ دیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے گھروں میں جس طرح چاہی پڑھی اور یہی صورت حال خلافت صدیقی اور شروع خلافت فاروقی میں رہی۔ اس کے بعد تراویح کے لئے جماعت مقرر کی گئی اور یہ افضل ہے۔ شیخ قاسم حنفی فرماتے ہیں کہ صحیح

مذہب یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا سنت کفایہ ہے۔ یہاں تک کہ اگر مسجد کے تمام لوگوں نے جماعت کو ترک کر دیا تو وہ سب سنت کے تارک ہو کر گنہگار ہوئے اور اگر مسجد میں تو جماعت سے تراویح قائم ہوئی مگر کسی شخص نے پیچھے رہ کر گھر میں نماز پڑھ لی تو وہ نہ تو فضیلت کا تارک ہے اور نہ وہ گنہگار ہے۔ اور اگر سب نے جماعت کے ساتھ گھر میں نماز پڑھتی تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ایک تو جماعت کی فضیلت ہے اور دوسری مسجد میں جماعت کی فضیلت ہے، لہٰذا انہوں نے دو فضیلتوں میں سے ایک فضیلت تو پالی اور دوسری سے محروم رہے اور یہی حال فرائض میں ہے۔ انتہی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ تمام سنتیں جدا جدا پڑھی جائیں اس لئے کہ یہ اخلاص سے قریب اور ریا (دکھاوے) سے زیادہ بعید ہے اور صحیح حدیث میں مروی ہے کہ مرد کے لئے فرائض کے سوا تمام نمازیں گھر میں پڑھنا افضل ہے۔ میں کہتا ہوں یہ قول غیر مختار ہے۔ اس لئے یہ افضلیت تو ان میں وارد ہے جن میں جماعت نہیں ہے اور تراویح میں تو جماعت ثابت ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر مسنون قرات وغیرہ کے ساتھ گھر میں ادا کرنا ممکن ہو تو وہ گھر میں پڑھے بجز اس کے کہ وہ بہت بڑا فقیہہ ہو اور لوگ اس کی اقتدا کرتے ہوں اور اس کے سبب سے جماعت میں بکثرت آتے ہوں تو اس کے لئے جماعت کا ترک کرنا لائق نہیں ہے۔

مسئلہ:

کسی شخص کو امامت کے لئے اجرت پر مقرر کرنا مکروہ ہے، اس لئے کہ امامت کی اجرت مقرر کرنا فاسد ہے۔

مسئلہ:

اگر دو امام تراویح کی جماعت کریں اور ہر امام ایک ایک شفعہ (دوگانہ) پڑھائے تو صحیح یہ ہے کہ یہ غیر مستحب ہے اور مستحب یہ ہے کہ ہر امام ایک ایک ترویحہ (چار رکعت)

پڑھائے۔ اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ ایک امام فرض پڑھائے اور دوسرا امام تراویح پڑھائے۔

مسئلہ:

اگر ایک امام نے دو مسجدوں میں تراویح پڑھائیں تو یہ اس کے بکمال پوری ہونے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ دونوں مسجدوں والوں کی نماز جائز ہے۔ جس طرح کے ایک موذن ایک مسجد میں اذان دے اقامت کہے اور نماز پڑھے دوسری مسجد میں جا کر اذان دے اور ان کے ساتھ نماز پڑھے تو یہ مکروہ نہیں ہے۔ (بشرطیکہ نماز ظہر یا عشاء کے سوا ایسا نہ کرتا ہو، ۱۲ رضوی)

فصل ششم، بیٹھ کر نماز تراویح پڑھنا:

جب کہ تراویح بلا عذر بیٹھ کر پڑھی تو اس میں دو مقام پر بحث ہے۔ ایک جواز میں دوسرے استحباب میں۔ لیکن اس کے جواز میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ جائز نہیں ہے اور بعض نے کہا جائز ہے یہی قول صحیح ہے اور اس پر سب متفق ہیں کہ فجر کی دو رکعتیں (سنت کی) بغیر عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہیں۔ اسی کی مثل حضرت حسن نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما سے منصوص روایت کی ہے۔ اب جو نا جائز کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ تراویح فجر کی دونوں رکعتوں کی مانند سنت ہے اور جو جائز کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ نفل ہے۔ فجر کی سنتوں کی طرح خصوصیت کے ساتھ کوئی مزید تاکید نہیں ہے، لہٰذا تمام سنتوں اور نوافل کی طرح اس کا حکم ہوگا اور دلیل میں ابو سلیمان کی وہ روایت لاتے ہیں جو حضرت امام اعظم اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عذر اور بلا عذر میں کچھ فرق نہیں بتایا لیکن استحباب میں بحث ہے تو صحیح یہ ہے کہ مستحب نہیں ہے کیونکہ اس میں سلف کے عمل متواتر کا خلاف لازم آتا ہے اور جب کہ امام نے بیٹھ کر

تراویح عذر کے ساتھ یا بغیر عذر کے پڑھائی اور قوم کھڑی رہی تو اس میں بھی دو مقام پر یعنی جواز و استحباب میں کلام ہے لیکن جواز میں بحث یہ ہے کہ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے اور امام محمد کے نزدیک ناجائز ہے جس طرح فرض میں جائز نہیں ہے، اور بعض نے کہا کہ ان سب کے نزدیک جائز ہے۔ یہی قول صحیح ہے اس لئے اگر قوم بھی بیٹھ کر پڑھتی تب بھی جائز تھا اور جبکہ انہوں نے کھڑے ہو کر پڑھی بدرجہ اولیٰ جائز ہے لیکن استحباب میں بحث ہے تو امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ بجز عذر کے مقتدی کھڑے ہو کر پڑھیں اس لئے کہ ان کے لئے اگرچہ قیام و قعود دونوں جائز ہیں لیکن قیام یقیناً افضل ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک بیٹھ کر پڑھنا مستحب ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ اختلاف معتبر ہے حتیٰ کہ وہ فرض میں بھی جائز نہیں رکھتے۔ ایسے ہی وہ نوافل میں بھی مستحب نہیں رکھتے۔

مسئلہ:

مقتدی کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ تراویح میں بیٹھا رہے اور جب امام رکوع کرنے لگے تو کھڑے ہو جائے اس لئے کہ اس سے نماز میں سستی کا اظہار اور منافقوں کی مشابہت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب منافقین نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو مرے دل سے کھڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب نیند غلبہ کرے تو نیند کی حالت میں نماز مکروہ ہے بلکہ وہ ہٹ جائے۔ یہاں تک بیدار ہو جائے اس لئے کہ نیند کی حالت میں نماز پڑھنا سستی اور غفلت لاتا ہے اور غور و فکر جاتا رہتا ہے۔ یہی حکم گرمی کی وجہ سے کھلی جگہ میں نماز پڑھنے کا ہے۔ ایسا ہی خلاصہ میں مذکور ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محبوب فرما دیجئے جہنم کے آگ کی گرمی اس سے کہیں زیادہ ہے، اگر انہیں سمجھ ہوتی۔

فصل ہفتم، جماعت کے ساتھ وتر پڑھنا:

افضل یہ ہے کہ صرف رمضان مبارک میں جماعت کے ساتھ وتر پڑھے۔ اسی پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ البتہ فضیلت میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ جماعت افضل ہے اور دوسروں نے کہا کہ اپنے گھر جا کر تنہا وتر پڑھنا افضل ہے۔ یہی قول مختار ہے۔ اس لئے صحابہ کرام وتر کی جماعت کے لئے مجتمع نہیں ہوتے تھے جس طرح تراویح کی جماعت کے لئے ہوا کرتے تھے۔ ایسا ہی کتاب ''تبیین'' اور ابن ہمام کی شرح ہدایہ اور عنایہ میں ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ تراویح کے بعد وتر جماعت کے ساتھ پڑھے لیکن جو تہجد گزار ہوں وہ وتر تہجد کے بعد پڑھیں اور امام رمضان مبارک میں وتر کی تینوں رکعت میں جہر کرے اور منفرد کو اختیار ہے اور دعائے قنوت میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جہر کرے اور ایک قول یہ ہے کہ آہستہ پڑھے۔ قرات کی جہر سے پست اور قنوت پڑھنے کی حالت میں ہاتھ چھوڑے رکھنے اور باندھنے میں اختلاف ہے اور وتروں کے مقتدی کے لئے دعا کے پڑھنے میں اختلاف ہے۔ پس ایک قول تو یہ ہے کہ ''بالکفار ملحق'' تک مقتدی دعائے قنوت پڑھے اور اس کے بعد خاموش رہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ آمین آمین کہتے رہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اسے اختیار ہے چاہے آمین کہے یا دعائے قنوت پڑھے۔ اور کتاب ''تبیین'' میں ہے کہ مقتدی دعائے قنوت پڑھنے والے کا اتباع کرے اور آہستہ پڑھے اس لئے کہ یہ دعا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ قنوت میں جہر کرے اور امام محمد رحمۃ اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ امام قنوت پڑھے اور مقتدی نہ پڑھیں۔ جس طرح وہ قرات نہیں کرتا ہے لیکن صحیح پہلا ہی قول ہے۔

مسئلہ:

اگر امام مقتدی کے قنوت کے فراغت سے پہلے رکوع میں چلا گیا تو مقتدی امام کی پیروی

کرے اس لئے کہ قنوت نہ تو موقت ہے اور نہ مقدر۔

مسئلہ:

مسبوق جب امام کے ساتھ وتر میں قنوت پڑھ چکا تو فوت شدہ رکعات کی قضا میں قنوت نہ پڑھے۔

مسئلہ:

جب نمازیوں کو شک پیدا ہوا کہ آیا نو دوگانے ہوئے ہیں یا دس تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ ایک دوگانہ احتیاطاً دوبارہ پڑھ لیں اور بعض نے کہا کہ زیادہ نہ کریں۔ اس لئے کہ تراویح میں محض شک سے زیادتی جائز نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ لوگ ایک ایک دوگانہ علیحدہ علیحدہ پڑھ لیں تاکہ فعل سنت کی تکمیل میں احتیاط ہو جائے اور تراویح کے علاوہ نوافل میں جماعت کے ساتھ ادائیگی سے احتراز کریں۔

مسئلہ:

جب دو امام ایک ترویحہ پڑھائیں اور ہر امام ایک ایک دوگانہ پڑھائے تو اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے بموجب کوئی حرج نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ غیر مستحبہ ہے۔ بلکہ ایک امام ایک ترویحہ پورا پڑھائے۔ اسی پر اہل حرمین وغیرہ کا عمل ہے۔ اس صورت میں امام کی تبدیلی بمنزلہ استراحت وانتظار کے ہو جائے گی۔

فصل ہشتم، وقت تراویح میں:

تراویح کے وقت میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ ہمارے اصحاب حنفیہ میں سے ایک جماعت جن میں شیخ اسمٰعیل زاہد بھی ہیں، فرماتے ہیں کہ صبح صادق تک پوری رات اس کا وقت ہے۔ خواہ نماز عشاء سے پہلے ہو یا بعد، اور قبل وتر ہو یا بعد وتر، کیونکہ یہ قیام اللیل ہے۔ اس کی شرط صرف رات ہوتا ہے۔ اور بخارہ کے عام مشائخ فرماتے ہیں کہ اس کا وقت نماز

عشاء اور وتر کے درمیان ہے۔ پس اگر کسی نے عشاء سے پہلے یا وتر کے بعد پڑھی تو اس نے اس کے وقت میں ادا نہیں کی۔ کیونکہ روایتیں اسی طرح کی ہیں اور تراویح میں پیروی روایتوں کی ہی بنا پر ہے اور صحیح قول یہی ہے کہ عشاء کے بعد طلوع فجر تک اس کا وقت ہے، حتیٰ کہ اگر وتر کے بعد بھی پڑھی تو جائز ہے اور اگر عشاء سے پہلے پڑھی تو جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ عشاء کی سنتوں کے بعد زائد مسنون ہیں، لہٰذا تراویح رمضان کے علاوہ عشاء کے بعد کے مسنون نوافل کے مشابہ ہوگئیں اور وتر کے بعد نماز جائز ہی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ بات ہوسکتی ہے کہ رات کی نماز میں پچھلے پہر وتر ادا کرنا افضل ہے۔ سو یہ بات اپنے مقام پر ثابت ہو چکی ہے اور تراویح میں مستحب تاخیر تہائی یا نصف رات تک ہے۔ ایک قول کے بموجب نصف شب کے بعد اس کا ادا کرنا مکروہ ہے جس طرح عشاء میں اتنی تاخیر مکروہ ہے اور صحیح یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ یہ رات کی نماز ہے اور اس میں پچھلا پہر افضل ہوتا ہے اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ تراویح میں نصف رات کے بعد تک تاخیر کرنا مستحب ہے اور بعض فقہا یہی فرماتے ہیں اور یہی صحیح اور ''خلاصہ'' میں ہے کہ تراویح میں اکثر رات کو نماز اور انتظار اور استراحت سے گھیر دینا افضل ہے اور اگر تراویح کو پچھلی رات تک موخر کردے تو صحیح قول یہی ہے کہ یہ بلا کراہت جائز ہے۔

مسئلہ:

کیا جب تراویح فوت ہو جائیں تو اس کے وقت کے بعد جماعت کے ساتھ یا بغیر جماعت قضا جائز ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ قضا نہ کرے اب رہی بغیر جماعت کے ادا کرنا تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ جب تک رمضان نہ گزرے قضا کرسکتا ہے اور بعض نے کہا اس کی بالکل قضا نہیں ہے اور یہی قول صحیح ہے کیونکہ تراویح میں مغرب اور عشاء کی سنتوں سے کچھ زیادہ تاکید نہیں ہے اور ہمارے اصحاب کے نزدیک ان سنتوں کی قضا نہیں...... یہی حال تراویح کا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے

کہ تراویح کی قضا جماعت کے ساتھ تو بالاتفاق نہیں ہے اور اگر تراویح کی قضا ہوتی تو ویسے ہی قضا ہوتی جیسے فوت ہوئی ہے۔ لہٰذا اگر تراویح کو الگ تنہا قضا کرے تو مستحب ہے۔ جس طرح مغرب کی سنتوں کی قضا کا حال ہے اگر اس کی قضا کرنا چاہے۔ اسی طرح شیخ قاسم حنفی نے کہا ہے اور سنن الہدیٰ میں سراجیہ سے منقول ہے کہ اگر تراویح کو منفرد ہو کر قضا کرے تو حسن ہے۔ تراویح کے مسائل ختم ہوئے۔

ماہ شوال المکرّم

یہ مبارک مہینہ حج کے مہینوں میں پہلا مہینہ ہے۔ اسے ماہِ فطر بھی کہتے ہیں۔ اس میں ایک دن عید اور گناہوں کی مغفرت کا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب عید کا دن آتا ہے تو اللہ تعالیٰ روزے داروں پر اپنے فرشتوں میں اظہار فخر و مباہات فرماتا ہے اور فرماتا ہے اے میرے فرشتو! اس مزدور کی کیا اجرت ہے جو اپنا کام پورا کرے، عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب اس کی جزا یہ ہے کہ اسے پوری مزدوری دی جائے۔ فرماتا ہے اے میرے فرشتو! میرے ان بندوں اور بندیوں کی کیا جزا ہے جو میرے عائد کردہ فرض کو پورا کریں۔ پھر وہ بآواز بلند دعا کرتے نکلتے ہیں۔ مجھے اپنے عزت و جلال اور، اپنے کرم و علو مرتبت اور رفعت مقام کی قسم ہے میں ضرور ان کی دعا قبول فرماؤں گا۔ پھر فرماتا ہے جاؤ میں نے تمہارے تمام گناہ معاف فرمائے اور تمہارے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیا۔ حضرت انس کہتے ہیں پس وہ بخشے ہوئے واپس گھر لوٹیں گے۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کیا۔ عید الفطر کے دن یہ مسنون ہے کہ عید گاہ روانہ ہونے سے پہلے کچھ کھا پی لے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طاق کھجوریں ملاحظہ فرماتے تھے۔ اسی طرح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور حاکم نے عتبہ بن حمید سے روایت کی کہ حضور نے تین یا پانچ یا سات یا کم و زیادہ ملاحظہ فرمائیں۔ فقہا و محدثین فرماتے ہیں کہ حکمت یہ ہے کہ کھجوریں کھانا اس لئے مستحب ہے کہ اس میں شیرینی ہے اور شیرینی اس بینائی کو قوت دیتی ہے جو روزہ سے ضعیف ہو جائے۔ نیز شیرینی دل کو نرم کرتی ہے اور ایمانی مزاج کے موافق ہے۔ اسی لئے مروی ہے کہ مسلمان آدمی میری شیرینی ہے اور اگر کوئی شخص خواب میں شیرینی کھاتا دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اسے ایمان کی لذت نصیب ہوگی۔ اس

وجہ سے شیرینی سے افطار افضل ہے جیسے شہد اور کھجور باوجود اس کے کھجوروں میں اور بھی خصوصیتیں ہیں۔ بالخصوص مدینہ منورہ کی کھجوریں چنانچہ اپنی جگہ ان کا بیان مذکور ہے۔ تین کھائے یا پانچ یا سات۔ اس کے بعد عیدگاہ کی طرف چلے۔

عیدالفطر کے چھ روزے:

یہ بصحت ثابت ہے کہ اس ماہ میں چھ دن کے روزے مسنون ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ایوب انصاری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے رمضان مبارک کے روزے رکھے پھر اس کے بعد چھ شوال کے روزے رکھے تو گویا اس نے زمانہ بھر روزہ رکھا اور یہ جب ہے کہ تمام عمر روزہ رکھتا رہے اور اگر ایک ہی مہینہ میں رکھے تو ایک سال کے روزوں کی مانند ہے اور اسی مضمون کی ثوبان کی حدیث بھی ابن ماجہ میں مروی ہے اور ابن ماجہ کی روایت میں ثم اتبعہ کی جگہ فاتبعہ فا کے ساتھ ہے۔ اس سے تعقیب حقیقی مراد نہیں ہے اس لئے کہ اس میں عید کے دن کا بھی روزہ رکھنا لازم آتا ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ اول ماہ میں اور اس کے بعد روزے رکھے۔ امام شافعی کے نزدیک مختار یہ ہے کہ اول مہینہ میں پے در پے رکھے اور ہمارے نزدیک عام ہے۔ اسی طرح امام احمد کے نزدیک ہے بلکہ ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ ہماری تعمیم کراہت اور نصاریٰ کی مشابہت سے بہت دور ہے۔

فقہاء نے حکم دیا ہے کہ عیدین کے دن غسل کرنا مسنون ہے۔ ان کے اثبات کا طریقہ ہے کہ وہ ان کو جمع پر قیاس کرتے ہیں کیونکہ اس میں بھی اجتماع ہے۔ اس باب میں فاکھہ بن سعید کی حدیث بھی مروی ہے اور انہیں صحبت بھی حاصل ہے اور اس حدیث کے سوا ان سے کوئی اور حدیث بھی مشہور نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ اور عرفہ کے دن غسل فرماتے تھے۔ یہ سنن ابن ماجہ اور طبرانی کی معجم اور مسند بزار میں مروی ہے۔ ایسا ہی شمنی کا قول ہے۔ شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

ایسا ہی نووی وغیرہ نے کہا اور شرح کتاب الحربی میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد مذکور ہے کہ فاکھہ بن سعید اپنے اہل کو ان دنوں میں غسل کرنے کا حکم دیتے تھے اور کہا کہ اسے عبداللہ بن احمد نے اپنی مسند میں اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور علامہ سیوطی جمع الجوامع میں شعبی سے اور وہ زیاد بن عیاض اشعری سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے قوم سے کہا میں نے تم سے سارے کام وہی دیکھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھے ہیں۔ بجز اس کے کہ تم عیدین میں غسل نہیں کرتے ہو۔ اسے ابن مندہ اور ابن عساکر نے روایت کیا اور کہا کہ عیاض سے روایت صحیح ہے اور زیاد کا قول غیر محفوظ ہے اور بعض محدثین نے اس حدیث کے ضعف کا بھی حکم دیا ہے۔ اس باب میں صحاح ستہ کی کوئی اور حدیث نہیں ہے، سوائے اس اثر کے جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے قبل غسل کرتے تھے۔ فقہا کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کا متابعت سنت میں شدت سے مبالغہ اس امر کا مقتضی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہو اور عید گاہ جاتے ہوئے راہ میں جہر سے تکبیر کہنا تینوں ائمہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک سنت ہے لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ کے نزدیک عید الاضحیٰ میں سنت ہے نہ کہ عید الفطر میں۔ یہ اختلاف جہر میں ہے لیکن آہستہ تکبیر کہنا مستحسن ہے اور اللہ کا ذکر کرنا۔ تمام اوقات میں مستحب ہے اور ''خلاصہ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف اصل تکبیر میں ہے۔ اور ایک روایت امام اعظم رحمۃ اللہ سے جہر کی بھی مروی ہے۔ ایسا ہی ابن ہمام کی شرح میں مذکور ہے اور ائمہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو دارقطنی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن عید گاہ تشریف لے جاتے ہوئے تکبیر کہا کرتے تھے اور شمنی نے کہا کہ اس حدیث کے مرفوع ہونے میں کلام ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے اور شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موسیٰ بن محمد بن عطاء جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں کی جانب سے ضعیف ہے۔ نیز یہ حدیث جہر پر دلالت بھی نہیں کرتی اور

صحابی کا قول آیہ کریمہ ''دون الجہر من القول'' سے معارض نہیں ہوسکتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو تکبیر کہتے ہوئے سنا تو آپ نے اپنے اونٹ کے لے جانے والے سے پوچھا کیا امام نے تکبیر کہی۔ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا ہم نے ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پایا ہے لیکن ہم میں سے کسی نے بھی امام سے پہلے تکبیر نہ کہیں اور ابو جعفر فرماتے ہیں کہ عوام کو تکبیر سے منع نہیں کرنا چاہئے کیونکہ عوام کو نیکیوں سے پہلے ہی رغبت کم ہے۔ انتہی۔

اور یہ بھی مسنون ہے کہ عید کے دن جس راستہ سے عید گاہ گیا ہے اس کے سوا دوسرے راستہ سے لوٹے۔ بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن راستہ بدل دیا کرتے تھے اور ترمذی و دارمی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن جب کسی ایک راستہ سے تشریف لے جاتے تو دوسرے راستہ سے واپس تشریف لاتے تھے۔ علماء نے اس عمل میں بہت سے نکات و اسرار بیان کئے ہیں جسے ہم نے شرح سفر السعادت میں بیان کیا ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ راہ کی تبدیلی امام کے لئے خاص ہے یا تمام لوگوں کے لئے ہے

لیکن اس سے زیادہ یہ ضروری ہے کہ نماز عید سے پہلے اور بعد میں جو نوافل ہیں ان کا حکم بتا دیا جائے۔ چنانچہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن تشریف لے گئے تو صرف دو رکعت نماز پڑھی۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد کوئی نفل نہ پڑھے۔ آخر حدیث تک۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس باب میں ابو عمر و عبداللہ بن عمر اور ابو سعید سے مروی ہے کہ حضور کے صحابہ میں سے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے اور اہل علم تابعین کا بھی یہی عمل ہے لیکن علماء کی ایک جماعت نے نماز عید سے پہلے اور بعد میں نوافل کو جائز رکھا ہے لیکن پہلا قول زیادہ درست ہے۔ انتہی۔

صاحب کتاب حربی نے کہا جو حنبلی مذہب کے ہیں کہ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو مسعود انصاری کو لوگوں پر اپنا قائم مقام فرمایا۔ پس وہ عید کے دن گئے اور کہا اے لوگو! امام سے پہلے کوئی نماز مسنون نہیں ہے۔ اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن سیرین سے مروی ہے کہ حضرت ابن مسعود اور حذیفہ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو منع کیا کہ عید کے دن امام کے عیدگاہ پہنچنے سے پہلے کوئی نماز پڑھیں۔ اسے سعید نے روایت کیا اور زہری فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے کسی عالم سے نہیں سنا کہ یہ بیان کرتا ہو کہ اس امت کے اسلاف میں سے کسی نے نماز عید سے پہلے یا بعد میں کوئی نماز نفل پڑھی ہو۔ اختلاف اس میں ہے کہ یہ ممانعت عیدگاہ سے مخصوص ہے یا عیدگاہ اور گھر دونوں کو شامل ہے، چنانچہ بعض نے کہا کہ عیدگاہ اور گھر دونوں کو شامل ہے۔ چنانچہ بعض نے کہا کہ عیدگاہ کے سوا کسی اور جگہ نفل پڑھے تو مضائقہ نہیں ہے۔ حضرت ابو سعید خدری سے مروی کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید سے پہلے کوئی نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔ جب کاشانہ اقدس میں واپس تشریف لاتے تو دو رکعت پڑھتے۔ اسے ابن ماجہ اور احمد نے روایت کیا اور صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ عیدگاہ میں نماز عید سے پہلے کوئی نفل نہ پڑھنے چاہئیں پس کراہت عیدگاہ کے ساتھ خاص ہے اور شرح میں ہے کہ اگر چاشت کی نماز عیدگاہ جانے سے پہلے پڑھ لے تو مکروہ نہیں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ عیدگاہ اور اس کے سوا کہیں مکروہ نہیں ہے اور شرح میں یہ بھی ہے کہ یہ عدم کراہت امام اور قوم سب کے لئے عام ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام کے لئے مکروہ ہے قوم کے لئے نہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس نفی سے یہ مراد ہے کہ وہ نماز مسنون نہیں ہے یہ مراد نہیں کہ نماز ہی مکروہ ہے اور صاحب فتح الباری فرماتے ہیں کہ عید کی نماز سے پہلے اور بعد کی ممانعت میں احتمال ہے۔ اس سے یا تو نفل پڑھنے کی ممانعت ہے یا سنن رواتب پڑھنے کی ممانعت ہے۔ نفل کی ممانعت کی صورت میں یا تو یہ مراد ہو کہ وقت ہی میں کراہت ہو یا اس سے عام اور ہر تقدیر پہ یہ ممانعت امام کے ساتھ مخصوص ہے یا امام و مقتدی سب کے

لئے۔ یا یہ ممانعت عید گاہ سے مخصوص ہے یا عید گاہ اور گھر سب کو شامل ہے۔ سلف نے ان تمام تقدیروں پر اختلاف کیا ہے۔ علماء کوفہ فرماتے ہیں بعد کو ممانعت ہے پہلے نہیں ہے۔ یہی مذہب اوزاعی ثوری اور حنفیوں کا ہے اور علماء بصرہ فرماتے ہیں کہ ممانعت پہلے ہے بعد کو نہیں ہے۔ یہ مذہب حسن بصری اور ایک جماعت کا ہے۔ اہل مدینہ فرماتے ہیں کہ نہ پہلے ممانعت ہے نہ بعد میں۔ یہ مذہب زہری، ابن جریج اور امام احمد کا ہے۔

بعض مالکی علماء نے یہ اجماع نقل کیا ہے کہ امام عید گاہ میں نفل نہ پڑھے اور جو جواز کے قائل ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ وقت مطلق نماز کا ہے۔ وقت میں کوئی کراہت نہیں ہے اور جو ممانعت کے قائل ہیں ان کی حجت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت میں (نماز عید کے سوا) کوئی نماز نہ پڑھی۔ جس نے حضور کی پیروی کی اس نے ہدایت پائی۔ حاصل بحث یہ ہے کہ عید کی نماز سے پہلے یا بعد کوئی سنت ثابت نہیں ہے، مگر بعض وہ جو جمعہ پر قیاس کرتے ہیں۔ اب رہا مطلق نفل پڑھنا تو یہ کسی خاص دلیل سے اس کی ممانعت ثابت نہیں۔ بجز اوقات مکروہ کے۔ انتہی۔

نماز عید کی قضا کا حکم:

اب واضح ہو کہ فقہاء نے نماز عید فوت ہو جانے کے بعد قضا میں اختلاف کیا ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ کے ظاہر مذہب کے نزدیک نماز عید کی کوئی قضا نہیں ہے۔ اس لئے یہ نماز انہیں خصوصیات کے ساتھ ثابت ہے اور ہدایہ کی شروح میں ہے کہ اگر چاہے تو دو رکعت یا چار رکعت نماز چاشت کی طرح پڑھے۔ جس طرح اور دنوں میں پڑھتا ہے۔ محیط اور فتاویٰ قاضی خاں سے یہ منقول ہے کہ جو شخص عید گاہ پہنچے اور امام کے ساتھ نماز نہ پائے تو اسے اختیار ہے چاہے اپنے گھر چلا جائے اور چاہے نماز پڑھے پھر چلا جائے اور افضل یہ ہے کہ چار رکعت پڑھے۔ اس کے لئے یہ نماز چاشت ہوگی۔ جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ

عنہ سے صحیح اسناد سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں جس سے نماز عید فوت ہو جائے تو وہ چار رکعت پڑھے۔ ایسا ہی فتح الباری میں ہے کہ ان رکعات میں پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری میں والشمس وضحٰہا اور تیسری میں واللیل اذا یغشیٰ اور چوتھی میں والضحیٰ پڑھے اور حضرت ابن مسعود نے ان چار رکعتوں کے ثواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیک وعدہ اور بڑا اجر روایت کیا ہے۔ اسی طرح امام احمد کے مذہب میں ہے انہوں نے حضرت ابن مسعود کا یہی اثر استدلال میں بیان کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی تقویت وہ روایت کرتی ہے جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو فرمایا کہ وہ قوم کے کمزوروں کو چار رکعت بغیر تکبیر اور خطبہ کے پڑھائے اور بخاری نے ترجمہ باب میں ذکر کیا کہ حضرت انس نے اپنی اہل و اولاد کو موضع زاویہ میں جو بصرہ سے دو کوس کے فاصلہ پر ہے جمع کیا اور عید کی نماز گرد و نواح کے لوگوں کے ساتھ پڑھی اور وہ لوگ دو رکعتیں عید کی نماز کی طرح امام کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور کرمانی نے کہا کہ امام کے ساتھ نماز عید فوت ہو جائے تو امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ دو رکعتیں پڑھ لے اور امام احمد فرماتے ہیں کہ چار رکعت پڑھ لے اور امام اعظم رحمۃ اللہ کے نزدیک اختیار ہے چاہے پڑھے، چاہے نہ پڑھے اور اگر پڑھے تو بھی اختیار ہے کہ دو رکعت پڑھے یا چار رکعت۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ماہ ذی الحجہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنوں میں کوئی دن ان دس دنوں سے زیادہ محبوب نہیں ہے جس میں نیکیاں کی جائیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ فی سبیل اللہ جہاد بھی نہیں؟ ہاں جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں۔ پھر عرض کیا، کیا فی سبیل اللہ جہاد بھی نہیں؟ فرمایا فی سبیل اللہ جہاد بھی نہیں۔ مگر وہ شخص کہ اپنی جان و مال لے کر نکلا پھر اس سے کچھ نہ لے کر واپس آیا۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔ صحیح ابوعوانہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ذی الحجہ کے عشرہ سے افضل کوئی دن نہیں ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے سال میں افضل دنوں میں روزہ رکھنے کی منت مانی تو وہ دن دنوں کی طرف رجوع کرے اور اگر تمام دنوں میں افضل دن کی منت مانی تو یوم عرفہ (نویں) کا روزہ رکھے اور اگر ہفتہ میں افضل دن کے روزے کی منت مانی تو جمعہ کا رکھے اور مختار یہ ہے کہ اس عشرہ کے دن اس لئے افضل ہیں کہ ان میں یوم عرفہ آتا ہے اور رمضان کے عشرہ کی راتیں اس لئے افضل ہیں کہ ان میں لیلۃ القدر ہے اور قول فیصل یہی ہے کہ ذی الحجہ کے عشرہ کا روزہ اور اس کی فضیلت و استحباب میں حدیثیں مروی ہیں اس عشرہ سے نو دن مراد ہیں ابوداؤد اور نسائی نے بعض ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ ذی الحجہ کے نو دن اور یوم عاشورہ اور ہر مہینہ کے تین دن اور اس میں پہلی پیر کا دن اور پہلی جمعرات کا دن اور دوسری روایت میں ہے کہ حضور اس عشرہ میں اور ہر مہینہ کے تین دن میں روزے رکھا کرتے تھے اور وہ جو مسلم، ترمذی اور ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عشرہ میں کبھی روزہ رکھتے نہیں دیکھا یہ روایت اس کی منافی

نہیں۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ نے یہی تو خبر دی کہ میں نے نہیں دیکھا۔ ممکن ہے کہ حضور کے روزے کی انہیں خبر نہ ہوئی ہو اور کوئی امر مانع ہو مثلاً مرض، سفر وغیرہ اور وہ جو اس عشرہ میں مطلق عمل صالح کی فضیلت میں وارد ہے یہ بھی تو روزہ کو شامل ہے اور کچھ ایسی سنتیں ہیں جن کو لوگوں نے ترک کر رکھا ہے۔ وہ یہ کہ جو قربانی کا ارادہ کرے خواہ وہ فرض ہو یا نفل تو اس کے لئے سزاوار نہیں ہے کہ اپنے بال اور ناخن ترشوائے جب تک کہ وہ قربانی نہ کرلے۔ مسلم نے حضرت ام سلمہ سے روایت کی وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب یہ عشرہ آئے اور تم میں سے کوئی قربانی کا ارادہ کرے تو اپنے چہرے اور بدن کے بالوں کو نہ چھوئے اور ایک روایت میں ہے کہ نہ بال لے اور نہ ناخن ترشوائے اور ایک روایت میں ہے کہ جس نے ذی الحجہ کا چاند دیکھا اور وہ قربانی کا ارادہ رکھتا ہے تو اپنے بالوں کو نہ لے اور نہ ناخن کتروائے اور جامع الاصول میں مسلم کی حدیث سے حضرت عمر بن مسلم بن عمار لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ ہم یوم الاضحیٰ کے قریب حمام میں گئے، پھر کچھ لوگوں نے نورہ لگایا۔ تب حمام والوں میں سے کسی نے کہا اس سے تو منع کرتے ہیں۔ پھر میں سعید بن مسیب کے پاس گیا میں نے ان سے اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا اے بھتیجے! اس حدیث کو لوگ بھول گئے ہیں اور عمل ترک کر دیا ہے حالانکہ مجھ سے ام سلمہ زوجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ذی الحجہ کا چاند دیکھا آخر حدیث تک۔ اب یوم عرفہ کی فضیلت تو اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ افضل ہے یا جمعہ کا دن افضل ہے۔ ایک قول تو یہ ہے کہ پورے سال میں عرفہ افضل ہے اور ہفتہ میں جمعہ افضل ہے۔ اس کی تمام دلیلیں سفر السعادۃ میں باب جمعہ میں مذکور ہیں۔ یوم عرفہ کا روزہ؟ تو جمہور اس پر ہیں کہ یہ سنت ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وقوف عرفات والوں کے سوا کے لئے سنت ہے۔ حضرت ام الفضل بنت الحارث سے مروی ہے کہ ان کے پاس عرفہ کے دن

کہ حضور روزے سے ہیں اور کسی نے کہا روزے سے نہیں ہیں۔ تب میں نے ایک پیالہ دودھ کا بھیجا۔ حضور اونٹنی پر سوار عرفات تشریف فرما تھے۔ چنانچہ آپ نے اسے پی لیا۔ (متفق علیہ) اسی کی مثل حضرت میمونہ سے بھی یہی ایک حدیث مروی ہے۔ امام ترمذی اس باب میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عمر سے بھی مروی ہے۔ امام ترمذی اس باب میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عمر سے بھی مروی ہے اور ابن عمر سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور کے ساتھ حج کیا۔ آپ نے عرفہ کے دن روزہ نہ رکھا اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے بھی روزہ نہ رکھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے، انہوں نے بھی روزہ نہ رکھا اور نہ میں نے روزہ رکھا اور نہ ہمیں اس کا حکم دیا اور نہ ممانعت فرمائی۔ اکثر علماء کا اسی پر عمل ہے کہ عرفات میں روزہ نہ رکھنا مستحب ہے۔ تاکہ آدمی میں دعا کرنے کی قوت باقی رہے اور بعض علماء نے عرفہ کے دن عرفات میں روزہ رکھا۔ انتہی۔ بلاشبہ یہ وارد ہے کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ مذہب مختار یہی ہے کہ عرفہ کا روزہ مستحب ہے، مگر ان حاجیوں کے لئے نہیں جو دعا کرنے کی قوت اور اس میں کوشش کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

''تعریف'' کا حکم:

مناسب ہے کہ کچھ وہ احکام بھی بتا دیئے جائیں جو عرفات میں ٹھہرنے سے متعلق ہیں۔ جیسے لوگ ملکوں میں کرتے ہیں تو معلوم ہونا چاہئے کہ علماء احناف نے بیان کیا ہے کہ تعریف یعنی عرفہ کے روز کسی جگہ لوگوں کا جمع ہونا تاکہ عرفات میں ٹھہرنے والوں سے مشابہت پیدا کریں، بے اصل ہے اور امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ سے اصول روایت کے سوا مروی ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں

نے بصرہ میں ایسا کیا تھا۔ ایسا ہی تبیین میں مذکور ہے اور جامع صغیر برہانی میں ہے کہ علماء کا یہ قول کہ "تعریف" جسے لوگ کرتے ہیں کچھ نہیں ہے۔ اس سے مشروع ہونے کی نفی مراد نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ تو دعا تسبیح اور جناب باری میں تضرع وزاری کے لئے ہے البتہ اس کے واجب گردانے اور سنت مراد لینے کی نفی ہے۔ جیسا کہ نجم الدین بلخی کی کتاب میں ہے اور جامع سغیر میں ہے کہ وہ "تعریف" جسے لوگ کرتے ہیں یہ کچھ نہیں ہے۔ دراصل تعریف تو یہ ہے کہ تمام صلحاء وعرفاء بروز عرفہ شہر میں جمع ہو کر تکبیر وتہلیل پڑھیں، جس طرح حجاج عرفات میں پڑھتے ہیں۔ یہ کچھ نہیں ہے۔ یعنی یہ سنت میں سے نہیں ہے لیکن یہ فعل فی نفسہ ایک عمدہ دینی، نیکی اور بھلائی میں سبقت کرنے کی بات ہے۔ یہ کافی میں مذکور ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ مستحب ہے۔ اس لئے کہ عبادت گزار بندوں کی مشابہت ہے لہٰذا انہیں ضرور اجر ملے گا۔ اسی طرح "سنن الہدیٰ" میں منقول ہے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ ذکر وتسبیح و تہلیل اور دعا میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ سب چیزیں ہر جگہ اور ہر زمانہ میں مشروع ہیں۔ البتہ احرام کے لباس، تلبیہ اور تمام ان آداب میں جو حجاج وقوف عرفہ کے وقت کرتے ہیں اس میں کلام ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ باتیں وہیں کے ساتھ خاص ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ المرام۔ لیکن اس کے علاوہ اور عبادتیں، دعائیں، احکام وغیرہ فقہ کی کتابوں اور مناسک کے رسالوں میں مذکور ہیں۔ وہیں سے تلاش کرنا چاہئے اور یہ ہمارے اس مقصود کا آخری کلام ہے، جسے ہم اس رسالہ میں لائے ہیں۔

و آخر دعوٰنا ان الحمدلله رب العٰلمین وصلی الله علی سید المرسلین و امام المتقین محمد و آله اصحابه و اتباعه هداة طریق الحق و محی علوم الدین. آمین. آمین. آمین. تمت